بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلد ابو زید ضمیر کی کتاب ''**جماعت اہلِ حدیث پر الزامات کا جائزہ**'' کا دوٹوک جواب
اور نام نہاد اہلِ حدیث کے مصنوعی چہرے کو بے نقاب کرنے والی ایک تحقیقی دستاویز

حقیقت ہر نقاب زندگی سے رونما ہوگی
نظر کی قوتوں کو امتیازِ حق و باطل دے

فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ

مؤلف
محمد ساجد علی رضوی مصباحی ناگوری
استاذ دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن۔ کرلا، ممبئی

ناشر
رضا دارالمطالعہ دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن
کرلا، ممبئی ۷۰

فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ

تعارف

کتاب	:	فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ
تالیف	:	**محمد ساجد علی** رضوی مصباحی
		استاذ دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن۔ کرلا، ممبئی ۷۰
		خطیب و امام سُنّی ہری مسجد، کرلا، ممبئی
تصویب	:	حضرت علامہ مفتی محمود اختر القادری صاحب قبلہ دام ظلہ
		صدر مفتی رضوی امجدی دارالافتا، قاضی شہر ممبئی
تخریج و نظر ثانی	:	حضرت علامہ محمد نعیم الحق رضوی ازہری
		استاذ ادب دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئی
کمپوزنگ	:	مولانا محمد کوثر ربانی رضوی، استاذ دارالعلوم ہٰذا
پروف ریڈنگ	:	مولانا محمد فاروق رضوی، استاذ دارالعلوم ہٰذا
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۸ھ
صفحات	:	456
تعداد	:	گیارہ سو
تقسیم کار	:	**رضا دارالمطالعہ**، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئی

شرفِ انتساب

مرشدِ برحق نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضور تاج الشریعہ،

قاضی القضاۃ فی الہند، حضرت علامہ الشاہ

مفتی اختر رضا خاں

قادری رضوی ازہری مدظلہ العالی

کے نام

جن کی نسیم فیض سے ہزاروں دلوں کی مرجھائی کلیاں کھلیں

اور جن کے چشمۂ برکات سے ایک زمانہ سیراب ہو رہا ہے۔

آپ کا وجود عالم اسلام کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے لیے

سرمایۂ افتخار اور دورِ حاضر کے فتنوں میں نشانِ منزل ہے۔

مفتی اعظم کا ذرّہ کیا بنا **اختر رضا**
محفل انجم میں **اختر** دوسرا ملتا نہیں

فدائے حضور تاج الشریعہ

محمد ساجد علی رضوی مصباحی

فہرست

باب سوم 222

باب چہارم 255

دعائیہ کلمات

تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری** صاحب قبلہ

نائب حضور مفتی اعظم، صدر آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء

زیرِ نظر کتاب ''فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ'' ایک جوابی تحریر ہے، جس کو عزیز القدر مولانا ساجد علی صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا۔ اس کتاب میں انھوں نے پونہ کے غیر مقلد ابوزید کی خرافات سے بھری کتاب کا تحقیقی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ عقائد اہلِ سنّت کو روزِ روشن کی طرح واضح فرمایا۔

مولیٰ تعالیٰ ان کی یہ کوشش قبول فرمائے اور انھیں دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ و اکرم التسلیم

محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

حرفِ تصویب

نبیرۂ حضور صدر الشریعہ خلیفۂ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ **مفتی محمود اختر القادری**

قاضی شہر مہاراشٹر و صدر مفتی رضوی امجدی دار الافتاء ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلّی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

مخبر صادق عالم ما کان و ما یکون رسولِ اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ والا شان ''ستفترق امتی ثلثا وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ'' (یہ اُمت تہتّر فرقے ہو جائے گی، ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنمی) کے مطابق اس اُمت میں بہت سارے فرقے پیدا ہوئے اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور ہر باطل فرقہ اپنے آپ کو جنتی اور نجات یافتہ ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے اور آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے خود ساختہ وغلط معانی ومفاہیم پیش کر کے اپنے باطل عقائد وفاسد اعمال کے صحیح و مدلل ہونے کا دعوے دار ہے۔ اور اس سلسلے میں جھوٹ، فریب، مکر، دسیسہ کاری، کذب بیانی کے ایسے ایسے جال بچھائے جاتے ہیں کہ سیدھے سادے مسلمان ان کے جعل اور فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان فرقِ باطلہ میں سے ایک فرقہ غیر مقلدین کے نام سے مشہور ہے، جو دراصل فرقۂ وہابیہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ جماعت شروع ہی سے وہابی اور غیر مقلد ہی کہلاتی رہی۔ لیکن برٹش گورنمنٹ کے دور میں اس جماعت کے پُرکھوں نے انگریز حکومت سے درخواست والتجا کر کے اور اپنی وفاداری کا دَم بھر کر اپنا نام اہلِ حدیث الاٹ کرایا، جیسا

کہ خود غیر مقلدین کے سروے سروا نواب صدیق حسن بھوپالی نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' میں اعتراف کیا ہے اور وہ درخواست بھی نقل کی ہے جو انگریزی حکومت کو ان لوگوں نے پیش کی تھی۔ ناظرین اس درخواست کو ملاحظہ فرمائیں!

> بخدمت جناب سیکریٹری گورنمنٹ ـ ـ ـ ـ میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں۔ ۱۸۸۶ء میں مَیں نے اپنا ماہواری رسالہ اشاعۃ السنہ شائع کیا تھا، جس میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ لفظ وہابی جس کو عموماً باغی اور نمک حرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لفظ کا استعمال مسلمانانِ ہندوستان کے اس گروہ کے حق میں جو اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سرکار انگریزی کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے ہیں اور یہ بات بار بار ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط و کتابت میں تسلیم ہو چکی ہے۔ ـ ـ ـ ـ
>
> ہم کمال انکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے اور ان کو اہلحدیث کے نام سے مخاطب کیا جائے۔
>
> اس درخواست پر فرقۂ اہلحدیث کے تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں۔ (اشاعۃ السنہ، ج/۱۱، ص/۴، شمارہ نمبر ۲)

ناظرین کرام! ان جملوں کو بار بار پڑھیں اور غور کریں ''وہ ہمیشہ سے سرکار انگریزی کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے ہیں اور یہ بات بار بار ثابت ہو چکی ہے''، ''ہم کمال انکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں'' سے بالکل ظاہر ہے کہ فرقۂ

وہابیہ ہمیشہ سے انگریزوں کا نمک حلال اور خیر خواہ رہا ہے اور اندرونِ خانہ ان سے ساز باز کر کے اہلسنت و جماعت کو نقصان پہنچاتا رہا ہے۔

یہ نام نہاد جماعت اہلِ حدیث ڈھنڈورا پیٹتی ہے کہ ہم حدیث کے ماننے والے ہیں، ہمارا عمل صرف حدیث اور قرآن پر ہے، ہم اپنے ہر عمل پر قرآن و حدیث سے دلیل رکھتے ہیں۔ مگر قرآن وحدیث کے کیسے منکر ہیں اور ان کے اعمال وعقائد احادیث کریمہ اور اجماعِ اُمت کے کس قدر خلاف ہیں، ناظرین کرام اس زیر مطالعہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

فاضل گرامی حامیٔ سنت، کاسر بدعت، قاطع غیر مقلدیت، حضرت علامہ حافظ **محمد ساجد علی رضوی مصباحی ناگوری** نے نہایت ہی محققانہ شان سے کمالِ متانت کے ساتھ اپنی اس کتاب ''فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ'' میں غیر مقلدوں کے مکروہ اور پُرفریب چہرے سے نقاب کشائی فرمائی ہے اور ان کا اصلی اور حقیقی چہرہ دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کیا ہے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا کر دیا ہے۔ آیت مقدسہ و احادیثِ کریمہ نیز اقوالِ سلف وخلف سے اہلسنت و جماعت کے عقائد ومعمولات اس قدر مدلل اور مبرہن ہیں، اور وہابیہ کے عقائد واعمال دلائلِ شرعیہ سے کتنے دور اور قرآن وحدیث کے کس قدر خلاف ہیں، کتاب کے مطالعہ سے آپ پر بالکل واضح ہو جائے گا۔ بلکہ تعصب و ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر اس کتاب کا مطالعہ وہابیوں کو بھی ان کے عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ سے دور ونفور کر دے گا۔

فاضل مصنف نے علمائے غیر مقلدین کی کتب معتبرہ کے حوالے سے جو عبارتیں پیش کی ہیں، ان سے ان کے مکروہ چہرے بالکل بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ لوگ کتنے جھوٹے، بے شرم اور بدزبان ہیں۔

ان کا مقصد شریعت پر عمل کرنا نہیں، بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر گمراہ کرنا اور اپنی طبیعت پر عمل کرنا اور تن آسانی اختیار کرنا ہے۔

ربّ قدیر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اس کتاب کو مقبول انام فرمائے، اس کے ذریعے تاریک دلوں کو جِلا بخشے اور فاضل مصنف کے زبان وقلم کو مزید قوت و اثر عطا فرمائے اور انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

محمود اختر القادری عفی عنہ

خادم الافتاء رضوی امجدی دار الافتاء

ممبئی۔ ۳

۷ ؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

حرفِ تکریم

ناشر مسلک اعلیٰ حضرت حضرت علامہ **مفتی ولی محمد** صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ سنّی تبلیغی جماعت باسنی ناگور راجستھان

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق و باطل میں ہمیشہ سے معرکہ آرائی رہی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور رہے گا، تاریخ اس پر شاہد ہے۔

اس اُمت میں ایک جماعت حق کی آواز تا قیامت بلند کرتی رہے گی، جس سے حق و ہدایت کی روشنی پھیلتی رہے گی۔ بارھویں صدی کے بعد تیرھویں صدی ہجری میں وہابیت کے فتنے نے اُمت میں اختلاف پیدا کر کے دولت وحکومت کے زور سے گمراہی پھیلائی، اور ہزاروں لوگوں کے ایمان وعقیدے کو تباہ و برباد کر کے ائمۂ کرام، مجتہدین عظام رضی اللہ عنہم کی تقلید و پیروی سے جدا کر کے نفس وشیطان کی اتباع میں انھیں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بے دینی سے ہر سنّی، ائمۂ کرام کے وفادار کی حفاظت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے علمائے کرام، مفتیانِ اسلام، مشائخ کرام نے قران وسنت کے دلائل سے کتب ورسائل کے ذریعے احقاقِ حق وابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا ہے، خاص طور پر امام اہلِ سنّت مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنی کتب ورسائل میں حق و باطل، ہدایت و گمراہی کے درمیان خطِ امتیاز ایسا واضح کیا کہ حق و ہدایت کا چہرہ آفتاب سے زیادہ روشن

ہوگیا ہے۔ آپ کی ہر کتاب وفتویٰ ھدایت کا منار ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے معروف ہے۔

میرے عزیز گرامی مولانا حافظ محمد ساجد رضوی، خطیب وامام ہری مسجد، کرلا گارڈن ممبئی نے اس ڈگر پر چلتے ہوئے علمائے کرام وامام عشق ومحبت سے فیض لے کر ''فرقۂ اہلِ حدیث کے جرائم کا تحقیقی جائزہ'' کو مرتب کیا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ موصوف نے خوب محنت و ذمے داری سے یہ کارِ نیک انجام دیا ہے۔ مولیٰ قبول فرمائے اور عوام کی رہنمائی وباطل کی سرکوبی کا ذریعہ بنادے اور عزیز موصوف کو مزید دین وسنیت کی مخلصانہ خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و اٰلہ و صحبہ و سلم

فقط والسلام

ولی محمد رضوی

خادم سنّی تبلیغی جماعت

باسنی، ضلع ناگور شریف، راجستھان

۲۰؍ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ

حرفِ آغاز

''جماعت اہلِ حدیث پر الزامات کا جائزہ'' نامی ایک کتاب نظر سے گزری، جو غیر مقلد ابوزید ضمیر کی تالیف ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ''الزامات کا جائزہ'' کے نام سے ''جرائم کی لیپا پوتی'' کی ناکام سعی کی گئی ہے۔

اہلِ علم و دانش تو اس طرح کی غلط بیانی اور فریب کاری سے بخوبی آگاہ ہیں، البتہ عوام کو ایسے کذب و مکر سے بچا کر حقائق سے روشناس کرانا ضروری ہے۔ مؤلف کتاب نے بڑی دیدہ دلیری اور کمالِ بے حیائی کے ساتھ ''فرقۂ غیر مقلدیت'' کے بدنما چہرے پر پردہ ڈال کر حقائق کو چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ احباب کی خواہش اور انکشافِ حق کا فرض باعث ہوا کہ کذب و فریب کا پردہ چاک کر کے غیر مقلدین کا اصلی چہرہ عوام کے روبرو پیش کیا جائے، سو میں اپنے انھیں نیک جذبات کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مؤلف کتاب ''ابوزید'' نے غلط فہمی کے عنوان سے دس ابواب رکھے۔ اور یہ کہا کہ فرقۂ اہلِ حدیث پر مندرجہ ذیل دس الزامات عائد کیے جاتے ہیں:

(۱) اہلِ حدیث ایک نیا فرقہ ہے جو انگریزوں کی ایجاد ہے۔

(۲) اہلِ حدیث رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

(۳) اہلِ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہیں مانتے اور ان کی اہانت کرتے ہیں۔

(۴) اہلِ حدیث اولیاء اللہ کے منکر ہیں۔

(۵) اہلِ حدیث ائمۂ اربعہ کو نہیں مانتے اور انہیں گمراہ کہتے ہیں۔

(۶) اہلِ حدیث علما کو نہیں مانتے۔

(۷) اہلِ حدیث کی دعوت کا مقصد اُمت میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔

(۸) اہلِ حدیث اجماعِ اُمت کو نہیں مانتے۔

(۹) اہلِ حدیث دہشت گردی کی تعلیم دیتے ہیں۔

(۱۰) اہلِ حدیث مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔

خود مؤلف کو اعتراف ہے کہ الزامات (جرائم) اور بھی ہیں۔ دس پر بس نہیں ہے، چنانچہ لکھا:

> ''اہلِ حدیث کے سلسلہ میں غلط فہمیوں اور الزامات کی ایک لمبی فہرست ہے، اس رسالہ میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض اہم شبہات ہی کا ازالہ کیا جارہا ہے''۔ (ص:۹)

مگر ہزار اختصار کے باوجود نہ جانے کیوں ایک اہم تر جرم کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ راقم نے غیر مقلدین کے اس جرم کو بھی ذکر کرنا ضروری سمجھا اور وہ یہ ہے کہ نام نہاد اہلِ حدیث بارگاہِ صمدیت جل وعلا میں بھی بے ادب و جری واقع ہوئے ہیں۔

اگر مذکورہ دس اُمور غیر مقلدین کے جرائم نہیں بلکہ محض ان پر الزامات ہیں تو ''بحیثیت ملزم'' مؤلف کو دفع الزامات کے لیے اکابر اہلِ حدیث کے حوالے سے ان کی نفی کرنا چاہیے تھی۔ مگر مؤلف نے اپنے اکابر کی کتابوں کو مس نہ کر کے قرآن و سنت سے آیات و احادیث اور کلام اسلاف پیش کیا، یہ طریقہ دفع الزامات کے لیے قطعاً سود مند نہیں۔ مگر فریب کاری کے لیے بہر حال مفید ہے۔

مؤلف نے ضمناً عقائد و معمولاتِ ''اہلِ سنّت و جماعت'' مثلاً مسئلہ نور و بشر، علم غیب، توسّل و استعانت، تقلید، زیارتِ قبور اور تعظیم تبرکات وغیرہ کو زیر بحث لا کر یہ واضح کر دیا کہ دفع الزامات کی آڑ میں مقصد کچھ اور ہے۔

لٰہذا راقم نے اپنی اس جوابی تحریر میں دو باتوں کا التزام کیا:

۱۔علمائے اہلِ حدیث کی کتابوں سے مذکورہ جرائم کا اثبات

۲۔جن عقائد و معمولاتِ اہلِ سنّت کو نشانہ بنایا گیا، ان کی حقانیت پر دلائل

دورانِ مطالعہ آپ کو علمائے غیر مقلدین اور ان کی کتابوں کے حوالے بکثرت ملیں گے، اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ جب تک خود اہلِ حدیث کی کتابوں کی ورق گردانی نہ کی جائے یہ کیسے پتا چلے گا کہ ان کے بارے میں بیان کی گئی بات حقیقت ہے یا محض الزام۔

نیز ابوزید کے اس شکوے کا ازالہ بھی مقصود ہے جو اِن الفاظ میں کیا گیا ہے:

> ''کتنے لوگ ہیں جو اہلِ حدیث سے محض بدگمانی کی بنیاد پر ناراض ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے پوچھا جائے کہ کیا واقعی آپ نے اس چیز کی تحقیق خود کی ہے؟ جو عقیدہ یا اصول اہلِ حدیث سے جوڑا جا رہا ہے، کیا خود آپ نے اسے اہلِ حدیث کی زبان سے سنا یا پڑھا ہے؟ تو ان سے اس کا جواب اثبات میں نہیں ملتا بلکہ ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی اور سے یہ بات سنی ہے کہ اہلِ حدیث یوں کہتے اور یوں کرتے ہیں۔ اگر وہ واقعی کسی اہلِ حدیث سے براہ راست پوچھ لیتے تو حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجاتی۔ ساری بدگمانیاں اور ناراضگیاں ختم ہو جاتیں لیکن افسوس کہ لوگ اس چیز کی ہمت نہیں کر پاتے اور اُجالے کے بجائے اندھیرے ہی میں جینے کو اختیار کرتے ہیں''۔ (ص:۸)

ہم اہلِ سنّت یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ بحمدہ تعالیٰ ہم نے براہ راست اہلِ حدیث کی کتابوں سے پڑھ کر یہ معلوم کیا ہے کہ اہلِ حدیث کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے

ہیں؟ البتہ اب ہمیں یہ شکوہ ضرور ہے کہ براہ راست اہلِ حدیث کو پڑھنے کے بعد ناراضگی تو کیا دور ہوتی، مزید حقائق نے اہلِ حدیث کا رہا سہا بھرم بھی کھو دیا۔

علمائے غیر مقلدین کی کتابوں کے مطالعہ کے دوران شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ عقائد سے مسائل تک اور نظریات سے معمولات تک تضاد ہی تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ان کے یہاں صحیح عقیدہ اور درست مسئلہ کیا ہے؟ مستزاد یہ کہ ہر مصنف اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے عالم اہلِ حدیث کی تحریر کو دانستہ یا نادانستہ خطا قرار دیتا ہے۔

خیال رہے کہ غیر مقلدین نے گزرتے وقت کے ساتھ مختلف چولے اور رنگ بدلے ہیں۔ محمدی، موحد، سلفی، وہابی، غیر مقلد، اہلِ حدیث؛ ان مختلف ناموں کے ساتھ یہ منظر نامہ پر آتے رہے ہیں۔ **لٰہذا کسی کے اہلِ حدیث ہونے کا فیصلہ نام کے بجائے اس کے افکار و نظریات کی بنیاد پر ہوگا۔** نام بدلنے کے ساتھ اپنی جماعت کے مسلمہ اکابر کے انکار کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ اسماعیل دہلوی، نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، محمد حسین بٹالوی، ثناء اللہ امرتسری، عبدالحق بنارسی وغیرہم۔ یہ حضرات غیر مقلدین کے میرِ کارواں اور روحِ رواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر اپنی مذہبی آزادی، طبعی بے راہ روی، اسلاف بیزاری اور خواہش پروری کے سبب مطعون ہو چکے اور جواب کی ساری راہیں مسدود ہو گئیں تو غیر مقلدین نے اپنے ان آقایانِ نعمت کا حق نمک یوں ادا کیا کہ خود انہیں کے اہلِ حدیث ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا!! لیکن کیا اس انکار سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ جائے گا؟ ہرگز نہیں!!!

سردست یہاں ان کے اہلِ حدیث ہونے کی دو وجہیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کسی بھی فرقے کا وجود افکار و نظریات کی بنیاد پر ہوتا ہے اور ان پیشوایانِ

اہلِ حدیث کے افکار ونظریات وہی تھے جو موجودہ اہلِ حدیث کے ہیں اور ان کے اہلِ حدیث ہونے کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ کہ ان کے اکابر اہلِ حدیث ہونے کا اعتراف خود اہلِ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد اسلم سیف نے اپنی کتاب ''تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں'' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، میں اپنے اسلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

''مسلک اہلِ حدیث کے عظیم حاملین اور عظیم اسلاف کی علمی خدمات اور تجدیدی کارنامے ایسے حقائق ہیں، نہ ان کے بارے میں دورائے ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کا انکار کیا جا سکتا ہے''۔ (ص ۳۲)

مسلک اہلِ حدیث کے عظیم اسلاف کون ہیں؟ ان میں سے چند کا تذکرہ کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارا تابناک ماضی اس بات پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی نظری وفکری فتنہ اُٹھا اہلِ حدیث خم ٹھونک کر اس کے خلاف میدان میں اُترے اور اس وقت تک اس کا تعاقب جاری رکھا تا آنکہ یہ فتنہ فرو ہو گیا یا فنا کے گھاٹ اُتر گیا یا اپنی موت آپ مر گیا۔ اہلِ حدیث نے ہر فتنہ کے مقابلے میں دلائل سے مسلح ہو کر اس کا مقابلہ کیا...... امام داوٗد ظاہری، امام ابن حزم، ائمہ حدیث امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن کثیر، حضرت مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا سید عبداللہ غزنوی، نواب صدیق حسن خان، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد حسین بٹالوی،

مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا ابوالقاسم بنارسی اور دیگر اجلہ علماے کرام نے اپنے اپنے دور میں دین کے دفاع اور اسلام کے دشمنوں کو للکارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا...... اس باب میں ائمہ اہلِ حدیث کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں'' (ص ۶۱۵-۶۱۶)

قطع نظر اس سے کہ ان میں سے کون کون عقیدتاً اہلِ حدیث نہیں ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خود علماے اہلِ حدیث کو اعتراف ہے کہ یہ حضرات ہمارے اکابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کارناموں کا میزانیہ بنانا ہوتا ہے تو بڑے فخریہ انداز میں ان لوگوں کو اکابر اہلِ حدیث کہا جاتا ہے مگر جب جواب دہی کا مرحلہ پیش آتا ہے تو نہ جانے کیوں ان حضرات کے اہلِ حدیث ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا جاتا ہے!

اہلِ حدیث کی مسلمہ شخصیات

غیر مقلد عالم قاضی محمد اسلم سیف ہی کی کتاب ''تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں'' سے یہاں چند اکابر اہلِ حدیث کا نام بنام تذکرہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ ابوزید کو یہ کہہ کر دامن چھڑانے کا موقع نہ رہے کہ فلاں تو اہلِ حدیث نہیں ہے، پھر بھی اگر کسی مخصوص شخص کے بارے میں ضرورت پیش آئی تو خود غیر مقلدین کی کتابوں سے اس کے غیر مقلد ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہمارے ذمّے ہے۔

ابنِ تیمیہ

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی مسلک اور موقف کے علمبردار تھے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ نے پیش کیا اور اسی دعوت کے

داعی تھے جس کو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین زندگی بھر پیش کرتے رہے۔ جسے اہلِ حدیث پیش کرتے ہیں ......کوئی اہلِ علم ان کی فکر و نظر اور ان کی تحقیق و دانش سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اہلِ حدیث کی وہ نظریاتی شخصیت تھے۔ (ص ۱۱۷۔۱۱۸)

محمد بن عبدالوہاب نجدی

(۲) امام محمد بن عبدالوہاب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تصنیفات کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اپنی پُرجوش تبلیغی مساعی میں امام ابن تیمیہ کے افکار کی تبلیغ ہی ان کے پیش نظر تھی۔ اور پورے جوش وخروش کے ساتھ افکار ابنِ تیمیہ کو پیش کیا۔ حوالی اور موالی میں افکارِ ابن تیمیہ کو شدومد کے ساتھ پیش کیا گیا۔ امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سعودی اور خلیج عرب کی تمام ریاستوں میں پھیل گئی۔ بحمداللہ آج افکارِ ابن تیمیہ، عقیدۂ سلف، خالص توحید و سنت کا فیضان دنیا بھر میں پھیل رہا ہے....۔ امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت، تحریک، مشن اور مسلک وہی ہے جو اہلِ حدیث کی دعوت اور مشن ہے۔ یہی ہمارے اور ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔

(ص ۲۲۱)

امام محمد بن عبدالوہاب نے جزیرہ نما عرب میں وہی دعوت پیش کی جو اہلِ حدیث کی دعوت ہے، اسی مسلک اور موقف کا اعادہ کیا جس کو اہلِ حدیث پیش کرتے ہیں۔ (ص ۲۲۵)

اسماعیل دہلوی

(۳) شاہ صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' لکھ کر لاکھوں کروڑوں

مسلمانوں کی ہدایت اور توحید اختیار کرنے کا سامان مہیا کردیا۔ ''یک روزی'' جو مسئلہ امکانِ نظیر پر مولوی فضل حق خیر آبادی کے اعتراضات کا جواب ہے جسے شاہ صاحب نے ایک ہی روز میں قلمبند کر کے معترض کی خدمت میں بھیج دیا، اسی مناسبت سے اس کا نام یکروزی رکھا۔ (ص ۲۳۳۔۲۳۴)

اہلِ حدیث کے نام سے ملک میں اس وقت جو بھی تحریک جاری ہے، حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں، صرف نقش قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جس تحریک کو لے کر اُٹھے وہ فقہ کے چند نئے مسائل نہ تھے بلکہ امامتِ کبریٰ، توحید خالص اور اتباعِ نبی ﷺ کی بنیادی تعلیمات تھیں مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گزرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے۔ (ص ۶۰۶)

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی

(۴) شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی بھی مصروف ابتلا بنے تھے۔ میاں صاحب مرحوم اہلِ حدیث کے سرتاج تھے، اہلِ حدیث اور وہابی کو مترادف سمجھا جاتا تھا۔ (ص ۲۷۵)

حضرت الامام مولینا سید عبدالجبار غزنوی

(۵) مولانا سید عبدالجبار غزنوی اپنے وقت کے ولی کامل راسخ فی العلم اور نادرۃ الوجود شخصیت کے مالک تھے۔ (ص ۳۳۸)

مولانا سید عبد الجبار غزنوی کو جماعت اہلِ حدیث میں درجۂ امامت حاصل تھا۔ علما انہیں حضرت الامام کے نام سے پکارتے

تھے۔ (ص ۳۳۹)

علامہ نواب وحید الزماں حیدر آبادی

(۶) مولانا وحید الزماں جید عالم، عظیم محدث، ممتاز فاضل، ماہر حدیث اور عربی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے میں لاثانی شخصیت تھے۔ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں یہ علم وفضل کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ بحمد اللہ یہ کریڈیٹ بھی اہلِ حدیث کے کھاتے میں جاتا ہے، جو پورے برصغیر میں اردوداں طبقے کو رسول ﷺ کی احادیث سے متعارف کرنے میں ادا کیا۔ فرزندان اہلِ حدیث نے جو خدمات انجام دیں ان کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(ص ۴۶۸۔۴۷۰)

نواب سید صدیق حسن خان

(۷) چوٹی کے اہلِ حدیث عالم ہیں، حدیث، رجال، تفسیر، تاریخ، سیر اور دیگر مسائل پر کئی سو سے متجاوز کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہیں مجدد الوقت اور مجتہد العصر بھی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

نواب صاحب کے والد محترم مولانا سید اولاد حسن قنوجی متوفی ۱۲۵۳ھ جو شیعہ سے اہلِ حدیث ہوگئے۔ (ص ۲۷۳)

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے دور کی بڑی باکمال شخصیت تھے ۔۔۔۔۔۔۔ عام مذاکرات اور مباحث کے علاوہ ساٹھ کے قریب ان کے وہ عظیم الشان مناظرے ہیں، جن کی وجہ سے مسلمانوں اور اہلِ

حدیثوں نے انہیں بالاتفاق شیر پنجاب، فاتح قادیان اور سردار اہلِ حدیث کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے اہلِ حدیث ہونے کی وجہ سے مولانا امرتسری کو سندِ فراغت نہ دی۔ (ص ۴۰۶۔۴۰۷)

قاضی صاحب نے اپنے اکابر کے نام اور کارنامے بڑے فخر سے بیان کیے ہیں، یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایک لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ یہودیوں کے ایک مکروہ فعل یعنی قدیم نسخوں میں تحریف کرنے کا عمل غیر مقلدین میں منتقل ہوگیا ہے اور جدید اشاعت کے نام پر اسلاف کے مسلمہ افکار میں تحریف لفظی ومعنوی کا عمل جاری ہے۔

قدیم نسخوں کو غیر مقلدین کی نئی طباعت سے مقابلہ کرکے اس حیرت انگیز انکشاف کی سچائی کو جانا جاسکتا ہے۔ مگر کیا کاغذ کی سیاہی بدل دینے سے حق کی روشنی بھی ماند ہوسکتی ہے!!

غیر مقلدین کا ایک افسوس ناک رویہ یہ بھی ہے کہ غیر مقلدین علما نے جو مسئلہ بیان کردیا اور ناصر الدین البانی نے جس حدیث کے بارے میں جو لکھ دیا اسے تو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، مگر ضرورت پڑنے پر نہ صرف اپنے مسلمہ اکابر کا انکار بلکہ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدلل باتوں کو رَد کردینا ان کا شیوہ ہے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول ﷺ سے بھی انحراف کرجاتے ہیں اور حدیث کے نام پر سمٹتے سمٹتے صحاح ستہ اور پھر بخاری ومسلم کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں۔

ایک بات اور: غیر مقلدین یا وہابی اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں، لہٰذا عام قاری انہیں الگ الگ فرقہ نہ سمجھیں، یہ ایک ہی فرقہ کے مختلف نام ہیں۔ کہیں ان کا ذکر اہلِ

حدیث کے نام سے ہے تو کہیں غیر مقلد یا وہابی کے نام سے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور محدث ومؤرخ مولانا محمد شاہ جہانپوری لکھتے ہیں:

"کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں، پچھلے زمانے میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں۔ مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہلِ حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔"

(الارشاد الی سبل الرشاد، ص: ۱۳، مکتبہ ثنائیہ، لاہور)

ہمیں یہ یقین ہے کہ جو شخص بھی انصاف کی عینک سے اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے اس بات کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ فرقہ اہلِ حدیث کے جن جرائم کو ابو زید نے الزامات قرار دیا وہ محض الزام نہیں، واقعی جرائم ہیں۔

اور اخیر میں، میں شکر ادا کرتا ہوں ان تمام احباب کا جنھوں نے اس کارِ خیر میں شروع سے آخر تک کسی بھی طرح تعاون کیا۔

خاص طور سے بصد خلوص حضور تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الھند حضرت علامہ الشاہ مفتی **اختر رضا خاں قادری** رضوی دامت برکاتہ العالیہ کی بارگاہ میں شکر وسپاس نذر کرتا ہوں، جنھوں نے ہمہ گیر مصروفیات کے باوصف دعائیہ **کلمات** اِملا کرائے اور مجھے عزت بخشی۔ فجزاہ اللہ عنی و عن اھل الاسلام احسن الجزاء.

اور نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمود اختر القادری صاحب دامت برکاتہ العالیہ کا بے حد ممنون وشکر گزار ہوں، آپ نے پوری کتاب پر غائرانہ نظر فرمائی، جو مجھ ناچیز

پر آپ کا خصوصی کرم ہے۔ نیز ناشر مسلک اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مفتی ولی محمد صاحب قبلہ نے کلمات تکریم لکھے، میں ان کا بھی شکر ادا کرتا ہوں۔

اساتذہ دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن میں سے حضرت علامہ محمد نعیم الحق ازہری صاحب کا صمیم قلب سے مشکور ہوں جنھوں نے تخریج اور نظر ثانی کے لیے اپنا قیمتی وقت دیا اور جو کتابیں دستیاب نہ تھیں، انھیں ڈاؤن لوڈ کر کے بڑی جاں فشانی سے عبارات کو ملایا۔

حضرت علامہ ریاض احمد نوری صاحب جن کی تحریک پر کتاب کا آغاز اور اصرار پر اختتام ہوا۔ جناب مولانا شرف الدین نظامی صاحب نے طباعت کے لیے الحاج محمد اقبال رضوی سے مالی تعاون فراہم کیا اور جناب مولانا فاروق رضوی صاحب نے بڑی محنت سے پروف ریڈنگ کی، ان تینوں حضرات کا بھی میں شکر گزار ہوں۔

ربِّ قدیر ان تمام حضرات کو اپنے فضل خاص سے اجر عظیم عطا کرے اور ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرما کر لغزشوں کو معاف فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین.

۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
مطابق ۲۴؍مئی ۲۰۱۶ء

محمد ساجد علی رضوی مصباحی ناگوری
استاذ دارالعلوم غوثیہ ضیاء القران
کرلا ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

باب (۱)

اہلِ حدیث ایک نیا فرقہ!

اعترافِ حق

نام نہاد اہلِ حدیث ابوزید نے روز روشن کی طرح عیاں ایک حقیقت کا انکار کرتے ہوئے لکھا:

”اہلِ حدیث کے سلسلہ میں پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ یہ ایک نیا فرقہ ہے، ماضی میں اس فرقہ کا وجود نہیں تھا، ہندوستان میں انگریزوں نے اس فرقہ کی بنیاد ڈالی ہے۔“ (ص ۱۰)

یہ غلط فہمی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ فرقۂ اہلِ حدیث ایک نیا فرقہ ہے، ماضی میں اس فرقے کا وجود نہیں تھا، اس بات کا اعتراف غیر جانبدار طبقہ کو بھی ہے اور خود غیر مقلدین نے بھی اس سچائی کا برملا اظہار کیا ہے۔

ابوزید کو اگر یہ شکایت ہے کہ اہل حق ہماری جماعت کو ”نیا فرقہ“ کیوں کہتے ہیں تو سنیے! اس راز کو فاش کرتے ہوئے غیر مقلدین کے مشہور محدث ومؤرخ مولانا محمد شاہ جہانپوری لکھتے ہیں:

”کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں، پچھلے زمانے میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں۔ مگر اس کثرت

سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہلِ حدیث یا محمدی یا مؤحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔“

(الارشاد الی سبل الرشاد، ص: ۱۳، مکتبہ ثنائیہ، لاہور)

اہلِ حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی اس سچائی کو بے نقاب کرتے ہوئے لکھا:

”قدنتبت فی هذا الزمان فرقة ذات سمعة وریاء، تدعی لا نفسها علم الحدیث، والقرآن، والعمل بهما، علی العلات فی کل شان مع أنها لیست فی شیئٍ من اهل العلم والعمل والعرفان.“

(الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ، ص ۲۴۶، دار الجیل بیروت)

اس زمانے میں ایک ریاکار اور شہرت پسند فرقے نے جنم لیا ہے، جو اپنے علاتی بھائی (احناف ومقلدین) کے مقابلے میں ہر مقام پر قرآن وحدیث پر عمل کا دعویدار ہے، حالانکہ علم وعمل اور عرفان سے اس فرقے کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔

نواب صاحب کے اعتراف کا دوسرا انداز ملاحظہ ہو:

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں، اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل، قاضی اور مفتی اور عالم ہوتے رہے“۔ (ترجمان وہابیہ، ص: ۱۵ مطبع مفید عام آگرہ)

مشہور اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ امرتسری کے بیان سے بھی اس کا انکشاف ہوتا

ہے، لکھتے ہیں:

’’امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی کے مساوی ہے۔ اسّی سال قبل تقریباً سب مسلمان اس خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے‘‘۔ (شمع توحید ص ۴۰ بحوالہ ازالہ فریب ص ۳۸)

غیر مقلد مولوی عبدالجبار غزنوی کا اعتراف ملاحظہ ہو:

’’ہمارے زمانہ میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ وہ اتباع حدیث سے کوسوں دور ہے‘‘

(فتاویٰ علماء اہلِ حدیث، ج ۴، ص: ۵۷، بحوالہ آئینہ غیر مقلدیت، ص: ۳۱)

مولوی عبدالرحمن فریوائی لکھتے ہیں:

’’احیاءِ سنت کی تحریک تیرہویں صدی کے اواخر میں اپنی قوی ترین شکل (غیر مقلدیت) میں شروع ہوئی۔‘‘

(جہود مخلصہ، ص: ۹۳، بحوالہ آئینہ غیر مقلدیت، ص: ۳۱)

’’اس علمی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی باگ ڈور وقت کے دو مجدد امام نواب صدیق حسن بھوپالی اور نواب سید نذیر حسین محدث دہلوی نے سنبھالی۔‘‘ (بحوالہ آئینہ غیر مقلدیت، ص: ۳۱)

ایک اور اہلِ حدیث عالم عبدالرشید نے لکھا ہے:

’’علمائے اہلِ حدیث کا سلسلہ برصغیر میں ان (میاں نذیر حسین دہلوی) سے شروع ہوتا ہے‘‘۔

(چالیس علمائے اہلِ حدیث، ص: ۲۸ نعمانی کتب خانہ لاہور)

اس طرح اسلاف بیزاری اور غیر مقلدیت کا آغاز ابن تیمیہ نے کیا، ابن عبدالوہاب نجدی نے اسے پروان چڑھایا، پھر ہندوستان میں تقویۃ الایمان کے ذریعہ

اسماعیل دہلوی نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا، آگے چل کر اسماعیل دہلوی کے پیروکار دو فرقوں میں بٹ گئے، کچھ نے تقلید کا قلادہ اپنی گردن سے نکالنے میں عافیت سمجھی اور غیر مقلد بن گئے اور کچھ نے تقلید کا دامن تو نہ چھوڑا مگر وہابی افکار و نظریات پر قائم رہے اور دیوبندی کہلائے۔

اہلِ حدیث کے ایک اور مایہ ناز مورخ مولوی محمد جعفر تھانیسری اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

’’میری موجودگی کے وقت ۱۸۱۹ء میں شاید پنجاب بھر میں دس وہابی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے اور اب ۱۸۷۸ء میں دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں جہاں کے مسلمانوں میں چہارم حصہ وہابی معتقد محمد اسماعیل کے نہ ہوں‘‘

(تواریخ عجیبہ، بحوالہ منزل کی تلاش، ص: ۱۶۔۱۵)

اہلِ حدیث کے بزرگ ان حقائق کا اعتراف کر رہے ہیں کہ

☆ ۱۸۱۹ء سے پہلے اس عقیدے کے لوگ پورے پنجاب میں موجود نہیں تھے۔
☆ یہ فرقہ اہلِ حدیث مولوی نذیر حسین کی کوششوں سے بنا۔
☆ اس ریاکار اور شہرت پسند فرقے نے اس زمانے میں جنم لیا۔
☆ اسّی سال قبل (برٹش گورنمنٹ سے قبل) اس فرقے کا کوئی وجود نہیں تھا۔
☆ کچھ عرصے سے اس فرقے کے ماننے والے نظر آرہے ہیں بلکہ نام بھی تھوڑے دنوں سے سامنے آیا ہے۔

اپنی ہی جماعت کے بزرگوں کے ان اعترافات کے بعد بھی یہ رٹ لگائے جانا کہ فرقۂ اہلِ حدیث کا وجود قرونِ اولیٰ سے ہے، سراسر کذب بیانی و فریب دہی ہے۔

ع خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

فرقۂ اہلِ حدیث کا وجود کب سے؟

صرف نام کی بنیاد پر فرقۂ اہلِ حدیث کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ فرقہ زمانہ کے بدلتے ہوئے رنگوں کے ساتھ مختلف ناموں سے موسوم ہوتا رہا۔اس فرقہ کا صحیح زمانۂ ظہور اس کے ماننے والوں کے عقائد ونظریات کی روشنی میں ہی معلوم ہوسکتا ہے، نام نہاد اہلِ حدیث کے عقائد ونظریات کا مرکز ومحور کون ہے؟

اس حقیقت کا انکشاف بھی خود اہلِ حدیث نے کیا کہ ہماری نظریاتی شخصیت کا نام ابن تیمیہ ہے۔صرف ایک شہادت پیش کی جاتی ہے۔اہلِ حدیث قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتا ہے:

> شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی موقف ومسلک کے علمبردار تھے، جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا اور اس دعوت کے داعی تھے جس کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین زندگی بھر پیش کرتے رہے، جسے اہلِ حدیث پیش کرتے ہیں۔۔۔کوئی اہل علم ان کے فکر و نظر اور ان کی تحقیق دانش سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اہلِ حدیث کی وہ نظریاتی شخصیت تھے۔

(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص:۱۱۷۔۱۱۸ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

یہ ابن تیمیہ وہ شخص ہے، جس نے امت میں اپنے تفردات اور ضلالات کا بیج بویا، اس کے انھیں تفردات نے بعد میں وہابی عقائد ونظریات کی شکل اختیار کی، اور انھیں کے سبب جمہور علمائے امت، چاروں مذاہب کے فقہا اور صوفیا و متکلمین نے اسے بدمذہب و گمراہ قرار دیا اور اس کا بھرپور رد کیا۔

علامہ ابن حجر ''الجوہر المنظم''، میں لکھتے ہیں:

> ابن تیمیہ کے وہ خرافات (عقائد) جن کا قائل اس سے پہلے کوئی عالم

> نہیں تھا اور جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے درمیان آفت ومصیبت بن گیا، ان میں ایک یہ ہے کہ اس نے نبیٔ اکرم ﷺ سے مدد طلب کرنے اور آپ کو وسیلہ بنانے کے عقیدے سے انکار کیا۔

(المعلومات النافعۃ ص:۳۳۶، مکتبہ حقیقۃ استنبول)

ابن تیمیہ کے تفردات وضلالات

ابن تیمیہ کے کچھ عقائد علامہ ابن حجر مکی شافعی ہیثمی (متوفی ۹۷۴ھ) نے علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) کے حوالہ سے نقل کیے، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) تین طلاق سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے (۲) حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کرنا جائز ہے۔اور کوئی کفارہ نہیں۔(۳) جو شخص اجماع امت کی مخالفت کرے اسے کافر و فاسق نہیں کہا جائے گا۔(۴) خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔(۵) اللہ تعالیٰ جسم والا ہے، اس کے لیے جہت ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔(۶) خدائے تعالیٰ بالکل عرش کے برابر ہے، نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا۔(۷) انبیائے کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں۔(۸) نماز اگر چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب نہیں۔(۹) رسول اللہ ﷺ کا کوئی مرتبہ نہیں ہے۔(۱۰) ان کو وسیلہ بنانا حرام ہے۔(۱۱) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے۔

(فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۱۶، دارالمعرفۃ بیروت)

ابن تیمیہ نے اکابرین اُمت کی شان میں گستاخیاں کیں، بلکہ صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنایا۔علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

> (ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو سے زائد غلط فتوے دیئے۔ (فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۱۶، دارالمعرفۃ بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا کہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زر پرست تھے۔

(الدرر الکامنہ، ج ۱ ص: ۱۵۵، دار الجیل، بیروت)

علامہ احمد جودت پاشا لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ کہتا ہے:

’’مذاہب (فقہ) کے ائمہ نے بعد میں دین کے اندر اپنی رائیں داخل کر دی ہیں‘‘ نیز فرماتے ہیں کہ ایک حنبلی عالم نے لکھا کہ ابن تیمیہ مذاہب (اربعہ) کی تقلید نہیں کرتا تھا۔

(المعلومات النافعۃ ص: ۳۲۹۔۳۳۰، مکتبۃ الحقیقۃ استنبول)

اس طرح کی فکری بے راہ روی کے شکار ابن تیمیہ کو نام نہاد اہلِ حدیث نے اپنی نظریاتی شخصیت قرار دیا، اس سے ظاہر ہوا کہ ابن تیمیہ فرقۂ اہلِ حدیث کا فکری بانی ہے اور فکری اعتبار سے یہ فرقہ آٹھویں صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ مگر علمائے حق کی کاوشوں کے نتیجے میں یہ افکار کسی فرقہ کی شکل اختیار نہ کر پائے۔

فکرِ ابنِ تیمیہ فرقہ کی شکل میں

ابن تیمیہ کے بعد اس کے عقائد و نظریات کو اس کے شاگرد ابن قیم وغیرہ نے فروغ دینے کی سعی کی، مگر محمد ابن عبد الوہاب نجدی نے بزور شمشیر ان نظریات کو عملی جامہ پہنایا۔

اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اہلِ حدیث قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتا ہے:

’’امام محمد بن عبد الوہاب، شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تصنیفات کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اپنی پُرجوش تبلیغی مساعی میں امام ابن تیمیہ کے افکار کی تبلیغ ہی ان کے پیش نظر تھی۔ اور پورے جوش و خروش کے ساتھ افکار ابن تیمیہ کو پیش کیا۔

حوالی اور موالی میں افکارِ ابن تیمیہ کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

امام محمد بن عبد الوہاب کی دعوت سعودی عرب اور خلیج عرب کی تمام ریاستوں میں پھیل گئی۔ بحمد اللہ آج افکارِ ابن تیمیہ، عقیدۂ سلف، خالص توحید و سنت کا فیضان دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔ امام محمد ابن عبد الوہاب کے تجدیدی کارناموں کو آج دنیا خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔ احیائے دین اور تمسک بالسنہ کی تحریک نے سعودی عوام پر اپنا رنگ چڑھا رکھا ہے۔ امام محمد بن عبد الوہاب کی دعوت، تحریک، مشن اور مسلک وہی ہے جو اہلِ حدیث کی دعوت اور مشن ہے۔ یہی ہمارے اور ان کے درمیان قدر مشترک ہے‘‘۔

(تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص: ۲۲۱ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

’’امام محمد بن عبد الوہاب نے جزیرہ نما عرب میں وہی دعوت پیش کی، جو اہلِ حدیث کی دعوت ہے۔ اسی مسلک و موقف کا اعادہ کیا جس کو اہلِ حدیث پیش کرتے ہیں‘‘ (حوالہ سابق ص ۲۲۵)

شیخ المحدثین مفتی مکہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان ابن عبد الوہاب نجدی کے رجحانِ طبع اور قلبی میلان سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

,,کان فی اول امرہ مولعا بمطالعۃ اخبار من ادعی النبوۃ کمسیلمۃ الکذاب وسجاح والاسود العنسی و طلیحۃ الاسدی‘‘ (الدرر السنیۃ ص: ۴۷، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

ابن عبد الوہاب ابتدا میں ان جھوٹے دعوے داروں کے حالات جاننے کا بڑا شائق تھا، جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جیسے مسیلمہ کذاب، سجاح، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی

وغیرہ۔فکر میں فساد پہلے ہی تھا، پھر کریلا نیم چڑھا کے بمصداق کہنے لگا:

دنیا میں اب کوئی مسلمان نہیں، چھ سو سال سے سب مشرک چلے آرہے ہیں۔

مذکورہ عقائد پر مشتمل شیخ نجدی کی کتاب التوحید جب علماے مکہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا رد کیا،جس کا نام الهداية المكيه ہے۔

علامہ جمیل صدقی زہاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

”و يثبت فى قلوبهم أن جميع من هو تحت السماء مشرك بلا مراء و من قتل مشركا فقد وجبت له الجنة“

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں بلا شبہ سب مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا،اس کے لیے جنت لازم ہے۔

(الفجر الصادق،ص:۱۵؍دار الصدیق الاکبر)

اس نے بزور شمشیر اپنے عقائد ونظریات پھیلائے اور نہ ماننے والوں کو بے دریغ قتل کیا جیسا کہ مفتی مکہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان اس کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

طائف پر قبضہ کر کے چھوٹے بڑے محکوم اور حاکم سب کا قتل عام کیا۔ بچے کو اس کی ماں کے سینے پر ذبح کرتے۔مسلمانوں کے اموال لوٹتے۔عورتوں کو قیدی بناتے۔مکہ معظّمہ کا محاصرہ کیا،مکہ والے مردار اور کتے کھانے پر مجبور ہوگئے۔

(الدرر السنية فى الرد على الوہابیہ،ص:۴۸۔۴۹،مکتبۃ الحقیقۃ،استنبول)

اس طرح شیخ نجدی نے اہلِ حدیث کی دعوت اور مشن کو فروغ دیا اور ابن تیمیہ کے

افکار عملی شکل میں ”وہابیت“ کے نام سے وجود پذیر ہوئے اور ابن عبدالوھاب نجدی اس فرقۂ وہابیت کا عملی بانی قرار پایا،جس نے بعد میں فرقہ اہلِ حدیث کی شکل اختیار کی۔اس لحاظ سے اس فرقے کا وجود بارہویں صدی ہجری سے ہے۔

ابن عبدالوہاب انگریز جاسوس کا آلہ کار

اب ذرا محمد بن عبدالوھاب نجدی کی حقیقت تاریخ کے جھروکے سے ملاحظہ کریں:

علامہ احمد جودت پاشا،محمد بن عبدالوھاب نجدی اور فرقہ وہابیہ کی پیدائش کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہابیت کا عملی بانی محمد بن عبدالوہاب ۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ء میں نجد کے قصبہ ”ہریملہ“میں پیدا ہوا،اور ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء میں مرگیا،آغاز زندگی میں سیاحت وتجارت کی غرض سے بصرہ، بغداد، ایران، ہندوستان اور شام کا سفر کیا، ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء میں انگریز جاسوس ہمفرے کے جال میں پھنس گیا اور اسلام کو مٹانے کے لیے فرنگی کوششوں کا آلۂ کار بن گیا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسلام اور مسلمانوں میں اختلاف و تفریق پیدا کرنے والی ان معلومات میں اضافہ کیا،جن کو اس نے انگریزی جاسوس ہمفرے سے ابن تیمیہ اوراس کے شاگرد ابنِ قیم جوزیہ کی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ سیکھا تھا۔

محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والوں کو”نجدی“اور وہابی کہا جاتا ہے۔

(المعلومات النافعۃ،ص:۴۲ ۳مکتبۃ الحقیقۃ،استنبول)

ابن عبدالوہاب کے عقائد

اہلِ حدیث کے مشن کو فروغ دینے والے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد یہ ہیں:

(۱) جو قبروں کی نذر مانے، مقبروں میں اللہ سے دعا مانگے، مزاروں کا پردہ چومے، قبروں کی مٹی لے اور اولیا سے مدد مانگے وہ کافر ہے۔

(۲) اور جو شخص ایسے آدمی کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔

(۳) شفاعت اور تقرب الی اللہ کی نیت سے انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانے والوں کی جان و مال حلال ہے اور ایسا شخص مشرک ہے۔

(۴) یارسول اللہ کہنے والا شخص کافر ہے۔

(۵) تقلید حرام ہے۔

(۶) (معاذ اللہ) محمد کی قبر، مشاہد، مساجد اور ان کے آثار اور کسی نبی یا ولی کی قبر اور تمام مورتیوں (مزارات) کا سفر کرنا شرک اکبر ہے۔

(۷) آسمان کے نیچے جو لوگ ہیں وہ سب کے سب مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے وہ جنتی ہے۔

یہ ہے اہلِ حدیث کی وہ ''نظریاتی شخصیت''، جس نے اہل حدیث کے مشن، دعوت اور مسلک کو فروغ دیا۔ اور آج اہلِ حدیث جو مسلک اور مشن پیش کرتے ہیں، یہ سب پوداسی کی لگائی ہوئی ہے۔ اس طرح بارہویں صدی میں فرقہ اہلِ حدیث پہلی بار عملی طور پر وجود میں آیا۔

ہندوستان میں اہلِ حدیث کا آغاز

برصغیر ہندو پاک میں اس فرقہ اہلِ حدیث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی یہاں برٹش گورنمنٹ کی تاریخ پرانی ہے۔

۱۸۲۲ء سے قبل برصغیر میں مسلمانوں کے درمیان توحید اور شرک کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ تمام مسلمان ایک ہی اسلامی فکر و نظر کے حامل تھے۔ نہ مسئلہ حاضر و ناظر کا جھگڑا، نہ مسئلہ نور و بشر پر جنگ، نہ صلوۃ وسلام پر مباحثہ اور نہ نیاز فاتحہ پر بحث، نہ مسئلہ توسل و شفاعت میں اختلافات، کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا، پھر آخر یہ اختلاف کیسے پیدا ہوا تو آیئے! اہلِ حدیث کی زبانی اس کا پتا لگایا جائے۔

اہلِ حدیث کا اخبار اپنے پیشوا اسماعیل دہلوی کے بارے میں لکھتا ہے:

> ہندوستان میں سب سے پہلے توحید کا پرچار کرنے والے مولوی اسماعیل دہلوی تھے۔

(اخبار اہلِ حدیث، امرتسر، ۱۳/اکتوبر ۱۹۱۱ء، بحوالہ منزل کی تلاش، ص:۴۸)

سب جانتے ہیں کہ برصغیر میں سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دیگر بزرگانِ دین رحمہم اللہ نے لوگوں کے سینوں کو نور توحید سے منور کیا۔ پھر آخر وہ کونسی توحید تھی جس کا پرچار سب سے پہلے مولوی اسماعیل دہلوی نے کیا۔ اس کا انکشاف اہلِ حدیث قاضی محمد اسلم سیف کی زبانی سنیے:

> ''شاہ صاحب (اسماعیل دہلوی) نے تقویۃ الایمان لکھ کر لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی ہدایت اور توحید اختیار کرنے کا سامان مہیا کر دیا...... آج برصغیر میں اشاعتِ توحید وسنت کے جتنے سلاسل بھی نظر آتے ہیں، یہ سب پودا ان کی لگائی ہوئی ہے''۔

(تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص:۲۳۳-۲۳۴ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

تقویۃ الایمان میں کس کی فکر پیش کی گئی، اہلِ حدیث کی زبانی اس حقیقت کو سنیے۔

نواب وحید الزماں حیدرآبادی لکھتے ہیں:

وہ شیخ عبدالوہاب ہیں، جنہوں نے ان امور (مکروہ، حرام، مباح) کو شرک قرار دیا اور مولانا اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان میں اکثر امور میں ان کی پیروی کی ہے۔

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص:۲۶، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اسماعیل دہلوی کے عقائد و نظریات

سب سے پہلے توحید کا پرچار کرنے والی اہلِ حدیث کی اس نظریاتی شخصیت کے عقائد و نظریات ملاحظہ کریں:

(۱) اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہر وقت نہیں رہتا، بلکہ جب چاہتا ہے، غیب کی بات دریافت کر لیتا ہے۔ (تقویت الایمان، ص:۴۲)

(۲) اپنی اولاد کا نام عبدالنبی، عبدالرسول، علی بخش، نبی بخش، غلام محی الدین، غلام معین الدین رکھنا شرک ہے۔ (تقویت الایمان، ص:۸)

(۳) سب انبیا اور اولیا اس (اللہ) کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔

(ایضاً، ص:۸۱، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

(۴) غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔ (ایضاً، ص:۸۴)

(۵) رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ (ایضاً، ص:۸۸)

(۶) خدائے تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (رسالہ یکروزی، ص:۱۴۵)

(۷) رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(تقویت الایمان، ص:۸۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

(۸) جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (ایضاً، ص:۵۹)

(۹) رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (صراط مستقیم، ص:۱۱۸، ادارۃ الرشید، دیوبند)

(۱۰) اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔ (تقویۃ الایمان، ص:۴۳، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

(۱۱) اولیا و انبیا، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ انسان ہی ہیں، اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (ایضاً، ص:۸۷، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

(۱۲) ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا (نبی ہو یا ولی) وہ اللہ کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(ایضاً، ص:۲۰، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

یہ ہیں اس پیشوائے اہلِ حدیث کے عقائد و نظریات، جن کے بارے میں اہلِ حدیث کہتے ہیں:

> ''اہلِ حدیث کے نام سے ملک میں اس وقت جو بھی تحریک جاری ہے، حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں صرف نشان قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جس تحریک کو لے کر اٹھے، وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے، بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبوی ﷺ کی بنیادی تعلیمات تھیں۔''

(تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص:۲۰۶)

تقویۃ الایمان کو اہلِ حدیث نے توحید کی اشاعت قرار دیا مگر خود اسماعیل دہلوی کیا کہتے ہیں۔ سنیے:

> اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں، اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

(ارواح ثلثہ، ص:۶۷ مکتبہ عمر فاروق کراچی)

یہ پودا انگریز کا کاشت کردہ ہے

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو لڑانے والی اس کتاب کو اسماعیل دہلوی نے لکھا تو انگریزوں کا اس سے کیا تعلق ہے۔ اس راز کا افشا سرسید نے کیا۔ تقویۃ الایمان کو انگریزوں نے اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی سے کروا کر ۱۸۲۵ء میں لندن سے شائع کیا۔ سرسید لکھتے ہیں:

جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے ان میں ساتویں کتاب تقویۃ الایمان ہے، چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲) میں چھپا تھا۔

(مقالات سرسید، ج ۹ ص: ۱۷۸، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور)

توحید کا پرچار کرنے والی کتاب کے ساتھ انگریزوں کو آخر اتنی محبت کیوں ہوگئی تھی؟ انگریزی رپورٹر میٹکاف نے گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی، اس سے وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ لکھتا ہے:

سید احمد، مولوی اسماعیل اور ان کے (وہابی) پیرو کار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب و ذہن پر ہمہ گیر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثر انگیزی ضرور مرتب کی ہے۔ (غیر مقلدین کی انگریز نوازی، ص: ۴۳)

برصغیر میں فرقہ اہلِ حدیث کی سب سے پہلی توحید پر مشتمل کتاب کو انگریزوں کے چھپوانے اور پھر اس کے وسیع اثرات کا اعتراف کرنے کے بعد بھی اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ یہ فرقہ انگریزوں کا کاشت کردہ پودا ہے؟

مشہور دیوبندی مؤرخ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

تقسیم ہند تک مسلمانانِ ہند کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ فرقہ وہابیہ،

انگریز کا کاشت کردہ پودا ہے، جس کی آبیاری اس نے نہایت ہوشیاری سے کی اور اس سے پورا فائدہ اُٹھایا۔

(مقدمہ حیات سید احمد، ص: ۲۶، بحوالہ ازالہ فریب، ص: ۵۰)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کے زمانے سے ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان کے مسلمان دو فرقوں میں بٹے رہے، ایک اہلِ سنت و جماعت دوسرے شیعہ، اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے تھے، ان کا میلان محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوا اور نجدی کا رسالہ ''ردالاشراک'' ان کی نظر سے گزرا اور انہوں نے اردو میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی، اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، یا کسی نے اپنے کو سلفی کہا، ائمہ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھا، وہ ختم ہوا، معمولی نوشت و خواند کے افراد امام بننے لگے، افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، یہ ساری قباحتیں ماہ ربیع الاول ۱۲۴۰ھ کے بعد سے ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں''۔

(ابتدائیہ کتاب اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص ۹۔۱۰ شیر ربانی پبلی کیشنز، لاہور)

کیا اب بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ برصغیر میں موجودہ فرقہ اہلِ حدیث کا وجود انگریزوں کے دم قدم سے ہے۔

مذہبی آزادی کی ہوا یورپ سے چلی

اب اکابرین اہلِ حدیث کی وہ چشم کشا تصدیقات پیش کی جاتی ہیں جو اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچادیتی ہیں کہ فرقہ اہلِ حدیث کو انگریزوں نے پروان چڑھایا۔

اہلِ حدیث نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

''یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے۔ خصوصاً دربار دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے۔۔۔ یہ آزادگی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار اپنی آزادگی مذہب خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے۔ اب تامل کرنا چاہیے کہ دشمن سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے، یا وہ ہوگا جو آزاد وفقیر (غیر مقلد) ہے؟''

(ترجمان وہابیہ، ص: ۷،۴، مطبع مفید عام آگرہ)

مزید لکھتے ہیں:

''اگر کوئی بدخواہ و بد اندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا، جو آزادگیٔ مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔''

(ترجمان وہابیہ، ص: ۷، مطبع مفید عام آگرہ)

خاص طور پر حنفی، شافعی وغیرہ مذاہب سے آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ آزادی ہماری مذاہب مروجہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے''۔ (ترجمان وہابیہ، ص: ۲۹، مطبع مفید عام آگرہ)

دوسرے اہلِ حدیث عالم محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

جو اہلِ حدیث کہلاتے ہیں، وہ ہمیشہ سے سرکار انگریز کے نمک حلال

اور خیر خواہ رہے ہیں، اور یہ بات بار بار ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط و کتابت میں تسلیم کی جاچکی ہے۔

(اشاعۃ السنۃ شمارہ ۲، جلد ۱۱، ص: ۲۴-۲۶، بحوالہ تقلید)

آگے لکھتے ہیں:

''اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خودسری و خود اجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے، اور ہندوستان کے ہر شہر و بستی، کوچہ و گلی میں پھیل گئی ہے، جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمان کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ حنفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا ہے۔''

(اشاعۃ السنہ ج ۱۹ شمارہ ۸۔ ص ۲۵۵ بحوالہ غیر مقلدوں کی انگریز نوازی)

اور سنیئے!

''اس گروہ اہلِ حدیث کے خیر خواہ و فاداری رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی اور روشن دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ۔ شمارہ ۹، جلد ۸، ص: ۲۶۲، بحوالہ تقلید)

یہ فرقۂ اہلِ حدیث کے پیشواؤں کے اعترافات ہیں، ابوزید تو انگریزوں کے زمانہ میں تھے نہیں، مگر کمال ادب کا تقاضہ تو یہی ہے کہ اپنے اکابرین کی باتوں کی تردید نہ کی جائے جو صاف اقرار کر رہے ہیں:

☆ آزادی مذہب یعنی ترک تقلید انگریزی سرکار کے اشتہار پر اختیار کی ہے۔

☆ آزادی مذہب یعنی ترک تقلید انگریزی سرکار کی عین مراد ہے۔

☆ یہ آزادی مذہب کی ہوا یورپ سے چلی ہے، جس نے ائمہ کی تقلید کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔

☆ اہلِ حدیث ہمیشہ سے سرکار انگریز کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے۔

☆ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ رہنا اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر ہے۔

کیا لطف ہے جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

سرسید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۶۸ء) لکھتے ہیں:

''انگلش گورنمنٹ ہندوستان میں خود اس فرقہ کے لیے جو وہابی کہلاتا ہے، ایک رحمت ہے۔۔۔ جو سلطنتیں اسلامی کہلاتی ہیں، ان میں بھی وہابیوں کو ایسی آزادی مذہب ملنا دشوار، بلکہ ناممکن ہے۔ سلطان کی عملداری میں وہابی کا رہنا مشکل ہے اور مکہ معظّمہ میں تو اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی وہابی کہہ دے تو اسی وقت جیل خانے یا حوالات میں بھیجا جاتا ہے۔۔۔ پس وہابی جس آزادی مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ ان کو میسر نہیں۔ ہندوستان ان کے لیے دارالامن ہے۔

(مقالات سرسید حصہ نہم ص ۲۱۱۔ ۲۱۲ مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور)

اہلِ حدیث پر انگلش گورنمنٹ کی اتنی نوازش اور آزادی مذہب کی ایسی پر امن فضا مہیا کرنا تعجب کی بات نہیں کہ اپنے لگائے ہوئے پودے کی حفاظت مالی خود نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا۔ کیا ابوزید کو اب بھی شک باقی ہے۔

دور کر للہ یہ غفلت کا پردہ دور کر
کچھ تجھے اپنی خبر اے بے خبر ملتی نہیں

اہلِ حدیث انگریزوں کا دیا ہوا نام

اب تک اس فرقے کے وجود کی بات تھی، جس طرح برصغیر میں اس فرقہ کا وجود انگریزوں کا رہین منت ہے۔ اسی طرح اس کا ''اہلِ حدیث'' سے موسوم ہونا بھی انگریزوں

کی نوازشوں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ جماعت غیر مقلدین اپنے لیے کسی مناسب نام کی خاطر ہمیشہ سرگرداں رہی اور یہ پریشان خاطری آج بھی برقرار ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے خود کو ''موحد'' کہنا شروع کیا۔ ایک مدت کے بعد اپنا نام ''محمدی'' رکھ لیا۔ اس دور میں جو کتابیں لکھی گئیں، وہ اسی نام سے ہیں۔ مثلاً مذہب محمدی، تعلیم محمدی۔ پھر خود کو ''غیر مقلد'' مشہور کیا، مگر ان کے بیشتر عقائد محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے مطابق ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کو ''وہابی'' کہنا شروع کر دیا۔ لفظ وہابی ان کے لیے کسی گالی سے کم نہیں تھا۔ بلکہ بہت سے لوگ اس لفظ کو گالی کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ تب انہیں فکر ہوئی کہ اس جماعت کا کوئی اچھا نام ہونا چاہیے جس کے ذریعہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کیا جا سکے۔ لہٰذا غیر مقلدین کے پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی جماعت کے درد کو محسوس کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو نام الاٹ کرانے کی درخواست دی کہ ہمیں وہابی کہنے سے قانوناً منع کیا جائے اور اہلِ حدیث نام الاٹ کیا جائے۔ درخواست ملاحظہ کریں:

''بخدمت جناب سیکریٹری گورنمنٹ۔۔۔ میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں، ۱۸۸۶ء میں میں نے اپنا ماہواری رسالہ اشاعۃ السنۃ شائع کیا تھا جس میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ لفظ وہابی جس کو عموماً باغی اور نمک حرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لفظ کا استعمال مسلمانان ہندوستان کے اس گروہ کے حق میں جو اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سرکار انگریزی کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے ہیں، اور یہ بات بار بار ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط و کتابت میں تسلیم ہو چکی ہے۔۔۔ ہم کمال انکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست

کرتے ہیں کہ سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ
کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے، اور ان کو اہلِ حدیث کے
نام سے مخاطب کیا جائے۔۔۔۔ اس درخواست پر فرقہ اہلِ حدیث
تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ،ص: ۲۴، جلد ۱۱، شمارہ نمبر ۲)

یہ درخواست گورنر پنجاب سر چارلس ایچی سن کو دی گئی۔ وہاں سے تائیدی نوٹ کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجی گئی۔ جب منظوری آ گئی تو ۱۸۸۸ء میں حکومت مدراس، حکومت بنگال، حکومت یوپی، حکومت سی پی، حکومت بمبئی وغیرہ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو اس کی اطلاع دی''۔ (تقلید،ص ۷۵، ۷۸)

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے تو رپورٹ مردم شماری میں بعض جگہ اہلِ حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انھوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب ایچ اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

''از راہ مہربانی وانصاف پروری اس ننگ نیم (بدنام) کو رپورٹ میں
بدل دیا جائے۔۔۔ اس برے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہلِ حدیث
استعمال نہیں کرتا''۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۱۔ بحوالہ انگریز نوازی)

بہرحال پھر کارروائی ہوئی اور جن کاغذاتِ مردم شماری میں لفظ وہابی لکھا گیا ان کو ردی کر کے از سرِ نو کاغذات چھپائے گئے۔ (حوالہ سابق)

اہلِ حدیث نام الاٹ کرانے سے لے کر اس کے تحفظ تک محمد حسین بٹالوی کی خدمات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنہ کے ذریعہ جماعت اہلِ
حدیث کی بہت خدمت کی، اور لفظ وہابی آپ کی کوششوں سے
سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا، اور جماعت اہلِ حدیث
کے نام سے موسوم کیا گیا۔ آپ نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام
میں جاگیر بھی پائی۔''

(سیرت ثنائی ص ۳۷۲ بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت ج ۱/ص ۴۰)

سرسید خاں نے بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

انھوں (مولوی محمد حسین) نے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی کہ اس
فرقے کو جو درحقیقت اہلِ حدیث ہے۔۔۔ گورنمنٹ اس کو ''وہابی''
کے نام سے مخاطب نہ کرے۔۔۔۔ مولوی محمد حسین کی کوشش سے
گورنمنٹ نے منظور کر لیا کہ آئندہ سے گورنمنٹ کی تحریرات میں
اس فرقہ کو وہابی کے نام سے تعبیر نہ کیا جاوے۔ بلکہ اہلِ حدیث کے
نام سے موسوم کیا جاوے۔

(مقالات سرسید ج ۹، ص ۲۱۰۔ ۲۱۲ مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور)

لارڈ ڈفرن کی خدمت میں ہدیۂ تشکر

۱۸۸۸ء کے قریب ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کی خدمت میں سربراہان اہلحدیث کی طرف سے اس کی وطن واپسی پر ایک الوداعیہ سپاسنامہ بطور خراج عقیدت پیش کیا گیا، سپاسنامہ کا ترجمہ مع تلخیص ملاحظہ کیجیے:

''حضور والا! ہم فرقہ اہلحدیث کے چندار کان اور پنجاب اور
ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے
اصالۃً اور دیگر ہم مشربوں کی طرف سے وکالۃً اس والا درجات کے

شکریہ ادا کرنے، اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہارِ غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ''خیر اندیشوں'' اور ''جانثاروں'' کے مذہب کے مطابق کمال عجز و انکساری کے ساتھ عرض مدعا کی اجازت چاہتے ہیں، اس ''کرم گستر'' اور ''عدل پرور'' کے عہد سعادت مہد کی برکتیں اور احسانات، بارانِ رحمت، عمیم البرکت کی طرح اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں (جیسے مملکت میں قیام امن، حدود سلطنت کا استحکام، سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن کی تجویز وغیرہ) ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرح اور ان کے برابر بلکہ ان سے کافی و وافر حصہ حاصل کیا ہے۔ ''حضور پرنور'' کے بعض انعامات و احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں، جن سے استفادہ کرنے میں اہلِ اسلام عموماً اور اہلِ حدیث خصوصاً سبقت لے گئے ہیں۔ اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور سے فرقۂ اہلِ حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسان روا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ ''وہابی'' کا استعمال سرکاری دفاتر میں ممنوع قرار دے دیا ہے، جو اُن کی دل آزاری کرتا تھا۔ اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور سرکار والا کے نزدیک بھی مسلم ہے، ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیا تھا، اس طرح سے بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

(اشاعۃ السنۃ ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۰-۴۱)

اہلِ حدیث کی انگریز نوازی

اہلِ حدیث نے اپنے محسن انگریزوں کا حق نمک خوب ادا کیا اور حکومت انگریز کے پورے وفادار بن کر رہے، اس کی شہادت خود ترجمان وہابیہ سے سنیے:

کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد، متبع سنت، حدیث وقرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا، یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا، جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسر عناد ہوئے، وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفی تھے، نہ متبعان حدیث نبوی۔

(ترجمان وہابیہ ص: ۳۶ مطبع مفید عام آگرہ)

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کسی ایک غیر مقلد کا اپنا ذاتی نظریہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

جہاد اور جنگ مذہبی مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اس حاکم کے کہ، جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہے، ازروئے شریعت اسلام عموماً خلاف وممنوع ہے اور وہ لوگ جو مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند... ...ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں، کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔

(ترجمان وہابیہ، ص: ۹۰-۹۱، مطبع مفید عام، آگرہ)

اس فتویٰ پر تمام غیر مقلدین نے متفقہ طور پر تصدیقی دستخط کیے جیسا کہ صفحہ ۹۱ پر اس کا تفصیلی ذکر ہے۔

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

اہلِ حدیث لاہور نے جشن جوبلی کی تقریب پر کمال مسرت ظاہر کی، اور قیصرۂ ہند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہلِ اسلام کی

مکلف ضیافت کی، جس میں رؤسا، شرفا، علما و عام اہلِ اسلام رونق افروز ہوئے۔

(اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص: ۲۰۳، بحوالہ غیر مقلدوں کی انگریز نوازی)

اس دعوت میں نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کی گزرگاہ کے دروازہ پر سنہری حروف میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلمات دعائیہ مرقوم تھے:

The Ahl-e-Hadis Wish Empress a long Life.

اہلِ حدیث چاہتے ہیں کہ قیصر ہند کی عمر دراز ہو۔ دوسری طرف لاجوری رنگ سے یہ اردو شعر لکھا تھا۔ ؎

دل سے ہے یہ دعائے اہلِ حدیث
جشن جوبلی مبارک ہو

(اشاعۃ السنۃ ج۹ / شمارہ ۷ / ص ۵۔۲۰۴ بحوالہ غیر مقلدوں کی انگریز نوازی)

یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ورنہ نام نہاد اہلِ حدیث کی پوری تاریخ اس طرح کی ابن الوقتی سے بھری پڑی ہے۔

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

فرقہ اہلِ حدیث کا وجود زمانہ ماضی میں ثابت کرنے کے لیے ابوزید نے چند کتابوں سے وہ عبارات تلاش کیں، جن میں لفظ ''اصحاب الحدیث'' ہے۔ اور ازراہ فریب ان سے یہ استدلال کیا کہ اتنی صدیوں پرانی کتابوں میں ''اصحاب الحدیث'' کا تذکرہ موجود ہے، لہٰذا ہم اہلِ حدیث بہت پرانے ہیں اور اہلِ حدیث، نیا فرقہ نہیں ہے۔ طرز استدلال ملاحظہ ہو:

وقال بعض السلف: هذا أكبر شرف لاصحاب الحديث لان إمامهم النبي

سلف میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ اصحاب الحدیث کا سب سے بڑا شرف ہے کیونکہ ان کے امام اللہ کے نبی ﷺ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: سورۃ الاسراء، زیر آیت ۷۱/۱۷، ج۹، ص: ۷۴ موسسۃ قرطبہ)

تفسیر ابن کثیر تمام علمی حلقوں میں ایک قابل اعتماد تفسیر ہے۔ ابن کثیر ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ وہ ہندوستان کے تھے نہ اس زمانہ میں انگریزوں کا کوئی وجود تھا۔ پھر ابن کثیر نے اہلِ حدیث کے سلسلہ میں یہاں اپنا قول نہیں بلکہ اپنے سے پہلے کے اہل علم کا قول ذکر کیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلف میں اصحاب الحدیث نام سے پائے جانے والے اہل علم اللہ کے نبی ﷺ کو اپنا امام مانتے تھے۔

کیا صرف اتنی بات ہی اس مفروضہ کی تردید کے لیے کافی نہیں کہ آج سے سات سو سال سے بھی زیادہ پرانی کتاب میں ایک قابل اعتماد مفسر، محدث اور مورخ نے اہلِ حدیث کی شان میں قرآن کی آیت اور سلف کے قول سے استدلال کیا ہے؟

آگے لکھا:

یحیٰ بن معین فرماتے ہیں:

''كان أبو يوسف القاضي يحب أصحاب الحديث و يميل إليهم''

ابو یوسف القاضی اصحاب الحدیث سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں کی طرف مائل تھے۔

(تاریخ بغداد: من اسمہ یعقوب، ج۱۴، ص/۲۵۷، دار الکتب العلمیہ)

> لیجیے اہلِ حدیث کا وجود نہ صرف امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص امام ابو یوسف القاضی کے دور میں ثابت ہوگیا بلکہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اہلِ حدیث سے خود امام ابو یوسف متاثر تھے بلکہ ان کی طرف مائل بھی تھے۔ (ص ١٠۔ ١٣)

یہ ایسا ہی غلط استدلال ہے جیسے کوئی چکڑالوی کہے: طائفہ منصورہ فرقہ اہلِ قرآن ہے۔ ہمارا ذکر سات سو سال پرانی کتاب یا کسی عالم کے بیان میں نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں موجود ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث ہے:

"هم اهل القرآن اهل الله و خاصته."

(سنن ابن ماجہ، باب ١٦، حدیث: ٢١٥، ص: ٧٨، داراحیاء الکتب العربیہ)

اور ابوداؤد شریف میں ہے:

"یا اهل القرآن اوتروا" (باب استحباب الوتر، حدیث: ١٤١٦، ص/ ٢٤٠)

کیا صرف اتنی بات ہی ہمارے حق ہونے کے لیے کافی نہیں کہ حدیث رسول ﷺ میں ہمارا ذکر موجود ہے۔ کیا اب بھی کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ ہم منکرین حدیث چکڑالوی اہل حق ہیں؟؟

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے موت آدمی کو پر ایسی ادا نہ دے

اہلِ حدیث کی ایک شاخ، چکڑالویت

بات آگئی تو اس حقیقت کا انکشاف بھی کردیا جائے کہ منکرین حدیث بنام فرقہ اہلِ قرآن بھی غیر مقلدیت کی ایک شاخ ہے۔

اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے اہلِ حدیث کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

"ناظرین غالباً یہ سمجھتے ہوں گے کہ اہلِ قرآن کسی خاص جماعت کا نام ہے...... پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن معلوم ہوا کہ حقیقت ایسی نہیں ہے، ان میں کا ہر ایک شخص خود امام اور مجتہد ہے اس کو کسی دوسرے کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا اور اسی پابندی سے بھاگنے کے لیے تو یہ سارا کھیل کھیلا گیا ہے۔"

(فتاویٰ ثنائیہ، ج: ١ ص: ٢٨٠، ادارہ ترجمان السنہ لاہور)

اہلِ حدیث کا اخبار بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ چکڑالوی فرقہ (فرقہ اہلِ قرآن) ہمارے پیشوا اسماعیل دہلوی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

ہفت روزہ الفقیہ امرتسر (شمارہ: ١٢، اگست ١٩١٢ء) لکھتا ہے:

مولوی اسماعیل دہلوی کی تعلیمات کا جو اثر ہوا اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، جماعت غیر مقلدین کی تعداد اس کی شہادت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر اسی پر اکتفا ہوتی تو شاید مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم نہ ہوتا، لیکن افسوس ہے کہ تقلید ائمہ کا جوا تو اس فرقہ نے گردن سے اُتارا تو نئے نئے راستے بھی نکل آئے۔ اس کے بعد اور متعدد فرقے پیدا ہوگئے۔ جن میں مرزائیہ (قادیانیت) اور چکڑالوی (فرقہ اہلِ قرآن) وغیرہ پنجاب میں بکثرت اور بلاد ہندوستان میں بہ قلت پائے جاتے ہیں"۔

مشہور محقق ومورخ محمد اکرم صاحب لکھتے ہیں:

اہلِ حدیث جماعت کے جوش وخروش کا دوسرا نتیجہ طبقہ اہلِ قرآن (منکرین حدیث) کا آغاز ہے، اہلِ حدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں...... وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ کی تقلید سے آزاد ہیں

......نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں، فقط فقہا کی تقلید سے آزادی کافی نہ معلوم ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بنا پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہی۔ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں۔ اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلِ حدیث (غیر مقلد) تھا۔

(موج کوثر، ص: ۷۰۔۷۱ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

ابوزید نے اس عامیانہ بلکہ احمقانہ استدلال کے نتیجہ پر غور کر لیا ہوتا تو شاید اس پردہ دری کی نوبت نہ آتی۔ ؎

ٹھوکریں مت کھایئے چلیے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

لفظ ''اصحاب الحدیث'' سے استدلال کی حقیقت

قرون اولیٰ میں ''اصحاب الحدیث'' یا ''اہل الحدیث'' نام سے کسی فرقہ کا وجود نہیں تھا، کتب اسلاف میں یہ الفاظ ان حضرات کے لیے بولے جاتے تھے، جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرامین رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے چن لیا تھا اور جن کے خزانۂ ذہن میں احادیث کا ذخیرہ تھا۔ اگر کسی نام نہاد اہلِ حدیث کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تامل ہو تو پوری تاریخ اسلامی میں ''اہلِ حدیث'' کے نام سے کسی فرقہ کا وجود دکھا دے۔ بھرپور کوشش کے باوصف کوئی بھی نام نہاد اہلِ حدیث، تاریخ ماضی میں ''اہلِ حدیث'' نام کا فرقہ نہیں دکھا سکتا۔ اس کے باوجود کتب اسلاف میں موجود لفظ ''اصحاب الحدیث'' سے موجودہ فرقہ اہلِ حدیث کے وجود پر استدلال کرنا قبل از وقت اس کے وجود کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ محدثین کی انتھک کاوشوں اور علم حدیث میں بے پناہ محنتوں کے نتیجے

میں انہیں اصحاب الحدیث کے علمی تمغہ سے سرفراز کیا گیا۔ اب اگر ہر ایرے غیرے، علم حدیث سے بے بہرہ جاہل کو اہلِ حدیث کہا جائے تو یہ انتہائی نامعقول بات ہوگی۔ جس طرح علم سے کورے شخص کو اہل علم یا انگوٹھا چھاپ کو اہل قلم کہنا شان عقل کے خلاف ہے۔

ابن تیمیہ کی شہادت

بابائے غیر مقلدین ابن تیمیہ نے لفظ ''اصحاب الحدیث'' سے فرقہ اہلِ حدیث پر استدلال کرنے والوں کا جنازہ نکال دیا، لکھتے ہیں:

''ونحن لانعنى با هل الحديث المقتصرين على سماعه او كتابته او روايته بل نعنى بهم: كل من كان أحق بحفظه و معرفته وفهمه ظاهرا او باطنا، واتباعه باطنا وظاهرا، و كذلك أهل القرآن.''

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ج: ۴، ص: ۹۵، مطبوعہ، ریاض)

ہم اہلِ حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو محض اس کو سننے یا لکھنے یا روایت کرنے والے ہوں، بلکہ ہم اہلِ حدیث سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اس کے حفظ و معرفت کا اہل و لائق اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور اس کے باطن و ظاہر پر عمل کرنے والا ہو۔ اہلِ قرآن کا معنی بھی اسی طرح ہے۔

ابن تیمیہ کی اس شہادت کے بعد بھی ہر ایرے غیرے کو اہلِ حدیث کہنا، اور کھینچ تان کر لفظ اصحاب الحدیث سے ماضی میں فرقہ اہلِ حدیث کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کرنا مکھی پر مکھی مارنا نہیں تو اور کیا ہے۔ ؎

گر یہی بھول بھٹک ہے تو اندھیرا ہوگا
چار جانب سے بہت آپ کو گھیرا ہوگا

اگر اب بھی کسی غیر مقلد کو یہ ضد ہو کہ اصحاب حدیث سے مراد ہم اہلِ حدیث ہی

ہیں، اور یہ زمانہ ماضی میں ہمارے وجود کی دلیل ہے تو میزان انصاف قائم کیا جائے۔ایک طرف موجودہ فرقہ اہلِ حدیث کے عقائد ونظریات رکھے جائیں، دوسرے طرف قرون اولیٰ کے ''اصحاب الحدیث'' یعنی محدثین کے عقائد ونظریات ہوں۔اگر دونوں طبقوں میں اعتقادی اور نظری ہم آہنگی ہو تب تو غیر مقلدین کا اندراج اصحاب الحدیث یعنی محدثین میں درست ہوگا۔ورنہ ؎

یہ قاعدہ جناب نے سیکھا کہاں سے ہے
کرنی وہ بات جو نہ ہوئی ہو جہان میں

اہلِ حدیث نے اعتراف کیا کہ ہماری نظریاتی شخصیت ابن تیمیہ ہے۔اور ابن تیمیہ کے بارے میں علامہ ابن حجر کا قول گزرا کہ:

ابن تیمیہ کی وہ خرافات (عقائد) جن کا قائل اس سے پہلے کوئی عالم نہیں تھا اور جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے درمیان آفت ومصیبت بن گیا۔ (المعلومات النافعۃ،ص:۳۳۶،مکتبۃ الحقیقۃ،استنبول)

اور علامہ تاج الدین سبکی کے حوالہ سے ابن تیمیہ کے وہ نظریات گزرے، جن میں اس نے خرق اجماع کیا مثلاً

☆ تین طلاق سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔
☆ خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔
☆ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں۔
☆ خدائے تعالیٰ بالکل عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا۔
☆ رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنانا حرام ہے......وغیرھا

جب کہ ان عقائد ونظریات کو سب سے پہلے ابن تیمیہ نے پیش کیا۔اور خرق اجماع کیا، اس کی موت ۷۲۸ھ میں ہوئی۔اور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی،

امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد اور دیگر بے شمار محدثین ساتویں صدی سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔علامہ ابن حجر، علامہ تاج الدین سبکی اور دیگر ائمہ کی صراحت کے مطابق ابن تیمیہ سے پہلے اس طرح کے نئے عقائد یکجا کسی اور کے یہاں نہیں تھے۔لہٰذا ابن تیمیہ کے نظریات کو ماننے والے موجودہ اہلِ حدیث، ماضی کے اصحاب الحدیث سے اعتقادی اور نظری طور پر الگ ہوئے، کیونکہ جو عقائد ساتویں صدی کی پیداوار ہیں، محدثین ان سے بری ہیں۔

اور طبقات اُٹھا کر دیکھیے۔عموماً محدثین طبقہ احناف، طبقہ شافعیہ، طبقہ حنابلہ اور طبقہ مالکیہ میں شامل ہیں۔بے حصول مرتبہ اجتہاد کوئی محدث غیر مقلد نہ تھا۔جب کہ غیر مقلدین مرتبۂ اجتہاد سے عاری ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید نہیں کرتے بلکہ تقلید کرنے والوں کو مشرک، کافر، اخوان یزید، رافضی پلید اور شیطان کہتے ہیں۔

چنانچہ کتب غیر مقلدین مثلاً اعتصام السنۃ میں حنفی شافعی مالکی حنبلی وغیرہ سب کو مشرک وکافر لکھا، مولوی محمد یٰسین نے رسالہ اشعار الحق میں سب مقلدوں کو اخوان یزید اور رافضی پلید اور شیطان وکافر لکھا۔

مولوی محمد محی الدین نے ظفر المبین میں تقلید کو شرک اور حرام اور مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہے۔اور نواب صدیق حسن خان نے ترجمان وہابیہ میں فقہا ومقلدین کو مشرک وبدعتی لکھا۔(فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین،ص ۴۴۴، سلیمان عثمان اینڈ کمپنی، دیوبند)

ضمیر صاحب نے اتنا تو سوچ لیا ہوتا کہ جس لفظ ''اصحاب الحدیث'' کو دلیل بنا کر اپنی جماعت کا وجود قبل از وقت ثابت کر رہا ہوں، ان کے بارے میں ہماری جماعت مشرک، کافر اور شیطان ہونے کا فتویٰ سنا چکی ہے۔مگر ؎

مرغی کی ایک ٹانگ پہ ایسا وہ اڑ گیا
سمجھاؤ لاکھ پر وہ سمجھتا نہیں غبی

عقائد ونظریات میں محدثین کی اس قدر مخالفت کے باوجود اہلِ حدیث کا یہ غوغہ کرنا

کہ محدثین اور ہم اہلِ حدیث ایک ہی ہیں، یہ ایسی ضد ہے جس کا علاج عقلا کے پاس نہیں۔

اندھوں کے آگے رونا آنکھوں کا پھوڑنا ہے

سمجھا نا جا ہلوں کو سر اپنا پھوڑ نا ہے

ابوزید کی مذبوحی حرکت

ابوزید نے ردالمحتار میں غیر مقلدین کا وجود تلاش کرنے کی ناکام سعی کی چنانچہ لکھا:

”حکی أن رجلا من أصحاب أبی حنيفة خطب إلی رجل من أصحاب الحديث ابنته فی عهد أبی بكر الجوز جانی فأبی إلا أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الإ مام و يرفع يد يه عند الا نحطاط و نحو ذلك فأ جا به فزوجه“

ایک حکایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ ابوبکر الجوزجانی کے زمانہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے اصحاب الحدیث میں سے کسی کے ہاں اس کی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس (اہلِ حدیث) نے انکار کر دیا، ہاں مگر اس شرط پر کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے قرات کرے اور رکوع کے وقت رفعِ یدین کرے وغیرہ۔ اس شخص نے یہ شرط قبول کر لی لہٰذا اس (اہلِ حدیث) نے اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا......

اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے زمانہ میں اہلِ حدیث کا وجود تھا۔

......اس حکایت سے اہلِ حدیث کا نہ صرف قدیم ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ ان کا شروع ہی سے دین کے سلسلے میں بے لچک ہونا معلوم ہوتا ہے جو خود دینی پختگی اور ثابت قدمی کی دلیل ہے۔ (ص ۱۱، ۱۲)

ابوزید کا اس عبارت کو پیش کر کے خوش ہونا بلا وجہ ہے۔ کیونکہ اس عبارت میں ”اصحاب الحدیث“ سے غیر مقلد ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ یہاں اصحاب الحدیث سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد مراد ہیں، جو رفع یدین اور قرات خلف الامام پر عامل ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ، امام ابوالفضل محمد بن عبداللہ البلعمی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۹ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں:

”كان الشيخ ابوالفضل البلعمی ينتحل مذهب الحديث.... قال ابن الصلاح رحمه الله: اذااطلقوا هذا هناك (ای بمرو و بخارا و نيشاپور وسمر قند وسرخس) انصرف الی مذ هب الشافعی.“

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۵۳، داراحیاء الکتب العربیہ قاہرہ)

شیخ ابوالفضل رحمہ اللہ اصحاب الحدیث کے مذہب پر تھے۔ امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ اہلِ حدیث مرو، بخارا، نیشاپور سمرقند اور سرخس کے علاقے میں بولا جاتا ہے تو اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب مراد ہوتا ہے۔

دیکھیے! شیخ الاسلام ابوعمرو بن الصلاح شافعی (متوفی ۶۴۳ھ) نے اس حقیقت کو بے غبار کر دیا کہ لفظ اہلِ حدیث جب ان علاقوں میں بولا جاتا تھا تو اس سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مقلدین مراد ہوتے تھے۔

اس سے غیر مقلدین مراد لے کر ماضی میں اپنا وجود تلاش کرنا اور اپنی قدامت ثابت کرنا انتہائی تعصب اور علمی خیانت کا بدترین مظاہرہ ہے۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

”قال الاستاذ أبو منصور ونحومائة منبر يعنی مائة مدينة فی بلاد أذر بيجان وما وراء ها يختص بالشافعية لا

يستطيع أحد أن يذكر فيها غير مذهب الشافعي رحمه الله."

(الطبقات الشافعۃ الکبریٰ، ج ۱/ص ۳۲۸/، داراحیاء الکتب العربیہ قاہرہ)

استاذ ابومنصور فرماتے ہیں کہ آذر بیجان اور اس کے پیچھے کی جانب سو کے قریب ایسے شہر ہیں کہ ان میں صرف شافعی مسلک کے لوگ رہتے ہیں اور ان میں شافعی مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کا نام لینے کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا۔

ضمیر صاحب! آپ کی کوشش رائیگاں گئی۔ کیونکہ مذکورہ حکایت میں آپ نے جس بزرگ کی شان میں دینی پختگی کا قصیدہ پڑھا، وہ تو مقلد نکلے۔ یہاں پر بھی آپ نے وہی مکھی پر مکھی مارنے والا کام کیا۔ ؎

کھوئے نہ کس طرح سے تیرا اعتبار جھوٹ
ثابت کیا ہے میں نے تیرا لاکھ بار جھوٹ

کیا امام بخاری فرقۂ اہلِ حدیث سے تھے؟

ابوزید نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرقہ اہلِ حدیث سے ثابت کرنے کی بے فائدہ کوشش کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر ائمہ صحاح ستہ بلاشبہ اصحاب الحدیث بھی تھے اور مقلد بھی تھے۔ وہ سب انگریزوں سے نام الاٹ کرانے والے نام نہاد اہلِ حدیث ہرگز نہیں تھے۔ ان کی خدماتِ حدیث کے صلہ میں امت سے انہیں یہ مقدس خطاب ملا ہے۔ محض لفظ اہل الحدیث دیکھ کر ان کو موجودہ غیر مقلدین کے زمرہ میں داخل کرنا کمال بے حیائی کی دلیل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد و مجتہد، شافعی و غیر شافعی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ مگر غیر مقلد ہونے کا قول کسی کا نہیں۔ کیونکہ غیر مقلد وہ ہے جو بے حصول مرتبۂ اجتہاد کسی امام کی تقلید نہ کرے اور جن حضرات نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شافعی

وغیرہ ہونے کا انکار کیا، انہوں نے آپ کو مجتہد مطلق یا منتسب مانا۔ اور مجتہد پر کسی امام کی تقلید واجب نہیں۔ تو کہاں امام بخاری کا قوت اجتہاد کے سبب کسی امام معین کی تقلید نہ کرنا اور کہاں ہرا یرے غیرے کا بے حصول مرتبہ اجتہاد اہلِ حدیث بن کر تقلید سے انکار کرنا۔

یہ تو اختلاف کا ذکر تھا مگر تحقیق یہی ہے کہ آپ مقلد شافعی المذہب تھے۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ الانصاف میں لکھتے ہیں:

"ومن هٰذا القبيل محمد ابن اسماعيل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعية و ممن ذكره فی طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكی" اھ

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص:۶۷، دارالنفائس بیروت)

اور محمد بن اسماعیل بھی اسی گروہ کے ہیں اور طبقات شافعیۃ میں شمار کیے گئے ہیں، جیسا کہ علامہ تاج الدین سبکی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی شافعی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۷۷۱ھ) نے حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کو اپنی کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" ج ۲ ص ۴ میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"ان البخاری فی جميع مايورده من تفسير الغريب انما ينقله عن اهل ذلك الفن كأبی عبيدة والنضر بن شميل والفراء وغيرهم واما المباحث الفقهية فغالبها مستمدة له من الشافعی وابی عبيد وامثالهما".

(فتح الباری، ج ۱/ص ۲۴۳/، دارالمعرفۃ بیروت)

امام بخاری غریب حدیثوں کی تمام تفسیر اس فن کے ماہرین مثلاً ابوعبیدہ، نضر بن شمیل اور فراوغیرہ سے نقل کرتے ہیں اور رہے فقہی ابحاث تو ان میں سے بیشتر میں انہوں

نے امام شافعی اور ابو عبید وغیرہ سے مدد حاصل کی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ فقہی ابحاث میں امام شافعی اور امام ابو عبید سے مدد لیتے تھے اور جو مجتہد مطلق ہوتا ہے وہ فقہی ابحاث میں از خود اجتہاد کرتا ہے، نہ کہ دوسروں سے مدد حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا امام بخاری کا یہ طرزِ عمل ان کے مجتہد ہونے سے ابا کرتا ہے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ آپ مجتہد مطلق نہیں تھے بلکہ مقلد اور شافعی مذہب کے پیروکار تھے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ اور علامہ تاج الدین سبکی کے حوالہ سے گزرا۔

امام بخاری علیہ الرحمہ کے مقلد ہونے کی شہادت پیشوائے غیر مقلدین نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی دی ہے۔ نواب صاحب نے ابجد العلوم ص ۸۱۰ میں امام بخاری کو شافعی المذہب کہا ہے۔

اسی طرح نواب صاحب نے الحطہ میں شیخ تاج الدین سبکی کے حوالے سے امام بخاری کا شافعی المذہب ہونا نقل کیا، لکھتے ہیں:

"قال الشیخ تاج الدین السبکی فی طبقاته: کان البخاری امام المسلمین و قدوة المؤمنین و شیخ الموحدین المعول علیه فی احادیث سَیِّد المرسلین قال: وقد ذکرہٗ ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة"

(الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ، ص: ۴۳۸، مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں: امام بخاری، مسلمانوں کے امام و پیشوا، شیخ المسلمین اور احادیث نبویہ ﷺ میں آپ بلند پایہ تھے، علامہ ابو عاصم نے امام بخاری کو ائمہ شوافع میں ذکر کیا ہے۔

نواب صاحب کی اس واضح شہادت کے بعد نام نہاد اہلِ حدیث پر لازم ہے کہ امام بخاری کو تارکِ تقلید کہنا چھوڑ دیں۔

ائمۂ صحاح ستہ مقلد تھے

موجودہ نام نہاد اہلِ حدیث بڑا زور صرف کرتے ہیں کہ سارے محدثین خصوصاً ائمہ صحاح ستہ کا تعلق فرقہ اہلِ حدیث سے تھا۔ یہ سب کہتے وقت اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ موجودہ اہلِ حدیث اپنے عقائد و نظریات میں ماضی کے محدثین سے منحرف ہیں، پھر کس طرح ان محدثین کا تعلق غیر مقلدین سے ہو سکتا ہے اور رہا ان کے لیے "اصحاب الحدیث" اور "اہلِ حدیث" کے الفاظ وارد ہونا، تو اس کی حقیقت کو پچھلے صفحات میں بے نقاب کر دیا گیا۔ پھر بھی خصوصیت سے ائمہ صحاح ستہ سے امام مسلم، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ کے مقلد ہونے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے:

(۱) **حضرت امام ابوالحسین مسلم بن حجاج (المتوفی ۲۶۱ھ)** بھی شافعی المذہب تھے۔

دور مت جایئے۔ فرقہ اہلِ حدیث کی نامی گرامی شخصیت نواب صدیق حسن بھوپالی نے "الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ" ص ۹۸ اور "اتحاف النبلاء" ص ۵۷ میں اس کی صراحت کی ہے۔

(بحوالہ طائفہ منصورہ)

(۲) **حضرت امام احمد بن شعیب نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ)** کو حافظ ابن تیمیہ نے حنبلی کہا ہے۔ (فیض الباری، ج:۱، ص:۵۸، بحوالہ سابق)

علامہ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

"و کان شافعی المذہب"

امام نسائی شافعی المذہب تھے۔ (اکمال، ص: ۶۲۷)

علامہ سبکی نے بھی ان کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج: ۳، ص: ۱۴، دار ہجر)

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"وکان شافعی المذھب." (الحطہ، ص: ۴۵۸، دار الجیل بیروت)

اورنواب صاحب نے ابجد العلوم ص ۸۱۰ میں انہیں شافعی المذہب لکھا ہے:

(۳) **حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث** (المتوفی ۲۷۵ھ) کو بھی ابن تیمیہ نے حنبلی کہا۔ (فیض الباری، ج ا ص:۵۸، بحوالہ طائفہ منصورہ)

''نواب صاحب الحطہ میں لکھتے ہیں:

''وَ اعَدَّ ہ الشیخ ابواسحٰق الشیرازی فی الفقھاء من جملۃ أصحاب الامام احمد و اختلف فی مذھبہ فقیل حنبلی و قیل شافعی۔'' (الحطہ ص:۴۴۹، دارالجیل بیروت)

شیخ ابواسحاق شیرازی نے امام ابوداؤد کو امام احمد کے فقہاء تلامذہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے مذہب کے بارے میں مختلف روایت ہے، ایک قول کے مطابق حنبلی اور ایک قول کے مطابق شافعی ہیں۔

اورنواب صاحب ابجد العلوم میں انہیں شافعی المذہب لکھتے ہیں۔

(ص:۸۱۰، بحوالہ طائفہ منصورہ)

(۴) **امام ترمذی ابوعیسیٰ محمد ابن سورہ** (المتوفی ۲۷۹ھ) بھی شافعی تھے۔ اس کی صراحت کرتے ہوئے امام حاکم فرماتے ہیں: امام ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن سورہ شافعی تھے۔

(فیض الباری، ج ا ص:۵۸، بحوالہ سابق)

نام نہاد اہلِ حدیث مذکورہ بالا حوالوں میں غور کریں اور خود فیصلہ کریں کہ محدثین کے سردار یہ ائمہ خود تقلید کرتے نظر آرہے ہیں تو اردو کی دو کتابیں پڑھنے والے یا انگوٹھا چھاپ کس طرح ائمہ کی تقلید سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین سے غلط استدلال

ابوزید نے لفظ ''اصحاب الحدیث'' کی آڑ میں فریب دہی کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' سے

استدلال کرتے ہوئے لکھا:

> شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
> ''ولا اسم لھم الا اسم واحد وھو اصحاب الحدیث''۔
> اوران کا یعنی اہلِ سنّت کا تو بس ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اصحاب الحدیث۔

آگے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> (۱) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ حدیث کا تذکرہ باطل فرقوں کے بالمقابل کیا ہے۔
> (۲) ان کے نزدیک اہلِ حدیث اور اہلِ سنت ایک ہی ہیں۔
> (۳) اہلِ سنّت کا ایک ہی نام ہے: اصحاب الحدیث۔
> (ص:۱۷،۱۸)

عبارتِ غنیۃ کی تحقیق

(۱) اس عبارت میں غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ''اہلِ سنّت'' کا تعارف ''اصحاب الحدیث'' سے کرا رہے ہیں۔ لہٰذا اصحاب الحدیث وہی ہیں، جو اہلِ سنّت ہیں۔ اوراہلِ سنت کسے کہتے ہیں، اس کا جواب اگر کسی اور حوالے سے پیش کیا جائے تو غیر مقلدین چیں بہ چیں ہوں گے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ خود بابائے اہلِ حدیث ابن تیمیہ کا قول پیش کردیا جائے۔

ابن تیمیہ نے اہلِ سنّت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا:

''فان السنة تتضمن النص و الجماعة تتضمن الاجماع فاهل السنة و الجماعة هم المتبعون للنص والاجماع.''

لفظ سنت نص کو متضمن ہے اور جماعت کا لفظ اجماع کو شامل ہے لہٰذا

اہلِ سنّت و جماعت وہ لوگ ہیں جو نص اور اجماع کے متبع ہوں۔

(منہاج السنۃ ج/٦،ص/٤٦٦،السعودیہ ریاض)

ابن تیمیہ نے یہ انکشاف کر دیا کہ جو سنی ہوگا وہ اجماع کا انکار نہ کرے گا جب کہ غیر مقلدین اجماع کے منکر ہیں، اس پر قدرے تفصیل اجماع کے باب میں آرہی ہے۔

سردست غیر مقلد حافظ عبدالمنان نور پوری کا ایک قول سن لیجیے، لکھتے ہیں:

اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ مجتہدین کا دین میں حجت ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ (مکالمات نور پوری،ص:٨٥)

لہٰذا ابن تیمیہ کے بقول غیر مقلدینِ زمانہ اہلِ سنّت نہیں ہیں۔

اور یہی ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

والحنفیة هم من اهل السنة.

(منہاج السنۃ النبویہ: ج ا ص ١٤٣، ریاض)

پیشوائے اہلِ حدیث ابن تیمیہ نے منکرین اجماع کو اہلِ سنّت سے خارج فرقہ اور احناف کو اہلِ سنّت قرار دیا ہے۔

پھر بھی غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کی آڑ میں فرقہ اہلِ حدیث اور اہلِ سنّت و جماعت کو ایک سمجھنا ابو زید کا خیال محال است وجنوں۔ بلاشبہ غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اصحاب الحدیث اور اہلِ سنّت ایک ہی ہیں: مگر کون سے اصحاب الحدیث؟ انگریزوں سے اپنا نام الاٹ کرانے والے غیر مقلدین نام نہاد اہلِ حدیث نہیں بلکہ وہ اصحاب الحدیث جو مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے یا پھر کسی امام کے مقلد تھے۔

(۲) پچھلے صفحات میں گزرا کہ قرون اولیٰ میں اہلِ حدیث نام سے کوئی فرقہ موجود نہیں تھا، محمد حسین بٹالوی کی کوششوں سے ١٨٨٨ء میں انگریزوں نے وہابی فرقہ کا نام ''اہلِ حدیث'' منظور کرا کے جاری کیا۔ اور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی

وفات ٥٦١ھ میں ہوئی، جب غوث اعظم کی وفات تک یہ فرقۂ باطلہ وجود میں آیا ہی نہیں تھا تو آپ کے فرمان کو موجودہ اہلِ حدیث کی تعریف قرار دینا خیانت و بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔

(۳) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس فرقہ ناجیہ کا تذکرہ اہل باطل کے بالمقابل کیا بلاشبہ یہ فرقہ وہی ہے، جس پر خود حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمۃ رہے، اور خود غیر مقلدین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ غیر مقلد نہیں تھے اور موجودہ اہلِ حدیث تقلید کے منکر ہیں۔

لہٰذا غوث پاک علیہ الرحمۃ نے جن اصحاب الحدیث کو اہل السنۃ کہا وہ غیر مقلدین ہرگز نہیں ہو سکتے۔ غوث اعظم علیہ الرحمۃ کے فرمان سے اپنی تعریف اخذ کرنے کی کوشش میں تھے مگر یہی سامان موت بن گیا ہے۔ ؎

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

(۴) غنیۃ الطالبین کی اس عبارت میں، اس مقدس جماعت کا تعارف ہے، جن کے عقائد و نظریات شیخ جیلانی علیہ الرحمۃ سے ہم آہنگ ہیں اور موجودہ اہلِ حدیث اپنے عقائد و نظریات میں ان سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مثلاً:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اگر میرے مرید کا پردہ مشرق میں کھل جائے اور میں مغرب میں ہوں تو وہیں سے اسے ڈھانپ دیتا ہوں۔

(بہجۃ الاسرار مترجم،ص:٢٩٢،مکتبہ جام نور،دھلی)

اور فرماتے ہیں:

جو شخص مجھ کو مصیبت میں پکارے تو اس کی مصیبت جاتی رہے گی۔ اور جس تکلیف میں مجھے پکارے تو اس کی وہ تکلیف جاتی رہے گی

........جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے، پھر سلام کے بعد آقائے کریم ﷺ پر درود پڑھے، اور مجھ کو یاد کرے، اور عراق کی جانب گیارہ قدم چلے، اور میرا نام لے کر اپنی حاجت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

(بہجۃ الاسرار، مترجم ص: ۳۰۱، مکتبہ جام نور، دہلی)

شیخ کے اس عقیدہ کے برخلاف نام نہاد اہلِ حدیث کا عقیدہ یہ ہے:

غیر اللہ کے ساتھ استغاثہ کرنا یا انھیں پکارنا شرک ہے۔

(تفسیر ستاریہ، ج/۱، ص: ۲۷۹)

جن ہو یا ملائکہ یا ولی یا صنم ہو قضائے حاجت کے واسطے پکارنا کفر ہے اور شرک ہے۔ (بلغۃ الحیران ص۸)

ایک اور شرکیہ تیور ملاحظہ کریں:

س:۔ یارسول اللہ یا شیخ عبد القادر یا علی مدد کے نعرے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ یارسول اللہ یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ یا علی مشکل کشا وغیرہ نعرے لگانا شرک ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ، ج/۳، ص/۹، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

یہ تو غیر مقلدین کے بقول خود شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (معاذ اللہ) مشرک بلکہ مشرک گر ہوئے۔ اب ذرا انصاف سے بتاؤ! جو فرقہ خود شیخ موصوف کو مشرک قرار دے کیا شیخ اسے فرقہ ناجیہ قرار دے رہے ہیں؟۔ جناب! شیخ موصوف کے حکم کو دلیل بنانے سے پہلے اتنا تو دیکھ لیا ہوتا کہ وہ تو تمہارے شرکیہ فتویٰ کی زد میں ہیں۔ جس غنیۃ الطالبین

کے دامن میں آپ پناہ ڈھونڈ رہے ہیں، پہلے اس کے سیاق وسباق کو دیکھ لیا ہوتا تو پتا چل جاتا کہ یہ ہمارے لیے جائے امن نہیں، سامان موت ہے۔ دو ایک مثال حاضر ہے:

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وھی عشرون رکعۃ یجلس عقیب کل رکعتین و یسلم، فھی خمس ترویحات، کل اربعۃ منھا ترویحۃ".

(غنیۃ الطالبین ج/۲، ص/۲۵، دار الکتب العلمیہ)

اور تراویح بیس رکعت ہے ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے اور وہ پانچ ترویحے ہیں، ہر چار رکعت ایک ترویحہ ہے۔

اور ایام قربانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وایام النحر ثلاثۃ: یوم العید بعد الصلوٰۃ او قدرھا، و یومان بعد ہ، وھو مذھب اکثر الفقھاء (الی قولہ) والذی ذکرنا ہ من أنہ ثلاثۃ أیام منقول عن عمر و علی و ابن عباس و ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم

(غنیۃ الطالبین ج/۲، ص/۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

قربانی کے تین دن ہیں نماز عید کے بعد سے عید کا پورا دن اور اس کے بعد والے دو دن جمہور فقہا کا یہی قول ہے .... اور جو ہم نے ذکر کیا کہ قربانی تین دن ہے، یہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔

ابو زید! آپ کے یہاں تو قربانی چار دن ہے اور بیس رکعت تراویح بدعت ہے۔ کیا اس اعتقادی اور نظری اختلاف کے باوجود یہی کہے جاؤ گے کہ غوث پاک بھی اہلِ حدیث تھے اور غنیۃ الطالبین میں اسی فرقہ کو ناجیہ قرار دیا ہے۔ ـــ

داستاں تیری سنا کرتے ہیں
رات دن وجد کیا کر تے ہیں

گھر کا بھیدی

(۵) شیخ عبدالقادر جیلانی نے جن اصحاب الحدیث کو اہلِ سنّت کہا، ان سے مراد نام نہاد اہلِ حدیث نہیں ہیں، اس بات کی شہادت خود علماے اہلِ حدیث نے دی ہے۔

مشہور اہلِ حدیث حافظ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

> پہلے اس جماعت نے اپنا کوئی خاص نام نہیں رکھا تھا۔مولانا شہید کے بعد جب مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے وہابی کہنا شروع کیا تو وہ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے۔ پھر اس کو چھوڑ کر اہلِ حدیث کا لقب اختیار کیا جو آج تک چلا آتا ہے۔
>
> (نوادرات، ص: ۲۴۳، بحوالہ طائفہ منصورہ)

ابوزید! اسے بار بار پڑھیے۔حق بے نقاب ہوا کہ شیخ موصوف نے غنیۃ الطالبین لکھی، اس کے بہت بعد میں یہ جماعت معرض وجود میں آئی اور پہلے اس جماعت کا کوئی خاص نام نہیں تھا، اسماعیل دہلوی کے بعد اہلِ حدیث کا پیوند لگایا گیا ہے، جب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس نام کی کوئی جماعت تھی ہی نہیں تو شیخ کے کلام میں اس کے ذکر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اہلِ حدیث حافظ اسلم جیراجپوری کے اس کھلے اعتراف پر میں اس باب کو یہ کہہ کر بند کرتا ہوں۔ ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

حدیث طائفۂ منصورہ سے غلط استدلال

ابوزید نے فرقۂ اہلِ حدیث کو حق ثابت کرنے کے لیے حدیث: لا تزال طائفة من امتی قائمة بامر الله لایضر هم من خذلهم او خالفهم حتی یاتی امر الله وهم ظاهرون علی الناس " نقل کی پھر اس کی تشریح میں امام احمد امام بخاری اور عبداللہ ابن مبارک رحمہم اللہ کے اقوال پیش کیے کہ دیکھو ان تینوں حضرات کے نزدیک طائفہ منصورہ سے مراد "اصحاب الحدیث" ہے۔لہٰذا ان تینوں نے "فرقہ اہلِ حدیث" کو حق جماعت قرار دیا۔مگر پھر ابوزید کو خیال آیا کہ "اصحاب الحدیث" تو محدثین کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ امام بخاری وغیرہ کے دور میں اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث کے نام سے کسی فرقہ کا وجود تھا ہی نہیں، تو فریب دہی کے لیے فاسد استدلال کا نمونہ پیش کرتے ہوئے کہا:

> یہاں ایک غلط فہمی دور کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان اقوال میں اہلِ حدیث کا لفظ محدثین کے لیے استعمال ہوا ہے نہ کہ کسی فرقہ یا جماعت کے لیے وہ کہتے ہیں کہ جیسے تفسیر کے ماہر کو مفسر یا اہل تفسیر کہتے ہیں۔اسی طرح حدیث کے میدان میں ماہرین کو محدثین یا اہلِ حدیث کہتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔اس کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر واقعی اہلِ حدیث سے مراد محدثین ہیں تو پھر حدیث میں قیامت تک حق پر قائم رہنے والی جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مفسرین اور فقہا کو خارج کرنا پڑے گا۔ (ص:۱۶)

ضمیر صاحب! پہلے آپ اپنے اکابرین کی غلط فہمی دور کریں، اور انہیں بتائیں کی صحیح

بات کیا ہے اور غلط بات کیا ہے۔ یہ دیکھیے اہلِ حدیث کے چوٹی کے عالم محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ) کیا لکھتے ہیں:

بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ ''اہلِ حدیث'' سے ہوا، اور بعض جگہ ''اصحاب حدیث'' سے بعض جگہ ''اہلِ اثر'' کے نام سے، اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مرجع ہر لقب کا یہی ہے۔

(تاریخ اہلِ حدیث، ص:۱۲۸، بحوالہ طائفۂ منصورہ)

دیکھا آپ نے! خود اہلِ حدیث علما کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اہلِ حدیث اصحاب الحدیث، اہل اثر اور محدثین سب کے سب مترادف الفاظ ہیں اور ان کا مصداق و مفہوم ایک ہی ہے۔ مگر ابو زید کہتے ہیں ''یہ بات صحیح نہیں اب یہ فیصلہ تو غیر مقلدین خود کر لیں گے کہ ان کہ اکابرین نے کہا وہ صحیح ہے یا ابو زید کی بات؟

طائفہ منصورہ کون؟

ابو زید نے ''طائفہ منصورہ'' اہلِ حدیث کو قرار دیا۔ اور امام احمد و بخاری و ابن مبارک کی تشریح ذکر کی کہ طائفہ منصورہ سے مراد اصحاب الحدیث ہے۔ اور لفظ اصحاب الحدیث کے ذریعہ اپنا نخل تمنا ہرا کرنے کی کوشش ہے۔ اگرچہ یہاں اتنا ہی جواب کافی ہے کہ اصحاب الحدیث سے ان حضرات کی مراد اس دور کے نام نہاد اہلِ حدیث نہیں' بلکہ وہ مقدس گروہ مراد ہے، جو حدیث کا علم اور اس کی معرفت کے نور سے منور تھا جیسا کہ ابن تیمیہ اور غیر مقلد محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی تشریح گزری کہ اصحاب الحدیث محدثین کے لیے بولا جاتا ہے۔

یہاں کچھ تفصیل کر دی جاتی ہے تا کہ غیر مقلدین کے فریب کا پردہ بھی چاک ہو اور یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ طائفہ منصورہ کون ہے۔

طائفہ منصورہ کے حوالے سے کتب احادیث میں مختلف روایات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین و انماا نا قاسم واللہ یعطی ولن تزال ھذ ہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ لا یضر ھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ''۔

جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں اور یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے گی، اس کو کوئی مخالف ضرر نہ پہونچا سکے گا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی قیامت) نہ آجائے۔

(بخاری کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا......حدیث/۷۱، ص/۲۱، دارالکوثر قاہرہ)

مسلم شریف کی حدیث میں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین ولاتزال عصابۃ من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاھر ین علی من ناوا ھم الی یوم القیٰمۃ''۔

جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیریت کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے اور مسلمانوں میں ایک جماعت تا قیامت ایسی رہے گی جو حق کی خاطر لڑائی اور جہاد کرے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔

(مسلم کتاب الامارۃ، باب لاتزال طائفۃ......حدیث: ۱۰۳۷، ص/۵۹۷، دارالکوثر قاہرہ)

بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیثیں آپ کے سامنے ہیں۔

ان حدیثوں میں غور کرنے سے طائفہ منصورہ کی دو نشانیوں اور خوبیوں کا انکشاف

ہوتا ہے: (۱) فقاہت فی الدین (۲) راہِ حق میں جہاد۔

پہلی خوبی یعنی تفقہ فی الدین کے بارے میں تاریخ کے اوراق کھنگالے جائیں تو ائمۂ مجتہدین اور ان کے مقلدین خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے مقلدین کو ربّ تعالیٰ نے تفقہ کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

امام ابوعمر بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں:

"کان ابو حنیفة رحمه الله وقوله فی الفقه مسلماً له فیه"

امام ابوحنیفہ اور آپ کا قول فقہ میں مسلّم ہے۔

(الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلثۃ الفقہاء ص ۲۱۰، المطبوعات الاسلامیہ بیروت)

علامہ خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"من اراد ان یعرف الفقه فلیلزم ابا حنیفة واصحابه
فان الناس کلهم عیال علیه فی الفقه"

جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے استفادہ کا التزام کرلے کیونکہ سبھی لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال، خوشہ چیں ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج:۱۳ ص:۳۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

طائفہ منصورہ کے پہلے وصف تفقہ سے جو حصہ امام اعظم علیہ الرحمہ اور آپ کے شاگردوں کو ملا، نام نہاد اہلِ حدیث کو تو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور یہ انعام خداوندی انہیں ملتا بھی کیسے، یہ فقہ اور فقہا سے عناد رکھتے ہیں۔ اس کے لیے ان کے اپنوں کی گواہی کافی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

مشہور اہل حدیث حافظ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

"اہلِ حدیث کے نزدیک فقہ کی دینی اہمیت نہیں، اس کی تعلیم محض ا
تمام نصاب کے لیے دی جاتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس (فقہ)

کے اکثر مسائل سے ہماری روح بغاوت کرتی ہے"۔

(نوادرات، ص ۳۵۲، بحوالہ طائفہ منصورہ)

طائفہ منصورہ کا دوسرا وصف جہاد بھی ہر دور میں اہلِ ایمان کے ماتھے کا جھومر رہا ہے اور اُمت کے افراد نے بقدر وسعت اس فریضہ کو انجام دیا۔ نام نہاد اہلِ حدیث کو اس وصف سے بیر ہے اور وہ اسے شر و فساد اور خون ریزی کے زمرے میں داخل مانتے ہیں۔

اس سچائی کو بے نقاب کرتے ہوئے پیشوائے اہلِ حدیث نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"بلکہ اہلِ سنّت و حدیث کا مذہب اس دن سے جس دن سے دنیا میں دین اسلام آیا۔ کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ کسی محدث کو کسی نے وہابی کہا ہو، یا کسی محدث نے کسی ملک میں فساد کیا ہو، یا کسی بادشاہ و حاکم وغیرہ سے بنام جہاد لڑا ہو، بلکہ ساری کتب طبقات و تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ ہمیشہ طریقہ ان لوگوں کا ترک دنیا و شغل عبادت و علم رہا ہے۔ بعض ان میں درویش تھے جن کو صوفی و فقیر و زاہد کہتے ہیں، ان کو لڑائی سے کیا واسطہ؟"

(ترجمان وہابیہ، ص:۸۷، مطبع مفید عام، آگرہ)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اور اہلِ حدیث تیرہ سو برس سے چلے آتے ہیں، ان میں سے کسی نے کسی ملک میں جھنڈا اس جہاد اصطلاحی حال کا کھڑا نہیں کیا، اور نہ کوئی ان میں حاکم یا بادشاہ کسی ملک کا بنا، اکثر بلکہ سب کے سب زاہد، تارک دنیا تھے، فتنہ و فساد و غدر و قتل و خونریزی سے ہزاروں کوس بھاگتے تھے۔"

(ترجمان وہابیہ، ص:۳۰، مطبع مفید عام آگرہ)

ایک اور مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

"کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد، متبع سنت، حدیث و قرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا، یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا، جتنے لوگوں نے غدر میں شر و فساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسر عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفی تھے، نہ متبعان حدیث نبوی"۔

(ترجمان وہابیہ، ص:۳۶، مطبع مفید عام آگرہ)

انگریزوں کے ظلم و ستم اور قتل عام کے باوجود ان کے خلاف جنگ میں کوئی حصہ نہ لینا اور آزادی کی جنگ کرنے والوں کو شر و فساد کا مرتکب ٹھہرانا۔ جہاد سے فرار کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی۔ لہٰذا یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ حدیث پاک سے طائفہ منصورہ کی جن دو نشانیوں کا پتا چلا، نام نہاد اہلِ حدیث دونوں سے عاری اور خالی ہیں، پھر یہ فرقہ طائفہ منصورہ کیسے ہوگیا!!

طائفۂ منصورہ اسلاف کی نظر میں

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ طائفہ منصورہ کے بارے میں ہمارے اسلاف کیا کہتے ہیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی (م ۸۵۲) حدیث بخاری کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"وفی ذلك بیان ظاهر لفضل العلماء علی سائر الناس ولفضل التفقه فی الدین علی سائر العلوم".

اس حدیث میں صاف طور پر علما کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی سب علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۸، ریاض)

علامہ ابن حجر حدیث کی شرح میں متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقال النووی: یحتمل ان تکون هذه الطائفة فرقة من انواع المومنین ممن یقیم امر الله تعالیٰ من مجاهد و فقیه و محدث و زاهد و اٰمر بالمعروف و غیر ذالك من انواع الخیر و لا یلزم اجتماعهم فی مکان واحد بل یجوز ان یکون متفرقین." (فتح الباری لابن حجر ج ۱ ص ۱۹۸، ریاض)

احتمال ہے کہ یہ طائفہ مسلمانوں کے مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہو، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتا ہے۔ مثلاً مجاہد، محدث، زاہد، بھلائی کا حکم دینے والا وغیرہ نیکی کے اُمور بجالانے والا اور اس طبقہ کا ایک جگہ میں ہونا بھی کوئی ضروری نہیں بلکہ جائز ہے کہ یہ طبقہ اور گروہ دنیا میں بکھرا ہوا ہو۔

امام بخاری، طائفہ منصورہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"وهم اهل العلم" اور وہ طائفہ منصورہ اہل علم حضرات ہیں۔

(بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۸۹۳، دار الکوثر)

دولت علم سے سرفراز ہونے والی ہستیوں کی خاصی تعداد ہے مگر محدثین کرام نے اہل علم کا اولین مصداق امام اعظم ابوحنیفہ کو قرار دیا ہے۔

علامہ خطیب بغدادی، حسن بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں:

"انه قال فی تفسیر الحدیث "لا تقوم الساعة حتی یظهر العلم" قال: هو علم ابی حنیفة رحمه الله و تفسیره الاٰثار." (تاریخ بغداد ج ۱۵ ص ۴۶۰ دار الغرب الاسلامی بیروت)

انہوں نے حدیث "لا تقوم الساعة حتی یظهر العلم" یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ علم ظاہر نہ ہوجائے" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس علم سے امام ابوحنیفہ کا علم اور ان کی وہ تشریح مراد ہے جو انہوں نے حدیثوں کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت یزید بن ہارون کی مجلس میں ایک بار بہت سے بلند پایہ محدثین عظام جمع تھے، مثلاً:

"عنده يحى بن معين و على بن المديني واحمد بن حنبل و زهير بن حرب وجماعة آخرون، اذجاء مستفت فسأله عن مسئلة، قال فقال له يزيد: اذهب الى أهل العلم، قال: فقال له بن المديني: اليس اهل العلم والحديث عندك قال: أهل العلم أصحاب أبي حنيفة و انتم صيادلة".

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ للکردی ج ۲، ص ۷۴ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد)

امام یحیٰ بن معین، امام علی بن المدینی، امام احمد بن حنبل اور امام زہیر بن حرب اور کچھ دوسرے اہل علم بھی موجود تھے۔ ایک سائل آیا اور اس نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت یزید بن ہارون نے فرمایا جا کر اہل علم سے پوچھ لو۔ امام علی بن المدینی نے فرمایا: کیا اہلِ علم اور ارباب حدیث آپ کے پاس موجود نہیں ہیں؟ حضرت یزید بن ہارون نے فرمایا کہ اہلِ علم تو اصحاب حنیفہ ہیں۔ تم تو صرف پنساری ہو۔

حضرت معروف بن عبداللہ ایک بار حضرت علی بن عاصم کی مجلس میں شریک تھے۔ علی بن عاصم نے فرمایا:

"عليكم بالعلم، عليكم بالفقه قال: فقلنا: اليس هٰذا يسمع منك علم؟ قال: العلم علم أبي حنيفة".

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ للکردی ج ۲، ص ۷۴ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد)

تم پر علم لازم ہے، تم پر فقہ لازم ہے، ہم نے کہا: یہ جو آپ سے سنا جاتا ہے، یہ علم نہیں؟ علی بن عاصم نے ارشاد فرمایا کہ علم تو امام ابوحنیفہ کا علم ہے۔

امام بخاری اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اہل علم کو طائفہ منصورہ قرار دیا۔

اور امام نووی نے فقہا اور محدثین کے ساتھ دیگر اہل خیر کو اس زمرے میں شامل مانا۔ گویا کہ اس حدیث پاک میں جس طائفہ کا ذکر ہے، اس کے دامن میں سارے فقہا، محدثین، مفسرین اور اصحاب خیر داخل ہیں۔ پھر نہ جانے کس دھن میں ابوزید نے اندھے کی لاٹھی چلائی اور لکھ دیا کہ اگر طائفہ منصورہ سے مراد فرقۂ اہلِ حدیث نہ لیا جائے تو پھر حدیث میں قیامت تک حق پر قائم رہنے والی جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے اس میں سے مفسرین اور فقہا کو خارج کرنا پڑے گا، اپنی جماعت کو طائفہ منصورہ قرار دینے کے نشے میں ابوزید نے یہ طاغوتی حکم جڑ دیا۔ ؎

کچھ بھی تو جی میں سوچیے انصاف کیجیے
زنگ کجی سے شیشہ دل صاف کیجیے

طائفہ منصورہ سے مراد کون "اصحاب الحدیث"؟

طائفہ منصورہ سے مراد بعض محدثین نے "اصحاب الحدیث" کو قرار دیا ہے، مگر ان اصحاب الحدیث سے مراد انگریزوں سے نام الاٹ کرنے والے نام نہاد اہلِ حدیث نہیں، بلکہ محدثین مراد ہیں۔

اس بات کے ثبوت میں ایک شہادت بابائے غیر مقلدین ابن تیمیہ کی گزری۔ دوسری شہادت ملاحظہ ہو:

علامہ حافظ محمد بن ابراہیم ابوزید (المتوفی ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں:

"اذمن المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عنى به، و انقطع فى طلبه الى...... ان قال: فهٰولاء هم أهل الحديث من اى مذهب كانوا الى...... ان قال: و قد ذكر أئمة الحديث مايقتضى ذلك فا نهم مجمعون على ان ابا عبد الله الحاكم بن البيع من ائمة الحديث مع

معرفتهم انه من الشيعة".

کیونکہ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اہلِ حدیث ہر اس شخص کا نام ہے جس نے تحصیل حدیث کا اہتمام کیا اور اس کے طلب میں یکسو ہو گیا ہو۔ (پھر فرمایا) پس یہ حضرات اہلِ حدیث ہیں، جس مذہب سے بھی ان کا تعلق ہو۔ (پھر فرمایا) خود ائمہ حدیث کے بیان سے اس کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ امام حاکم (صاحب مستدرک) ائمہ حدیث میں سے ہیں، حالانکہ محدثین جانتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے۔

(الروض الباسم، ج:۱ص:۲۳۷، دار عالم الفوائد)

تیسری شہادت ملاحظہ ہو:

غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

"بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ اہلِ حدیث سے ہوا اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے، اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مرجع ہر لقب کا یہی ہے۔" (تاریخ اہلِ حدیث، ص:۱۲۸)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اہلِ حدیث سے مراد کوئی مخصوص فرقہ نہیں ہے، بلکہ جو بھی فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور طلب حدیث کا شیدائی اور اس کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہو وہ اصحاب حدیث سے ہے، خواہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی ہو بلکہ اس کا اطلاق شیعہ اور معتزلی پر ہوا ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں:

ابن خراش (م ۲۸۳ھ) کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

یہ حافظ بارع اور ناقد تھے...... امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن خراش سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ باوجود اس کے وہ نہ صرف شیعہ، بلکہ رافضی تھے اور اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر

رضی اللہ عنہما کے مثالب پر کتاب لکھی تھی۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج۲/ص۱۸۵/، دارالکتب العلمیہ)

عبیداللہ بن موسیٰ (م ۲۱۳ھ) یہ امام بخاری کے استاذ ہیں مگر ان کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

کان شيعيا متحرقا. یہ جلا بھنا شیعہ تھا۔

(میزان الاعتدال، ج۳/ص۱۶/، دارالمعرفہ، بیروت)

ابوسعد اسماعیل بن علی السمان (م ۴۴۵ھ) کے بارے میں علامہ کتانی لکھتے ہیں:

"كان السمان من الحفاظ الكبار زاهدا عابدا يذهب الى الاعتزال ......وكان عدلى المذهب يعنى معتزليا ...... وكان اماما بلا مدا فعة فى القرأة و الحديث و الرجال."

(تذکرۃ الحفاظ، طبقہ/۱۴ ترجمہ/۱۰۰۷، ج۳/ص۱۱۲۲/، دارالکتب العلمیہ)

وہ بڑے حفاظ میں سے تھے اور زاہد و عابد تھے اور معتزلی مذہب کے شیدائی تھے۔ ...... اور وہ مذہب میں معتزلی تھے جو اپنے کو عدل و انصاف والے کہتے تھے اور بلا مدافعت وہ قرأت حدیث اور رجال کے امام تھے۔

اب ضمیر صاحب بتائیں! کیا محض اصحاب حدیث ہونے کی بنیاد پر ان سب کو بھی اپنے فرقہ کے افراد قرار دیں گے۔

انتہائی تعجب ہے کہ موجودہ غیر مقلدین نے تارک تقلید اور اہلِ حدیث کو ایک ہی سمجھ لیا، یہی وجہ ہے کہ لفظ اہلِ حدیث دیکھتے ہی پھولے نہیں سماتے کہ یہ تو غیر مقلدین کا ذکر آ گیا، اب آخر میں اس باب کو پیشوائے غیر مقلدین کی شہادت پر بند کرتا ہوں:

مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''اور اگر کوئی مقلد ایسا ہی سعید ہو، ہمیشہ اس بات کی فکر میں رہے کہ کوئی مسئلہ بغیر ثبوت قرآن وحدیث کے نہ مانے اور ہر مسئلہ میں اہلِ حدیث کی طرح مقدم قرآن وحدیث ہی سے استدلال کرے، جس مسئلہ کی گواہی یہ دو عادل گواہ دیں اسی کو واجب التسلیم جانے، اور جس کی بابت یہ گواہی نہ دیں، اسے متروک سمجھیں۔ ایسے صاحب بھی اہلِ حدیث کے محاورے میں اہلِ حدیث ہی ہیں، گو ان کے نام کے ساتھ حنفی شافعی وغیرہ ان کی طرف سے یا پچھلوں کی طرف سے ملائے گئے ہوں۔

(اہلحدیث کا مذہب، ص/۱۴۶۔۱۴۷، بحوالہ طائفہ منصورہ)

بعض ائمہ کی تشریحات میں ''اصحاب الحدیث'' کے الفاظ دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے ابوزید کو اپنے اکابرین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، وہ صاف فیصلہ سنا گئے کہ اہلِ حدیث کے زمرے میں آنے کے لیے تارک تقلید ہونا کوئی ضروری نہیں، کسی امام معین کے مقلد بھی اصحاب الحدیث میں داخل ہیں۔ لہٰذا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ تارکِ تقلید کو اہلِ حدیث کہنا کسی زمانہ کی اصطلاح نہیں رہی یہ تو اس زمانہ کی بدعت ہے۔ ؎

نخلِ امید ایک بار بھی نہ سرسبز ہوا
لاکھ ارمان کیے پھولنے پھلنے کے لیے

چند محدثین حنفیہ کا تعارف

نام نہاد اہلِ حدیث عوام کو یہ فریب دیتے ہیں کہ اصحاب الحدیث وہی ہیں جو کسی امام کی تقلید نہیں کرتے۔ تقلید کرنے والوں کا حدیث سے کیا تعلق ہے۔ لہٰذا یہاں اجمالی طور پر امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلدین محدثین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

امام زفر بن الھذیل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ (م ۱۰۱۴ھ) امام محمد بن وھب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

انہوں نے فرمایا کہ زفر بن الھذیل:

''كان من اصحاب الحديث'' امام زفر اصحاب حدیث میں سے تھے۔ (ذیل الجواہر، ج/۲، ص/۵۳۶، بحوالہ طائفہ منصورہ)

مولیٰ طاش کبریٰ زادہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن الائمة الحنفية أبو الهذيل زفر بن الهذيل .

ائمۂ حنفیہ میں زفر بن ھذیل بھی تھے۔ (مفتاح، ۲ج: ص:۱۱۳)

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

محدث ابو اسامہ علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اصحاب حدیث میں ایسے ہیں جس طرح لوگوں میں امیر المومنین۔ (خطیب بغدادی ج۱۰ ص۱۵۶)

امام صدر الائمہ المکی الحنفی (م ۵۶۸ھ) اور مولی احمد بن مصطفی المعروف بطاش کبریٰ زادہ رحمہما اللہ (م ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں:

''ومن الائمة الحنفية عبد الله بن المبارك .''

ائمہ حنفیہ میں سے ایک امام عبداللہ ابن مبارک ہیں۔

(مناقب موفق ج/۲، ص/۱۳۳۔ مفتاح السعادہ ج۲ ص ۱۱۲)

یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ

یحییٰ بن زکریا حنفی ہیں، ان کے بارے میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

''میں نے کوفہ میں ان تینوں کی مثل نہیں دیکھا: حزام، حفص بن غیاث اور یحیٰ بن زکریا، پھر فرمایا: ''کانوا ھولاء اصحاب الحدیث'' یہ اصحاب حدیث تھے''۔

(خطیب بغدادی ج/۸ ص/۱۹۷)

وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ

یحیٰ بن معین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ثقہ یا اصحاب حدیث صرف چار ہیں، ان میں ایک وکیع ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج/۱۵، ص/۶۵۷، دار الغرب الاسلامی)

مولیٰ طاش کبریٰ زادہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ومن الأئمة الحنفية وكيع بن الجراح''

ائمہ حنفیہ میں وکیع بن جراح بھی ہیں۔ (مفتاح السعادہ ج۲ ص۱۱۷)

یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ

علامہ خطیب بغدادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اجتمعوا فی الرصافة اعلام اصحاب الحدیث فمنهم احمد بن حنبل ویحیٰ بن معین و غیرهما''

(تاریخ بغداد ج/۷، ص/۳۰۷، دار الغرب الاسلامی بیروت)

رصافہ میں بڑے بڑے اصحاب الحدیث جمع ہوئے جن میں امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین وغیرہما بھی تھے۔

اور ان کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

''ان ابن معین کان من الحنفیة الغلاة فی مذهبه و ان کان محدثا.''

یحیٰ ابن معین پکے حنفی تھے، پھر بھی محدث تھے۔

(الرواۃ الثقات المتکلم فیہم کمالا یوجب، ص۳۰، دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، امام احمد بن حنبل وغیرہ جلیل القدر محدثین نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

امام ابوبشر اسدی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''وکان من جلة اصحاب الحدیث.''

آپ جلیل القدر اصحاب الحدیث میں تھے۔

(تاریخ بغداد، ج/۹، ص/۲۱۵، دار الغرب الاسلامی)

آگے چل کر خطیب بغدادی نے لکھا کہ آپ امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ علم حدیث میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امام عبداللہ بن اسد یافعی (م ۷۶۸ھ) فرماتے ہیں:

''برع فی الفقه والحدیث و صنف التصانیف المفیدة''

امام طحاوی نے فقہ وحدیث میں بڑی مہارت اور کمال پیدا کیا اور مفید کتابیں لکھیں۔ (مرآۃ الجنان، ج/۲، ص/۱۸۲، الفوائد البہیہ ص ۳۳)

ابن قیم (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

''امام الحنفیة فی وقته فی الحدیث و الفقه و معرفة اقوال السلف.''

امام طحاوی اپنے وقت میں حدیث وفقہ اور اقوال سلف کے جاننے

میں حنفیوں کے امام تھے۔

(اجتماع الجیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ ص/۱۸۶، دار البیان دمشق)

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام طحاوی سے ایک حدیث کی سند کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے فوراً اس حدیث کی سند سنا دی تو سائل نے تعجب کرتے ہوئے کہا:

"رأیتك العشیة مع الفقهاء فی میدانهم و انت الان فی میدان اهل الحدیث و قل من یجمع ذلك ؟فقال هٰذا من فضل الله و انعامه".

(تذکرۃ الحفاظ طبقہ/۱۱، ترجمہ/۷۹۷، ج/۳، ص/۸۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں نے کل آپ کو فقہا کے میدان میں دیکھا اور اب آپ اہلِ حدیث کے میدان میں نظر آتے ہیں اور فقہ و حدیث کا کمال بہت کم لوگوں میں جمع ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔

ان سطور کو بار بار پڑھیے۔ ان محدثین کا ذکر "اصحاب الحدیث" اعلام اصحاب الحدیث اور جلۃ اصحاب الحدیث سے ہو رہا ہے۔ نام نہاد اہلِ حدیث کو تعجب ہوگا کہ ان میں سے کوئی غیر مقلد نہیں ہے بلکہ سب کے سب امام المحدثین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے سلسلہ تقلید سے پیوست ہیں۔ اب بھی اگر ابوزید لفظ اصحاب الحدیث کی آڑ میں مکر و فریب سے باز نہ آئیں تو ؎

کون سنتا ہے تیری کہانی اے یار غلط
کیوں بغل میں لیے پھرتا ہے طومار غلط

ائمۂ اربعہ کے مقلدین محدثین

کچھ محدثین حنفیہ کا ذکر گزرا۔ اب نہایت اختصار کے ساتھ ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے

والے چند محدثین عظام کے صرف اسما پیش کیے جاتے ہیں تاکہ نام نہاد اہلِ حدیث کی آنکھیں کھلیں کہ تقلید شخصی کرنے والے اصحاب الحدیث اور محدثین رہے ہیں۔

محدثین حنفیہ

امام داؤد طائی (م ۱۶۰ھ)، امام ابو یوسف (م ۱۸۳ ھ)، قاسم بن معین (م ۱۷۵ھ)، علی بن مسہر (م ۱۹۰ ھ)، عافیہ بن یزید (م ۱۶۰ ھ)، اسد بن عمر (م ۱۹۰ھ)، مندل بن علی (م ۱۶۷ھ)، حبان بن علی (م ۱۷۱ ھ)، لیث بن سعد (م ۱۷۵ ھ)، جریر بن عبد الحمید (م ۱۸۸ھ)، حفص بن غیاث (م ۱۹۴ھ)، یحیٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ)، امام ابو عاصم النبیل (م ۲۱۲ ھ)، مکی بن ابراہیم (م ۲۱۵ ھ)، امام ابو الحسن العبدی (م ۲۱۸ ھ)، امام ابوبکر الجارودی (م ۲۹۱ھ)۔

محدثین مالکیہ

امام ابو الطیب (م ۳۳۸ ھ)، امام احمد بن دحیم بن خلیل (م ۳۳۸ھ)، قاضی ابو الطاہر الذہلی (م ۳۶۷ ھ)، امام ابو محمد المعروف بالعسال (م ۲۵۴ ھ)، امام احمد ابو محمد المعروف بابن التبان (م ۳۷۱ ھ)، امام ابن الباجی (م ۳۹۶ ھ)، امام اسمٰعیل القاضی (م ۲۸۲ ھ)، امام ابن الجباب (م ۳۲۲ ھ)، امام وہب بن میسرہ (م ۳۴۶ ھ)، امام دانی (م ۴۴۴ ھ)، امام ابن عبد البر (م ۴۶۳ ھ)، امام ابن عبد الحکم (م ۲۰۸ ھ)، امام ابن دقیق العید (م ۷۰۲ ھ)، امام فخر الدین (م ۷۱۳ ھ)، امام علی بن المفضل (۶۱۱ ھ)، امام حارث بن مسکین (م ۲۵۵ ھ)، امام ابو العباس الانصنا دی رجا بن عیسیٰ (م ۴۱۵ ھ)۔

محدثین شافعیہ

امام مرادی ربیع بن سلیمان (م ۲۷۰ ھ)، امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی

(م ۳۱۶ھ)، امام ابن سریج ابوالعباس احمد بن عمر (م ۳۰۶ھ)، امام ابوبکر شافعی محمد بن عبداللہ (م ۳۵۴ھ)، امام ابن حبان ابوحاتم محمد بن حبان (م ۳۵۴ھ)، علامہ خطابی ابو سلیمان احمد بن محمد (م ۳۸۸ھ)، علامہ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، امام بغوی (م ۵۱۶ھ)، امام ابن عساکر علی بن حسن (م ۵۷۱ھ)، علامہ ابن الصلاح تقی الدین (م ۶۴۳ھ)، علامہ نابلسی (م ۶۷۱ھ)، امام نووی ابوزکریا یحیی بن شرف (م ۶۷۶ھ)، علامہ سمعانی ابوسعد عبدالکریم بن احمد (م ۵۶۳ھ)، علامہ دمیاطی شرف الدین ابومحمد عبدالمومن (م ۷۰۵ھ)۔

محدثین حنابلہ

الخلال ابوبکر احمد بن محمد (م ۳۱۱ھ)، علامہ حمدان ابوجعفر محمد بن علی (م ۷۲۲ھ)، علامہ نجاد ابوبکر احمد بن سلیمان (م ۳۴۸ھ) علامہ محمد بن ناصر (م ۵۵۰ھ) علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) علامہ عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ھ) شیخ عزالدین محمد بن عبدالغنی مقدسی (م ۶۱۳ھ)

ضمیر صاحب! آپ نے اصحاب الحدیث کی آڑ میں غیر مقلدین کو اہلِ حدیث قرار دینے کی جو مہم شروع کی تھی، اس کو انجام تک پہنچا دیا گیا۔ نتیجہ کی شکل میں اصحاب الحدیث کی یہ ایک مختصر فہرست ہے، اگر تفصیل درکار ہو تو طبقات، تراجم و تواریخ کی طرف رجوع کریں اور فریب کا یہ سلسلہ اب بند کردیں کہ تارک تقلید ہی اہلِ حدیث ہوتے ہیں۔ ؎

ہمارا کام کہہ دینا ہے یارو
اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

حدیث میں تحریف

امام بخاری، عبداللہ ابن مبارک اور امام احمد رحمہم اللہ کی تشریحات سے حدیث

طائفہ منصورہ کا مصداق نام نہاد اہلِ حدیث کو قرار دینے کی ناکام کوشش کے بعد ابوزید نے لکھا:

> [حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے اس خیال کی غلطی اور بھی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث میں اہلِ حدیث کا تذکرہ اہل باطل کے بالمقابل کیا گیا ہے نہ کہ اہل فقہ و اہل تفسیر کے بالمقابل۔ (ص: ۱۶)]

ضمیر صاحب! آپ نے کہا کہ ''حدیث میں اہلِ حدیث کا تذکرہ'' ہے لیجیے! اپنی نقل کردہ حدیث ایک بار اور پڑھیے اور اس کے الفاظ میں دوبارہ غور کرکے بتائیے کہ ''حدیث کے الفاظ میں ''اہلِ حدیث'' کا تذکرہ'' کہاں ہے؟؟

''لا تزال طائفة من امتی قائمة با مر الله لا یضر هم من خذلهم او خالفهم حتی یاتی امر الله وهم ظاهرون علی الناس.''

بار بار پڑھیے! کیا مذکورہ ائمہ کی تشریح کو ''حدیث کے الفاظ'' قرار دینا، فریب کاری نہیں ہے؟ کیا یہ حدیث میں تحریف کا بدترین جرم نہیں ہے؟ کیا یہ حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا نہیں ہے؟ کیا حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والوں کا ٹھکانہ آپ کو معلوم نہیں ہے؟؟

اگر معلوم نہیں ہے تو سنیے:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''من کذب علی متعمدا فلیتبو ا مقعده من النار''

(بخاری، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت، حدیث/۱۲۹۱، ص:۳۴۶۱)

جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ؎

سن او کاذب، کج فہم ذرا دھیان سے بات
جو مسلمان ہیں کہتے ہیں وہ ایمان کی بات

خلاصۂ بحث

☆ علمائے اہلِ حدیث نواب صدیق حسن بھوپالی، مولوی ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد شاہجہان پوری کو اعتراف ہے کہ یہ فرقہ اہلِ حدیث نیا ہے۔ ماضی میں اس کا وجود نہیں تھا۔

☆ علمائے اہلِ حدیث کو اعتراف ہے کہ ابن تیمیہ، محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی اہلِ حدیث کے میر کارواں تھے۔ نظریاتی شخصیت ہیں اور ان کی دعوت، مشن اور مسلک وہی ہے جو اہلِ حدیث کی دعوت اور مشن ہے۔

☆ علمائے اہلِ حدیث کو اعتراف ہے کہ اہلِ حدیث نام انگریزوں نے الاٹ کیا ہے۔

☆ اہلِ حدیث کو اعتراف ہے کہ فرقہ چکڑالویہ اور قادیانیت اسماعیل دہلوی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

☆ کتب احادیث و تواریخ میں الفاظ اصحاب الحدیث، اہل الاثر اور اہل الحدیث کسی فرقہ کے بارے میں نہیں ہیں۔ اس کا اعتراف ابن تیمیہ اور علمائے اہلِ حدیث میں سے ان حضرات کو ہے۔

حافظ اسلم جیراجپوری۔ مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری۔

☆ ائمہ صحاح ستہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابو داؤد، امام نسائی، یہ سب مقلد تھے، ان میں سے کوئی غیر مقلد نہیں تھا۔

☆ محدثین کرام بے حصول منصب اجتہاد کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے اور ان کا تذکرہ طبقات میں کیا گیا ہے، کوئی محدث غیر مقلد نہ تھا، اسی لیے طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنابلہ اور طبقات مالکیہ تو موجود ہیں مگر آج تک طبقات غیر مقلدین کے نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

☆ طائفہ منصورہ، اہلِ سنّت و جماعت ہے۔ غیر مقلدین اس سے خارج ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب (۲)

اہلِ حدیث گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نام نہاد اہلِ حدیث کی گستاخانہ عبارات ڈھکی چھپی نہیں ہیں مگر ابوزید نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس روشن حقیقت کا انکار کرتے ہوئے لکھا:

> اہلِ حدیث کے سلسلہ میں دوسری غلط فہمی بلکہ الزام یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ لاعلمی کے سبب اہلِ حدیث کو گستاخ رسول سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض حضرات تو اہلِ حدیث کے عقیدہ سے اس قدر نا آشنا ہوتے ہیں کہ وہ صاف کہہ دیتے ہیں ''اہلِ حدیث'' رسول کو نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ قابل تعظیم ہیں۔ (ص ۱۹)

نام نہاد اہلِ حدیث کے ثابت شدہ جرائم پر پردہ ڈالتے ہوئے ابوزید نے جو بے فائدہ کوشش کی اس کا حاصل یہ ہے:

(۱) اہلِ حدیث پر الزام ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے ...... حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ قابل تعظیم ہیں۔

(۲) بہت سے لوگ لاعلمی کے سبب اہلِ حدیث کو گستاخ رسول سمجھتے ہیں۔

(۳) اہلِ حدیث کے عقیدہ سے نا آشنا لوگ کہتے ہیں کہ اہلِ حدیث رسول کو نہیں مانتے۔

اب آیئے! حقائق کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے کہ اہلِ حدیث کے حوالے سے مذکورہ باتیں محض الزام اور غلط فہمی کا نتیجہ ہیں یا حقائق پر مبنی ہیں۔ دوران مطالعہ دو باتیں ذہن نشیں رہیں۔

(۱) یہاں مجھے کسی ایک فرد سے بحث نہیں ہے، پورے فرقہ اہلِ حدیث پر یہ فرد جرم عائد ہے کہ یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے گستاخ ہیں، اگر کوئی فرد اس بارگاہ عالیہ میں ہر طرح کی گستاخی سے اظہار برأت کرے تو یہ پورے فرقۂ اہلِ حدیث کے دامن سے گستاخی کے دھبے دھلنے کو کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ عقائد ونظریات کے باب میں اعتماد اس فرقے کے اکابر پر ہوتا ہے۔ اور یہ اصول میرا خود ساختہ نہیں بلکہ خود اہلِ حدیث عالم نے اس ننگا کرنے والے اصول کو بیان کیا۔

چنانچہ ایک اہلِ حدیث عالم لکھتا ہے:

''کسی گروہ کے عقائد اس کے علما اور اکابرین طے کرتے ہیں''

(کیا علمائے دیوبند اہلِ سنّت ہیں ص ۸، بحوالہ عقائد علماء اہلِ حدیث)

لہٰذا اِن بانیانِ فرقہ اہلِ حدیث کے عقائد ونظریات ہر اس شخص کے عقائد و نظریات ٹھہریں گے، جو اپنے آپ کو اس فرقہ اہلِ حدیث کا ایک فرد قرار دیتا ہے جب تک اس فرقہ سے علاحدگی اختیار کرکے ان اکابر اہلِ حدیث پر جو حکم شرع لازم آتا ہے وہ جاری نہ کرے، یا اس حکم کو تسلیم نہ کرے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جن اکابر اہلِ حدیث کی گستاخانہ عبارات یہاں پیش کی گئی ہیں، خود غیر مقلدین کی اپنی کتابوں سے ان کے اہلِ حدیث ہونے کا ثبوت آغاز کتاب میں بیان ہو چکا۔ لہٰذا ان عبارات کے لکھنے والے اور ان گستاخانہ عبارات سے کوئی شخص ''اہلِ حدیث'' کی لاتعلقی ظاہر کرتا ہے تو یہ محض فراڈ اور دجل ہے۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ غیر مقلدین ان گستاخانہ عبارات سے جان چھڑانے کے لیے اپنے اکابر

کے ''اہلِ حدیث'' ہونے کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر آنے والی عبارات کو پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ نام نہاد اہلِ حدیث بارگاہ صمدیت جل شانہ اور شانِ رسالت مآب ﷺ میں کس قدر گستاخ واقع ہوئے ہیں۔

نماز میں نبی اکرم ﷺ کا خیال.......

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے امام الانبیاء ﷺ کی شان اقدس میں جو دریدہ دہنی کی، اس سے اہل ایمان کے دل لرز اٹھے اور جذبات چھلنی ہوئے، لکھتا ہے:

''از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ وخرخود است''

(نماز میں) زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا اسی جیسے بزرگوں کی طرف خواہ رسالت مآب ہی ہوں، اپنی ہمت (خیال) کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کہیں زیادہ برا ہے۔

(صراط مستقیم ص/۸۶، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

اس ناپاک ملعون شیطانی عبارت کو پڑھیے اور کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے! کیا ایسے ناپاک لفظ کسی ہندو یا پادری نے پیارے نبی ﷺ کی مقدس ذات کے بارے میں کہنے کی ہمت کی ہے، اہلِ حدیث کا امام کھلے لفظوں میں لکھ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نماز میں خیال لے جانا کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے، انصاف سے بتاؤ، اس کھلی گستاخی کے بعد اہلِ سنّت و جماعت اگر اہلِ حدیث کے

امام اور اس کے متبعین کو گستاخ نبی نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ شاید اہلِ حدیث نے اسی کا نام محبت رسول اور تعظیم نبی ﷺ رکھ چھوڑا ہو کہ اس پیارے آقا ﷺ کو دل کھول کر معاذ اللہ گالی دو اور پھر مظلوم بن کر لوگوں میں چرچا کرو کہ ہم تو عاشق رسول ﷺ ہیں، اہلِ سنّت بلاوجہ ہمیں گستاخ نبی ﷺ کہتے ہیں، یہ ان کی لاعلمی اور غلط فہمی ہے۔

نماز میں حضور اکرم ﷺ کا خیال اہلِ حدیث کے ہاں شرک کا سبب ہے، مگر شریعت مطہرہ میں بے ان کے خیال نماز ناقص ہے، کیونکہ نماز کی ہر دو رکعت میں التحیات واجب ہے اور اس میں "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر كا ته" پڑھنا لازم ہے، کیا اسے پڑھنے کا حکم حضور اکرم ﷺ کی طرف خیال کرنے کا حکم نہ ہوا؟ بے شک ہوا، یہی وجہ ہے کہ صحابی رسول ﷺ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اصلی قر یبا منه فاسار قه النظر"

میں نبی اکرم ﷺ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کا دیدار کرتا تھا۔

(بخاری شریف، باب حدیث کعب بن مالک، حدیث ۴۴۱۸، ص ۸۴۵، دار الکوثر قاہرہ)

امام غزالی فرماتے ہیں:

"جب تشہد کے لیے بیٹھو تو ادب سے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں، خواہ صلوات ہوں یا طیبات یعنی اخلاق طاہرہ، وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اسی طرح ملک خدا کے لیے ہے اور یہی معنی التحیات کے ہیں اور نبی پاک ﷺ کے وجود باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر كاته کہو۔"

(احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۶۹، دار المعرفہ بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریاں حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات، پس آنحضرت در ذرات مصلیاں موجود و حاضر است، پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نہ بود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد"

بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہے، لہٰذا حضور پر نور علیہ السلام نمازیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں، نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو، تاکہ قرب کے نور اور معرفت کے رازوں سے کامیاب ہو جائے۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۱۲۵)

اور صرف ایک تشہد کی کیا تخصیص بلکہ درود پاک اور قرآن مقدس کی آیات میں بھی ذکر نبی ﷺ موجود ہے اور ان کے خیال پاک سے کوئی مفر نہیں، اہلِ حدیث کو اس پاکیزہ خیال سے کیا نسبت ہے! یہ تو عاشقان رسول ﷺ کی قسمت ہے۔ استاذ زمن برادرِ اعلیٰ حضرت علامہ حسن رضا خان نے بہت خوب کہا ہے ؎

یاد خر سے ہو نمازوں میں خیال ان کا برا — اف جہنم کے گدھے اف یہ خرانت تیری
ان کی تعظیم کرے گا نہ اگر وقت نماز — ماری جائے گی ترے منہ پر عبادت تیری

نبی اکرم ﷺ مر کر مٹی میں ملنے والے ہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے مشن کو فروغ دینے والی شخصیت اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں یہ حدیث لکھی:

"ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجدله."

خود ہی اس کا ترجمہ یوں کیا:

''بھلا خیال تو کر تو جو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو۔''

پھر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آگے لکھ دیا:

''یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں''۔ (ص۸۸، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اہلِ حدیث بتائیں! یہ خبیث الفاظ کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے: کیا یہ رسول اللہ ﷺ پر کھلا بہتان نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار''.

(بخاری مقدمہ، باب وجوب الروایۃ عن الثقات، حدیث ۳، ص ۷، دار الکوثر قاہرہ)

جو دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

نبی ﷺ کے مر کر مٹی میں ملنے کا خبیث قول کرنے والے اہلِ حدیث سنیں! حدیث شریف میں تو ہے:

''إن الله حرم على الارض أن تأكل أجساد الأنبياء''

(سنن ابوداؤد، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ حدیث ۱۰۴۷، ص ۱۷۸، دار الفجر للتراث قاہرہ)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ انبیائے کرام کے بدن کھائے۔

زرقانی میں ہے:

فی الکامل للمبرد: "مما كفر به الفقهاء الحجاج أنه رأى الناس يطوفون حول حجرته صلى الله عليه وسلم فقال: انما يطوفون باعواد و برمة قال الدميري: كفروه بهذا لانه تكذيب لقوله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم على الارض أن تاكل أجساد الأنبياء، رواه ابوداود."

ابوالعباس مبرد نے کامل میں لکھا کہ جن امور کے سبب علمائے کرام نے حجاج کو کافر کہا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو روضہ اقدس حضور سید عالم ﷺ کا طواف کرتے دیکھا، بولا: کچھ لکڑیوں اور گلے ہوئے جسم کا طواف کر رہے ہیں، علامہ کمال دمیری نے فرمایا: علما نے اس قول پر اس وجہ سے تکفیر کی کہ اس میں ارشاد اقدس حضور ﷺ کی تکذیب ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیا کا جسم کھانا حرام کیا ہے، اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب ج۱ ص۱۶۸، دار الکتب العلمیہ)

نبی ﷺ حرام مال استعمال کرتے رہے (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث عبداللہ روپڑی لکھتا ہے:

نبی پاک ﷺ دوسروں کا قرض اتارنے کے لیے حرام مال کو بھی استعمال میں لاتے رہے ہیں۔

(بکرادیوی ص ۱۳۱ بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت ص ۵۷۲)

کہاں یہ خبیث عبارت!!! اور کہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

''ويحل لهم الطيبات و يحرم عليهم الخبئث''

(سورہ: اعراف۔ آیت: ۱۵۷)

اور وہ (نبی ﷺ) ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ وصف بیان ہوا کہ وہ گندی چیزیں حرام کریں گے، مگر نام نہاد اہلِ حدیث کے نزدیک نبی ﷺ حرام مال (گندی چیزیں) خود استعمال میں لاتے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

انبیائے کرام ناکارہ لوگ ہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کا پیشوا اسماعیل دہلوی ایک جگہ لکھتا ہے:

''اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجیے''۔

(تقویت الایمان، ص:۶۶، مکتبہ خلیل، لاہور)

حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ''ناکارہ'' لوگ کہنا کس قدر صریح گستاخی ہے، اس کا احساس تو اسی قلب کو ہوسکتا ہے جو جذبۂ حب رسالت سے معمور ہو، محبت رسول ﷺ سے ویران دل کو اس کا احساس کیا ہوگا۔

شانِ انبیا میں دریدہ دہنی

گستاخی کا ایک اور انداز دیکھو: یہی اہلِ حدیث کا امام شان اقدس میں دشنام طرازی کرتا ہے:

''یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا وہ اللہ کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے''۔ (تقویۃ الایمان، ص:۲۰، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اس ناپاک عبارت میں مخلوق کو چمار سے بھی ذلیل بک دیا، مخلوق میں امام الانبیاء محمد مصطفی ﷺ و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور دیگر محبوبین بارگاہ شامل ہیں۔

یہی اہلِ حدیث کا پیشوا لکھتا ہے:

''اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیا اور اولیا اس کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں''۔ (تقویۃ الایمان، ص:۸۱، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

نام نہاد اہلِ حدیث کی بکواس تو یہ ہے انبیا اور اولیا بھی ذلیل اور ذرۂ ناچیز سے کمتر

ہیں، مگر قرآن کریم کا فیصلہ سنیے!

''وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین'' (سورہ منافقون، آیت:۸)

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے۔ ع

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

انبیا عیب دار ہوتے ہیں (نعوذ باللہ)

ایک اور اہلِ حدیث مولوی رفیق خان پسروری لکھتا ہے:

انبیا علیہم السلام عیب دار ہوتے ہیں۔

(اصلاح عقائد، ص ۱۵۴، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت ص ۶۹۴)

اہلِ سنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کے ایک بال کو بھی عیب دار کہہ دے وہ کافر ہے۔

امام ابو حفص کبیر فرماتے ہیں:

''من عاب النبی ﷺ بشعرۃ من شعراتہ الکریمۃ فقد کفر''

(المعتقد المنتقد، ص ۱۴۶، المجمع الاسلامی مبارک پور)

جو نبی اکرم ﷺ کو ایک بال مبارک کی وجہ سے بھی معیوب جانے تو بلاشبہ کافر ہوگیا۔

المعتقد المنتقد میں نسیم الریاض سے ہے:

''و یجب ان تعلم ان جمیع من سب النبی ﷺ، اوعابه، اوالحق به نقصاًفی نفسه ممایتعلق بخلقه وخلقته، اونسبه، کأن یفضل أحدا علیٰ قومه و اصوله، أودینه بقصوره فیما یجب منه،أوخصلة من خصاله ای صفة من صفاته کشجاعته وکرمه،اوقال فی حقه مالایلیق

به تعريضا، اوشبهه بشئى على طريق السب له، أوالازراء عليه اى التنقيص له، و ان لم يكن قصد السب أوالتصغير لشانه، اى تحقيره كتصغير اسمه، او صفة من صفاته، اوالغض منه بمعنى اقل التنقيص فهو كافر مرتد، و مستوجب القتل، باجماع الامة."

(المعتقد المنتقد ص: ۱۴۷، المجمع الاسلامی مبارک پور)

اور تمہیں یہ جاننا واجب ہے کہ جو نبی ﷺ کو دشنام دے، یا معیوب بتائے، یا حضور کی ذات سے کوئی تنقیص ملحق کرے ان امور میں جو حضور کے اخلاق یا حضور کی جسمانی ہیئت سے متعلق ہیں، یا حضور کی نسبت کی تنقیص کرے، مثلاً کسی کو حضور کی قوم سے اور حضور کے اصول سے افضل بتائے، یا ان کے دین میں ان کی تنقیص کرے ان امور میں جو حضور پر واجب ہیں حضور کی تقصیر مان کر، یا حضور کے خصال میں سے کسی خصلت میں، یعنی حضور کی صفات میں سے کسی صفت میں کمی بیان کرے جیسے حضور کی بہادری اور ان کی سخاوت یا بطور تعریض ان کے حق میں ان کے خلاف شان کچھ کہے، یا کسی چیز سے حضور کو تشبیہ دے دشنام کے طور پر، یا حضور کی تنقیص کے لیے اگرچہ دشنام دینے کا اور تصغیر شان یعنی حضور کی تحقیر کا قصد نہ کیا ہو، جیسے حضور کے نام کی تصغیر، یا حضور کی صفات میں کسی صفت کی تصغیر، یا ان کے مرتبہ میں تھوڑی کمی چاہنے کے طور پر کوئی نازیبا بات کہے، تو وہ باجماع اُمت کافر و مرتد اور مستحق قتل ہے۔

نبی کریم ﷺ کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی میں شک تھا (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

"جب منافقین نے بہتان حضرت عائشہ پر باندھا، ایک مدت تک

رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اہتمام تحقیق برأت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں رہا۔ اور قلب مبارک سے شک ذنب کا ان سے قبل از نزول آیاتِ برأت کے بارگاہ قدوس سے رفع نہ ہوا۔ جب آیات برأت نازل ہوئیں تب یقین ہوا"

(فتاویٰ نذیریہ، ج۱، ص: ۴، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور)

ایک طرف نام نہاد اہلِ حدیث کا یہ گستاخانہ تیور ہے کہ معاذ اللہ نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر شک رکھتے تھے۔ دوسری طرف آقا علیہ السلام بقسم فرماتے ہیں:

"واللہ ماعلمت من اهلى الاخيرا"

اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کی پاکدامنی جانتا تھا۔

(بخاری کتاب الشہادۃ، حدیث/۲۶۳۷، ص: ۳۲۷، دارالکوثر)

یہ نام کے اہلِ حدیث نبی علیہ السلام کی بات کیوں مانیں گے آخر گستاخ جو ٹھہرے۔

نبی ہونے کا دعویٰ شیطان کرسکتا ہے (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

"فرشتے شرک میں کسی کی امداد نہیں کرتے۔ نہ حیات میں، نہ موت میں، اور نہ اسے پسند کرتے ہیں، البتہ شیاطین کبھی کبھی ان کی مدد کرتے ہیں اور انسانی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی شیطان ان سے کہتا ہے میں ابراہیم ہوں، مسیح ہوں، محمد ہوں، خضر ہوں، ابوبکر ہوں، عمر، عثمان، علی یا فلاں شیخ طریقت ہوں۔

(التوسل والوسیلہ، ص: ۳۹۔۴۰، مطبوعہ، ریاض)

اہلِ حدیث کی ''نظریاتی شخصیت'' اس بات کی قائل ہے کہ شیطان یہ فریب دے سکتا ہے کہ میں نبی ہوں مگر میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''من رأنی فی المنام فقد رای الحق فان الشیطان لا یتمثل بی''

جس نے مجھے خواب میں دیکھا، حق دیکھا کیوں کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

(مسلم شریف، کتاب الرویا، باب من رانی...... حدیث/۲۲۶۶ ص:۶۹۶، دارالکوثر قاہرہ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رائے دلیل نہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے خطیب الہند محمد جوناگڑھی نے لکھا ہے:

تعجب ہے جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل اور حجت سمجھنے لگے۔ (طریق محمدی، ص:۴۰)

اہلِ حدیث کے نزدیک تو نبی کی رائے حجت نہیں اور قرآن کا فرمان ہے:

''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ''

(سورہ: نجم، آیت: ۳۔۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اور رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا''

(سورہ: حشر، آیت: ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

یہ شان ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کہ جو دین وہ دیں، لے لو اور جس سے روکیں، رک جاؤ۔ اور اہلِ حدیث کہیں کہ ان کی رائے حجت نہیں۔ العیاذ باللہ۔

در بارۂ غیب انبیا اور شیطان اور بھوت برابر ہیں (نعوذ باللہ)

اسماعیل دہلوی لکھتا ہے:

''اور اس بات (غیب جاننے) میں اولیا و انبیا اور جن و شیطان میں اور بھوت پریت میں کچھ فرق نہیں۔''

(تقویۃ الایمان ص:۱۲، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اہلِ حدیث کے امام کی تو یہ بکواس ہے اور رب کا فرمان ہے:

''عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا اِلا من ارتضی من رسول.'' (سورہ: جن، آیت: ۲۶۔۲۷)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اللہ تعالیٰ غیب کا علم اپنے پسندیدہ رسولوں کو عطا فرماتا ہے، مگر رب کے فرمان سے اہلِ حدیث کو کیا مطلب! انہیں تو گستاخی کے تیور دکھا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور شیطان کو ایک کر کے دکھانا مقصود ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں (نعوذ باللہ)

امام اہلِ حدیث محمد بن عبدالوہاب نجدی نے لکھا ہے:

''ان محمدا لا یملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا عن عبدالقادر او غیرھم''

(کشف الشبہات ص ۲۴، دارالایمان، اسکندریہ مصر)

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات تک کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ عبدالقادر وغیرہ۔

اسی طرح کا عقیدہ اسماعیل دہلوی کا بھی ہے اسی لیے لکھ دیا:

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان، ص:۵۹، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

حالانکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فان الله هو مولٰه و جبريل و صالح المو منين و الملٰئكة بعد ذلك ظهير" (سورہ:تحریم، آیت:۴)

ترجمہ: تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل، اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

علامہ صاوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

"فمن زعم ان النبي ﷺ كاحاد الناس لا يملك شيئا اصلا ولا نفع به لاظاهرا ولا باطنا فهو كا فر خاسر الدنيا والآخرة" (تفسیر صاوی، ج۱، ص:۱۲۷)

جو شخص یہ خیال کرے کہ نبی پاک ﷺ بالکل کسی چیز کے مالک نہیں، اور نہ ہی ان سے ظاہری اور باطنی طور پر نفع پہنچتا ہے تو وہ شخص کافر ہے اور دنیا و آخرت میں رسوا ہے۔

یہ صرف چند نمونے ہیں۔غیر مقلدین کی کتابوں میں اس طرح کی گستاخانہ عبارات جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔مگر اہل انصاف انہیں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہلِ حدیث کو گستاخ نبی کہنا غلط فہمی نہیں بلکہ کھلی ہوئی سچائی اور حقیقت ہے۔

اہلِ حدیث دشمن رسول ﷺ ہیں!

نام نہاد اہلِ حدیث نے موقع بموقع اپنے دشمن نبی ﷺ ہونے کے نشانات چھوڑے ہیں، اگر اس طرح کی عبارات جمع کی جائیں تو کتاب تیار ہو جائے۔ان کے دلوں میں بغض نبی ﷺ کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہیں "یارسول اللہ" سننا

بھی گوارا نہیں بلکہ ایسے شخص کو کافر اور لائق قتل سمجھتے ہیں۔

اہلِ حدیث کے امام اسماعیل غزنوی نے یارسول اللہ کہنے والے اور آپ سے مدد طلب کرنے والوں کا خون بہانا اور ان کے اموال لوٹ لینا جائز قرار دیا ہے۔

(تحفۂ وہابیہ، ص:۵۹، بحوالہ عقائد وہابیہ)

تحفۂ وہابیہ ہی میں یہ بھی ہے:

اگر کوئی حق نہ ماننے والا اور راستی قبول نہ کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ تم قطعی طور پر کہتے ہو کہ جو کوئی یوں کہے "یارسول اللہ ﷺ میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں" تو وہ شخص مشرک ہوگا، اور اس کا خون مباح ہوگا، ایسے لوگوں کو ہم کافر کہتے ہیں۔

(تحفہ وہابیہ، ص:۶۸، بحوالہ عقائد وہابیہ)

صحابۂ کرام نے جو نعرہ لگایا اور آقائے کریم ﷺ سے طالب مدد ہوئے، وہ نعرہ اہلِ حدیث کے یہاں شرک ٹھہرا، پھر ایمان کس چیز کا نام ہے!

چنانچہ فتوح الشام میں ہے:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنسرین سے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سوار دے کر جنگ کے لیے روانہ فرمایا، اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے ہوئی، اس کے پانچ ہزار سپاہی تھے، غرضیکہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا۔مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے اور کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "یا محمد یا محمد یانصر اللہ انزل" پکارتے تھے۔اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے تھے:

"يا معاشر المسلمين اثبتو ا فا نما هي ساعة و يأتي النصر و انتم الاعلون"

(فتوح الشام، ج۱، ص:۲۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اے مسلمانوں کے گروہ! ثابت قدمی دکھاؤ پس جان لو یہی گھڑی ہے اور تم غالب ہونے والے ہو‘‘۔

اہلِ حدیث مولوی عبدالستار دہلوی سے سوال کیا گیا:

س: نعرۂ رسالت کیا ہے؟

ج: خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نعرہ لگانا شرک اور حرام ہے۔

(صحیفۂ اہلِ حدیث، ص: ۲۳۔ ۱۵ محرم ۱۳۷۴ھ بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت، ص: ۸۰۷)

یہ نام نہاد اہلِ حدیث اپنی جماعت اور اپنے علما کے نام کے نعرے لگائیں بلکہ دنیوی نیتاؤں کا نعرہ لگائیں تو شرک نہ ہو اور اللہ کے محبوب ﷺ کے نام کا نعرہ اگر کوئی لگا دے تو انہیں شرک سوجھتا ہے۔

’’محمد رسول اللہ‘‘ کا وظیفہ جائز نہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی سے پوچھا گیا:

وظیفہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا جائز ہے یا نہیں؟

وہابیوں کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی جواب دیتے ہیں:

’’وظیفہ مجموعہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ثابت نہیں ہے، وظیفہ کے واسطے صرف لا الہ الا اللہ ہے‘‘۔

اہلِ حدیث مولوی عبدالرحمن مبارکپوری نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

بے شک ذکر اور وظیفہ کے لیے صرف لاالہ الااللہ ہے، اور ذکر لا الہ الااللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا انضمام کسی روایت سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ نذیریہ، ج ۲، ص: ۳۔ ۴، مطبوعہ اہل حدیث اکیڈمی، لاہور)

ربِّ تعالیٰ کا فرمان ہے’’: محمد رسول اللہ‘‘ (سورہ: فتح، آیت: ۲۹)

اہلِ حدیث کے مطابق تو اس آیت کریمہ کی تلاوت بار بار کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

ان نام نہاد اہلِ حدیثوں کو پیارے آقا ﷺ کے نام کا وظیفہ بھی نہیں بھاتا۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

’’اذا ذکرتُ ذکرتَ معی‘‘

جب میرا ذکر ہوگا میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوگا۔

(مسند ابی لیلیٰ، مسند ابی سعید الخدری، ج ۲، ص: ۵۲۲، دار المامون للتراث بیروت)

جب ذکرِ خدا عز وجل کے ساتھ ذکرِ نبی ﷺ ربّ کی رضا ہے تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا وظیفہ کیسے ناجائز ہوا۔ ؎

ذکرِ خدا جو اُن سے جدا چاہو نجدیو!

واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (نعوذ باللہ)

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی کی رسول دشمنی کا یہ انداز بھی دیکھیے:

’’سارا کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔‘‘ (تقویۃ الایمان، ص: ۸۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اگر رسول ﷺ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا تو شبِ معراج پچاس رکعتیں کس کے چاہنے سے پانچ ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ نے کس کے چاہنے سے بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کو قبلہ بنادیا اور فرمایا:

’’قدنری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضٰها فول وجهك شطر المسجد الحرام‘‘ (سورہ: بقرہ، آیت: ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم پھیر دیں گے تمہیں اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے، ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

اور نبی ﷺ کی چاہت دیکھو۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"اِن ابراهيم حرم مكة فجعلهاحرما واِنى حرمت المدينة حراما ما بين مأزميها."

(مسلم شریف، باب الترغیب فی سکن المدینہ، حدیث: ۱۳۷۴، ص ۳۹۸، دارالکوثر)

بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کو حرم کر کے حرمت والا بنا دیا اور میں نے مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے مابین جو کچھ ہے اسے حرم بنا کر حرمت والا کر دیا۔

اور یہ روایت آنکھیں پھاڑ کر دیکھو!

"عن عوف بن مالك الأشجعى قال:قال رسول الله ﷺ: أتدرون ماخيرنى ربى الليلة؟قلنا: الله ورسوله اعلم، قال:اِنه خيرنى بين أن يدخل نصف أمتى الجنة،و بين الشفاعة، فاخترت الشفاعة قلنا: يارسول الله ادع الله، أن يجعلنا من أهلها، قال: هى لكل مسلم."

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ رب نے مجھے آج رات کس چیز کا اختیار دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت کو (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل کر دیا جائے، یا یہ کہ میں شفاعت کروں۔ میں نے شفاعت کو پسند کیا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ ہم کو بھی شفاعت کے حقداروں میں کر دے آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہر مسلمان کے لیے ہے۔

(ابن ماجہ، باب ذکر الشفاعۃ۔ حدیث: ۴۳۱۷، ص ۷۰۰، دارالکتب العلمیہ)

تاجدار کائنات ﷺ کی چاہت کا یہ انداز ملاحظہ کیجیے:

عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان النبى ﷺ تلا

قول الله تعالىٰ فى ابراهيم عليه السلام:رب اِنهن أضللن كثيرا من الناس فمن تبعنى فانه منى الاٰية، وقال عيسى عليه السلام: اِن تعذبهم فانهم عبادك و اِن تغفر لهم فاِنك أنت العزيزالحكيم فرفع يديه وقال: اللهم امتى امتى! و بكى فقال الله: ياجبريل اِذهب اِلى محمد وربك أعلم فاسئله ما يبكيك فاتاه جبريل عليه السلام فسا له فاخبره رسول الله ﷺ بما قال وهواعلم فقال الله تعالى: ياجبريل اذهب اِلى محمد فقل اِنا سنرضيك فى امتك ولا نسوءك"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "رب انهن اضللن الاٰية" اے میرے ربّ! بتوں نے بہت لوگ بہکا دیے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول "ان تعذبهم فانهم عبادك الاٰية" اے اللہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے، تلاوت فرمایا: پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور عرض کیا:

یا اللہ! میری امت میری امت، پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) کیوں روتے ہو؟ پھر جبریل آپ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا، رسول اکرم ﷺ نے انہیں خبر دی، پھر جبریل نے جا کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور فرمایا: جا کر کہو ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں

راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث:۳۴۶، ص/۷۶، دارالکوثر)

غیر مقلدو! رب تعالیٰ تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا چاہے اور آپ کی چاہت میں تحویل قبلہ ہو، شفاعت کا اختیار ملے اور امت کے بارے میں راضی کرنے کا ذکر فرمائے اور اہلِ حدیثوں کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ معاذ اللہ!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی توہین۔ نعوذ باللہ

ابن عبدالوہاب نجدی کے پوتے عبدالرحمن نجدی نے کتاب التوحید کی شرح فتح المجید میں محمد بن اسمٰعیل صنعانی کے حوالے سے لکھا ہے:

"فان هذه القباب والمشاهدالتي صارت اعظم ذريعة الى الشرك والالحاد واكبر وسيلة الى هدم الاسلام وخراب بنيانه"

بے شک یہ تمام قبے، مشاہد اور زیارت گاہیں جو شرک اور الحاد کا بہت بڑا ذریعہ بن چکی ہیں۔ اور اسلام کو مٹانے اور اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا بہت بڑا وسیلہ ہیں۔

(فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص/۲۴۳، مطبع المدنی، قاھرہ)

سعودیہ نے شرح الصدور شائع کی، جس کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"فالقبر المعظم المقدس وثن و صنم بكل معاني الوثنية لو كانو ا يعقلون".

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مقدس ہر لحاظ سے بت ہے کاش کہ لوگ اس بات کو سمجھیں۔ (حاشیہ شرح الصدور، ص:۲۵، مطبوعہ سعودیہ)

وہ کس قسم کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کو اپنے نبی کی قبر انور بھی بت نظر آئے اور یہ فتوی دیں کہ نبی کی قبر کو بھی گرا دینا واجب ہے، جیسا کہ نواب صدیق خان کے بیٹے نور الحسن بھوپالی نے عرف الجادی ص ۶۱ پر بھی اس کی صراحت کی ہے، نیز مملکت سعودیہ نے ایک نام نہاد اہلِ حدیث محمد شاہد محمد شفیق کی تالیف کردہ کتاب شائع کر کے مفت تقسیم کی تھی، جس میں یہ خبیث عبارت ہے:

''اللہ تعالیٰ مملکت سعودی عرب کو توفیق دے کہ اسے سنت کے مطابق کر دیں جیسا کہ یہ عہد صحابہ میں قائم تھے یعنی گنبد خضری زمین بوس کر دیں''۔ (زیارۃ مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:۱۴۵)

جب کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یہ ہے:

"من زار قبري وجبت له شفاعتي."

(سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، باب المواقیت، حدیث/ ۱۹۴، ص:۵۸۱، دار ابن حزم)

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مگر ان گستاخوں کو نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلب ہے، نہ شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ حقدار ہیں! اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور کی زیارت کرنے والوں کو بشارت عظمیٰ عطا فرمائیں اور یہ دشمنانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس نبی کی قبر انور کو مٹا دینے کے درپے ہوں، مگر نجدیوں کے چاہنے سے کیا ہوگا جب رب کا وعدہ ہے

"والله يعصمك من الناس."

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (سورہ: مائدہ۔ آیت:۶۷)

اسی وجہ سے ابن عبدالوہاب نجدی نے کہا تھا:

''رسول اللہ کا مزار گرا دینے کے لائق ہے اگر میں اس کے گرا دینے پر قادر ہوگیا تو گرا دوں گا'' (اوضح البراھین ص ۱۰ بحوالہ منزل کی تلاش)

نجدیوں نے دیگر مقدس مزارات کو تو مسمار کیا مگر آج تک اس مقدس روضہ کی ایک اینٹ بھی نہ ہلا سکے۔

ع وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

واقعاتِ میلاد کا انکار

اہلِ حدیث حافظ محمد جوناگڑھی لکھتا ہے:

"جتنے واقعات اس سوال میں میلاد محمدی کے مذکور ہیں، سب گڑھنت ہیں۔ کسی میں اصلیت نہیں، انہی موضوع روایتوں کے ڈھیر کا نام آج کل میلاد رکھا گیا ہے۔ اور یہی ایک بڑی وجہ مروج مولود کی مخالفت کی ہے۔ قصر کسریٰ کا واقعہ محض بے اصل ہے۔ آتش کدۂ فارس کا واقعہ محض خوش گپی ہے۔ بند دریا کا جاری ہونا بھی گپ ہے۔ بتوں کا سرنگوں ہوجانا گھریلو گھڑنت ہے۔ سبز رنگ کا علم تو خوب دیکھ لیا۔ رسوم خوشی کا خیال کر کے آسمان کی خوشی کو بھی اسی رنگ میں رنگ لیا۔ وحشی جانوروں کی بولیاں خوب سن لیں۔ اور سمجھ لیں۔ یہ بھی وحشیانہ جھوٹ ہے۔ روشنی کا دیکھنا، بوند کا ٹپکنا، سفید ابر کا اُترنا، سب کذب محض ہے، کسی دجال کی گڑھی ہوئی ہے۔

(اخبار محمدی دہلی ص ۳۔ ۱۵ جنوری ۱۹۴۰ء بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت، ص: ۱۲۸)

نام کے اہلِ حدیث کے ہاں وہ سب واقعات دجال کے گڑھے ہیں، جنہیں روایت کرنے والے صحابہ کرام ہیں، بلکہ خود والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

"انی رأیت حین خرج منی یعنی نورا أضاءت منه قصور الشام."

(سنن دارمی، باب کیف کان اول شان النبی ﷺ، حدیث: ۱۳، ص/۱۹، مکتبہ عصریہ بیروت)

جب ولادتِ مصطفی ﷺ ہوئی تو میں نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔

اور فرماتی ہیں:

"رایت ثلاثة اعلام مضروبات، علما بالمشرق، وعلما بالمغرب، وعلما علی ظهر الكعبة."

(السیرۃ الحلبیہ، باب ذکر مولدہ، ج۱ ص: ۸۷، المطبعۃ الازہریہ مصر)

میں نے تین نصب شدہ پرچم دیکھے، جن میں سے ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، اور تیسرا کعبہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان فی صبیحة تلك الليلة أصبحت أصنام الدنيا منكوسة."

اس رات کی صبح دنیا بھر کے بت سرنگوں ہوگئے۔

(السیرۃ الحلبیۃ، باب حمل امہ، ج۱ ص: ۵۹، المطبعۃ الازہریہ مصر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"ولم یبق سریر لملك من ملوك الدنيا الا أصبح منكوساً"

اس رات دنیا کے ہر بادشاہ کے تخت بھی اوندھے ہوگئے۔

(السیرۃ الحلبیۃ، باب حمل امہ، ج۱ ص: ۵۹، المطبعۃ الازہریہ مصر)

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

"لما كانت الليلة التي ولد فيها رسول الله ﷺ، ارتجس ایوان كسرىٰ وسقطت منه اربع عشرة شرفة، وخمدت نار فارس، ولم تخمد قبل ذلك بالف عام"

(البدایۃ والنہایۃ، ج۳ ص: ۳۹۵، مکتبہ ھجر جیزہ مصر)

جب حضور اکرم ﷺ کی شب ولادت آئی تو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا اور اس کی فصیلوں پر سے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گرے اور آتشکدہ فارس بجھ گیا، جو پچھلے ایک ہزار سال سے مسلسل جل رہا تھا۔

یہ بطور اختصار چند حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے الوفاء باحوال المصطفی، الخصائص الکبریٰ، البدایۃ والنہایۃ، السیرۃ الحلبیۃ، الطبقات الکبریٰ، زرقانی علی المواہب وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا جائے، یہ نام نہاد اہلِ حدیث رسول ﷺ کی دشمنی میں جن کمالات کو دجال کے گڑھے ہوئے قرار دیتے ہیں، مذکورہ کتب ان حقائق سے گونج رہی ہیں۔

کیا اہلِ حدیث تعظیمِ نبی ﷺ کرتے ہیں؟

ابوزید نے یہ فریب دینے کی کوشش کی کہ اہلِ حدیث کے نزدیک محمد عربی ﷺ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ قابل تعظیم ہیں۔ آیئے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔

اہلِ حدیث کے پیشوا اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

"اولیا، انبیا، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز، اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے"۔

(تقویۃ الایمان، ص:۷۸، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اگر کوئی مسلمان اپنے بڑے بھائی کو گالی دے تو کافر نہیں ہو جاتا ہے، مگر نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے۔

اگر کوئی نماز میں اپنے بڑے بھائی کو سلام کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر نماز میں نبی اکرم ﷺ کو اس طرح سلام کرنا ضروری ہے "السلام علیک ایہا النبی

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" جو نہیں سلام کرے گا وہ ترک واجب کا مرتکب ہوگا۔

اگر کوئی بھائی کی آواز پر آواز بلند کرے اس کے اعمال اکارت نہیں ہوتے، مگر ارشاد ہوا:

"یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط اعمالکم و أنتم لا تشعرون." (سورہ: حجرات، آیت:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، جن سے نبی کے مقام و مرتبہ کی بلندی کا پتا چلتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ آپ محض بڑے بھائی کی طرح نہیں ہیں، بلکہ اس سے بھی بہت ارفع و اعلیٰ ہیں، مگر اہلِ حدیث کو نبی کی تعظیم بھاتی نہیں ورنہ تو بھائی کیا نبی کا مقام تو والد بلکہ تمام مخلوقات سے بھی بلند تر ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"لا یؤمن أحدکم حتیٰ أکون أحب إلیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین".

تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو گا جب تک اپنے ماں باپ، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ رکھے۔

(بخاری کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، حدیث:۱۵، ص ر ۱۳، دار الکوثر)

نبی کی تعریف میں اختصار کرو

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی لکھتا ہے:

جو بشر کی سی تعریف ہو سو وہی کرو، سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔

(تقویۃ الایمان،ص:۹۲،مکتبہ نعیمیہ،مئو)

اہلِ حدیث کو نبی کی تعریف بھی پسند نہیں اولاتو انسان جیسی تعریف کرنے کو کہا پھر اس پر بھی راضی نہیں بلکہ اختصار کا حکم دیتا ہے۔اور رب تعالیٰ فرماتا ہے:

"ورفعنا لك ذكرك" (سورہ:الشرح،آیت:۴)

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا

امام بوصیری فرماتے ہیں:

دع ما ادعته النصارى فى نبيهم   واحكم بما شئت مدحاً فيه واحتكم

نصرانیوں نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا اسے چھوڑ کر جس طرح چاہو حضور ﷺ کی توصیف وثنا کرو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔

انبیا علیہم السلام عام انسانوں کی طرح ہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے محدث حافظ عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے:

دیگر انسان بھولتے ہیں تو نبی کا بھولنا بھی کوئی بعید نہیں، اگر اوروں کو بیماری اور دکھ لگتا ہے تو نبی کو بھی لگتا ہے، اگر اور لوگ کسی معاملہ میں حیران ہو جاتے ہیں اور معاملہ حسب منشا نہیں ہوتا تو نبی کا بھی یہی حال ہے، اسی طرح ولی کو سمجھ لینا چاہیے، جو بات اللہ نے ان کے ہاتھوں پر خرق عادت ظاہر کر دی ہے وہ ان کی کرامت ہوگی، باقی باتوں میں وہ انسانوں کی طرح ہیں۔ (رسالہ سماع موتی،ص:۱۲)

اور یہی بولی اہلِ حدیث کے پیشوا ابن تیمیہ کی ہے، لکھتا ہے:

ملائکہ وانبیا بھی ویسے ہی خدا کے بندے ہیں جیسے کہ تم خود ہو۔

(التوسل والوسیلہ،ص:۲۹۴،مطبوعہ ریاض)

جب کہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لست کاحد منکم" میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں۔

"انی لست مثلکم" میں تمہاری مثل یا مانند نہیں ہوں۔

"انی لست کھیئتکم" میں تمہاری صورت وشکل و ہیئت کی مانند نہیں ہوں۔

(بخاری کتاب الصوم،حدیث:۱۹۶۱،۱۹۶۲،۱۹۶۳،ص/۲۴۲،دارالکوثر قاہرہ مصر)

"ایکم مثلی."

تم میں میری مثل کون ہے؟

(بخاری کتاب الحدود، باب کم التعزیر والادب،حدیث:۶۸۵۱،ص/۸۳۶،دارالکوثر قاہرہ)

نبی کی شان تو بلند ہے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کو رب تعالیٰ نے عام عورتوں کے مقابلے میں بے مثل قرار دیا، ارشاد فرمایا:

"ینساء النبی لستن کاحد من النساء". (سورہ:احزاب،آیت:۳۲)

اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

شارح بخاری علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اعلم أن من تمام الإيمان به ﷺ الإيمان بأن الله تعالىٰ جعل خلق بدنه الشريف على وجه لم يظهر قبله ولا بعده خلق آدمی مثله."

خوب جان لو کہ سرور دو عالم ﷺ پر ایمان کا کمال یہ ہے کہ اس بات پر بھی ایمان لائے کہ اللہ نے سرور دو عالم ﷺ کے بدن شریف کو ایسی صورت پر پیدا کیا کہ ان کے مثل نہ کوئی پہلے پیدا ہوا اور نہ ان کے بعد پیدا ہوگا۔

(مواہب لدنیہ شریف ج ۲،فصل اول فی کمال خلقتہ،ص:۵،دارالکتب العلمیہ بیروت)

ان سب واضح دلائل کے باوجود نام نہاد اہلِ حدیث اپنی کہے جائیں گے کہ نبی عام انسانوں کی طرح ہیں۔ معاذ اللہ

کیا اہلِ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں؟

ابو زید نے کہا کہ لوگ اہلِ حدیث کے عقیدے سے نا آشنا ہیں، اس لیے صاف کہہ دیتے ہیں ''اہلِ حدیث رسول کو نہیں مانتے'' یہاں بھی اپنی نا آشنائی کو دوسروں پر تھوپ دیا،

یہ دیکھیے پیشوائے غیر مقلدین نے کیا لکھا ہے:

''جتنے پیغمبر آئے ہیں سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اس کے سوا کسی کو نہ مانے۔''

(تقویت الایمان، ص:۲۱، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

''میرے سوا کسی کو حاکم و مالک نہ جانیو اور کسی کو میرے سوا نہ مانیو''

(حوالہ سابق، ص:۲۴)

''اللہ کے سوا کسی کو نہ مان'' (حوالہ سابق، ص:۲۵)

''اوروں کو ماننا محض خبط ہے'' (حوالہ سابق، ص: ۱۱)

مسلمانوں کا مذہب تو یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو ماننا ضروری ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر ضروریات دین کو ماننا بھی ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک بھی بات کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

اور ہر اردو زبان والا جانتا ہے کہ ماننا، تسلیم وقبول و اعتقاد کو کہتے ہیں، اسی لیے ایمان کا ترجمہ ''ماننا'' اور کفر کا ترجمہ ''نہ ماننا'' کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اٰمن الرسول بما انزل الیه من ربهٖ والمومنون کل اٰمن باللہِ و ملٰئکتهٖ و کتبهٖ و رسلهٖ''. (سورہ بقرہ، آیت:۲۸۵)

رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے، سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان والوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں سب کو مانا، مگر اہلِ حدیث کا امام کہتا ہے ''اللہ نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانو'' یہاں کسی نئے معنی اور بے جا تاویل کی گنجائش نہیں کہ صریح لفظ میں تاویل مسموع نہیں بلکہ تاویلات کا دروازہ خود اسماعیل دہلوی بند کر گیا، لکھتا ہے:

''اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لیجیے معما اور پہیلی بولنے کی اور بہت جگہ ہیں۔''

(تقویۃ الایمان، ص:۸۲، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

لطف یہ ہے کہ اسی تقویۃ الایمان کے دوسرے حصے تذکیر الاخوان بترجمہ سلطان خان میں ہے:

اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے جو ان کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(تذکیر الاخوان، حصہ دوم، تقویۃ الایمان، الفصل الرابع فی ذکر الصحابہ، ص:۱۰۵)

اس سے واضح ہو گیا کہ جو یہ کہتے ہیں ''اہلِ حدیث رسول کو نہیں مانتے'' ان کا یہ قول من گڑھت یا نا آشنائی کے سبب نہیں ہے بلکہ اہلِ حدیث کا یہ عقیدہ خود ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہے۔

اور خود اسماعیل دہلوی نے بلا کسی تاویل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا انکار کیا ہے، اب اگر کوئی اس حقیقت کو بیان کرے کہ ''اہلِ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے'' تو وہ نا آشنا ہوا کہ ابو زید صاحب نا آشنائی کا شکار ہیں!!

دیگر انبیاے کرام کی شان میں توہین

اب تک امام الانبیاء سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اہلِ حدیث کی گستاخیوں اور بغض وعناد کا تذکرہ تھا، اب ذیل میں دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کے بارے میں اہلِ حدیث کی گستاخیوں کے چند حوالے پیش ہیں:

حضرت زکریا اور ابراہیم علیہما السلام نامرد تھے (نعوذ باللہ)

مولوی عنایت اثری اہلِ حدیث نے لکھا:

''حضرت زکریا اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نامرد تھے''۔

(عیون زمزم، ص:۱۶، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت، ص:۶۷۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں توہین

اہلِ حدیث عنایت اللہ اثری لکھتا ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے پدر ماننا عیسائیت کو تقویت دیتا ہے۔

(عیون زمزم، ص: ۲۴، بحوالہ سابق)

افسوس ہے کہ مریم رضی اللہ عنہا بیچاری کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوا کہ دوسروں کے لیے تو نکاح کے بعد بھی چھ ماہ تک کوئی کرامت قبول نہیں کی گئی اور اس کے لیے نکاح کیے بغیر ہی خلاف شرع کرامتاً بچہ پیدا کرا لیا گیا ہے، کیا خوب ہے۔

(عیون زمزم، ص: ۱۰۴، مکتبۃ الاثریہ گجرات)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا دبے لفظوں میں انکار کرتے ہوئے لکھا:

تکلم فی المہد کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ ایسے شبہات کے موقع پر اپنی شکل وصورت سے بول کر اپنے باپ کا پتہ بتا دے۔

(عیون زمزم، ص:۱۰۵، مکتبۃ الاثریہ گجرات)

اثری نے جابجا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ ہونے کا قول کیا، لکھتا ہے:

باپ بہرحال ضرور تھا...... یہ وہی دلیل ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے بالمقابل پیش فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنے باپ (یوسف) سے مشابہ تھا، لہذا وہ اس کا بیٹا ہے۔

(عیون زمزم، ص:۱۰۵-۱۰۶، مکتبۃ الاثریہ گجرات)

لطف یہ ہے کہ اس کتاب کو اثری صاحب نے مرزائیوں کے پاس بھیجا، مرزائیوں نے اس کتاب کو پسند کیا اور انہیں مبارک بادی دیتے ہوئے مشورہ دیا کہ ہمت کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں بھی ایک ایسی کتاب لکھیں۔

(فرقہ اہلِ حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، ص:۱۲۸)

حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں تنقیص

مولوی رفیق خان پسروری نے لکھا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ نہیں ہیں۔

(اصلاح عقائد، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''و اذقال ربك للملٰئكة اِنی جاعل فی الارض خلیفة.''

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (سورہ: بقرہ، آیت: ۳۰)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک فضیلت کا انکار

تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا تو رب نے جنتی دنبہ بھیجا! مگر اہلِ

حدیث کے پیشوا ثناء اللہ امرتسری کو اس سے بھی انکار ہے، آیت کریمہ "وفدیناہ بذبح عظیم" کی تفسیر میں لکھا:

"ای امرنا بذبح الکبش"

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک دنبہ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ (اربعین)

اسے مولوی عبدالحق غزنوی نے امرتسری کی تفسیر ص ۳۷۶ کے حوالہ سے بیان کیا۔

(وہابی مذہب کی حقیقت، ص: ۶۵۴)

اگر انبیاے کرام کی شان رفیع میں اہلِ حدیث کے گستاخانہ کلام کا تتبع کیا جائے تو اس طرح کی بے شمار مثالیں نظر آئیں گی، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ من وسلوی کا انکار، آپ کے مچھلی والے معجزہ کا انکار، حضرت یوسف علیہ السلام کی گواہی میں چھوٹے بچے کے بولنے والے معجزہ کا انکار، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوجانے والے معجزہ کا انکار وغیرہا۔ شان انبیا علیہم السلام میں تنقیص پر مشتمل دیگر عبارات سے نام نہاد اہلِ حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، جسے یقین نہ ہو پڑھ کر دیکھ لے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہلِ حدیث کے عقائد باطلہ

نام نہاد اہلِ حدیث کا دعویٰ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح عقائد ان کے ہیں، اسی لیے وہ اپنے سوا سب کو مشرک، بدعتی اور گمراہ سمجھتے ہیں۔ ذیل میں علماے اہلِ حدیث کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند عقائد ونظریات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے نام نہاد اہلِ حدیث کی صحیح الاعتقادی طشت از بام ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا نہیں ہے (نعوذ باللہ)

علامہ ابن حجر مکی اہلِ حدیث کے پیشوا ابن تیمیہ کا عقیدہ لکھتے ہیں کہ وہ اس بات کا قائل تھا:

"انه بقدر العرش لا اصغر ولا اکبر."

اللہ تعالیٰ عرش کے برابر ہے، نہ اس سے چھوٹا ہے، نہ بڑا

(فتاویٰ حدیثیہ، ص: ۱۱۶، دار المعرفۃ بیروت)

تمام اہلِ ایمان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، مگر اہلِ حدیث کے ہاں اللہ عرش کے برابر ہے اس سے بڑا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مثل پر قدرت کا دعویٰ

قاضی عبد الاحد خان پوری نے پیشواے اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ امرتسری کا عقیدہ بیان کیا:

''رب تعالیٰ اپنی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔''

(الفیصلۃ الحجازیہ، ص: ۲۳، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت، ص: ۴۹۴)

ایک جگہ لکھا:

''مولوی ثناء اللہ امرتسری اللہ عزوجل کی ہزاروں مثلیں قرار دیتا ہے۔''

(الفیصلۃ الحجازیہ، ص: ۸، بحوالہ سابق)

مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی نہیں، وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لیس کمثله شیئ." (سورہ: شوری، آیت: ۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہمیشہ نہیں (نعوذ باللہ)

تقویت الایمان میں ہے:

"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہیے کر لیجیے، یہ
اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔" (ص:۲۹، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

امام الوہابیہ نے اللہ سبحانہ کے علم کو لازم وضروری نہ مانا اور معاذ اللہ اس کا جہل ممکن مانا کہ غیب کا دریافت کرنا اس کے اختیار میں ہے، چاہے دریافت کر لے چاہے جاہل رہے، یہ کھلا ہوا کفر ہے۔ جب چاہے دریافت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابھی تک دریافت ہوا نہیں۔ (معاذ اللہ)

اللہ تعالیٰ محتاج ہے (نعوذ باللہ)

علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ ابن تیمیہ کا عقیدہ لکھتے ہیں:

"انه مركب، تفتقر ذاته افتقار الكل للجزء."

(فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۱۶، دار المعرفۃ بیروت)

اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہی محتاج ہے جیسے کل جز کا محتاج ہے،
اہلِ حدیث کا امام رب کو محتاج کہہ رہا ہے اور اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ غنی ہے۔

قرآن مقدس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فان الله غني حميد".

بے شک اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔ (سورہ: لقمان، آیت:۱۲)

"والله هو الغني الحميد" اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

(سورہ: فاطر، آیت:۱۵)

اسی طرح قرآن کریم میں جابجا رب کی صفت غنی موجود ہے۔ اور غنی کا معنی یہی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے امام اسماعیل دہلوی نے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کرتے ہوئے کہا:

"پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد۔ الی قولہ۔ والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد"

پس ہم نہیں تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال بالذات ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت رب تعالیٰ کی قدرت سے زائد ہو جائے گی۔

(رسالہ یکروزی فارسی، ص:۱۷، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، ملتان)

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے کہنا عین ایمان ہے"

(اخبار اہلِ حدیث امرتسری، ص ۲/ ۷ ۲ اگست ۱۹۱۵ء)

اور مولوی ثناء اللہ لکھتے ہیں:

"امکانِ کذب باری (تعالیٰ) کفر نہیں ہے۔"

(شمع توحید ملخصا، ص:۱۵، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

تمام ائمۂ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ جھوٹ سے پاک ہے، شرح مقاصد میں ہے:

"الكذب محال باجماع العلماء لان الكذب نقص باتفاق العقلاء وهو على الله تعالىٰ محال"

(شرح مقاصد، ج۲، ص:۱۰۴، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱۵، ص:۳۲۳، پوربندر)

یعنی جھوٹ باجماع علما محال ہے کہ وہ باتفاق عقلا عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

اگر دلائل نہ بھی ہوتے تو بندے کا ایمان خود فیصلہ کرتا ہے کہ میرا خدا عیبی نہیں ہوسکتا ہے، مگر اہلِ حدیث کو اپنے خدا میں بھی عیب نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وزن سے کرسی چر چر کرتی ہے (نعوذ باللہ)

وحید الزماں نے اپنے ترجمہ قرآن میں آیۃ کریمہ "وسع کرسیه السمٰوت والارض" کے حاشیہ پر ذات باری تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے:

"جب وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو چار انگل بھی بڑی نہیں رہتی ہے اور اس کے بوجھ سے چر چر کرتی ہے۔"

(قرآن مجید مترجم، مولوی وحید الزماں، ص:۶۰، بحوالہ فرقہ اہل حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ)

یہ قول بھی مخالف قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک اور ہر شئی کو محیط ہے، اسے کوئی چیز گھیر نہیں سکتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الا انه بکل شئی محیط."

سنو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔ (سورہ: حٰم سجدہ، آیت: ۵۴)

اللہ تعالیٰ کے اعضا ہیں (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث مولوی وحید الزماں حیدر آبادی نے لکھا ہے:

"وله (تعالیٰ) وجه و عین و ید و کف و قبضة و أصابع و ساعد و ذراع و صدر و جنب و حقو و قدم و رجل و ساق و کنف کما تلیق بذاته المقدسة."

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص:۹، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی ذات مقدس کے لائق یہ اعضا ثابت ہیں: چہرہ، آنکھ،

ہاتھ، مٹھی، کلائی، درمیانی انگلی کے وسط سے کہنی تک کا حصہ، سینہ، پہلو، کوکھ، پاؤں، ٹانگ، پنڈلی، دونوں بازو۔

اہلِ سنّت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عز وجل جسم سے پاک ہے۔ اس لیے کہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے، اور ہر مرکب حادث ہے کیونکہ مرکب پر ان اجزا کا تقدم ضروری ہے جن سے وہ مرکب ہوتا ہے، اور اللہ عز وجل کو حادث ماننا کفر ہے، یوں ہی ایسا قول کرنا جس سے اس کا حادث ہونا لازم آئے کفر ہے، اس لیے کہ حادث کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے موجود نہیں تھا معدوم تھا پھر موجود ہوا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت (نعوذ باللہ)

نواب وحید الزماں لکھتے ہیں:

"وله صورة فی احسن الصور."

اللہ کے لیے شکل وصورت ہے تمام صورتوں میں سب سے اچھی۔

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص:۷، نزل الابرار، جلد ۱، ص:۳، سعید المطابع، بنارس)

ایک جگہ لکھتا ہے:

"و یظهر فی ای صورة شاء".

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص:۹، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اللہ تعالیٰ جس صورت میں چاہے ظہور فرماتا ہے۔

یہ تو اہلِ حدیث کا عقیدہ ہے اور قرآن کا فرمان یہ ہے:

"لیس کمثله شیٔ" (سورہ: شوریٰ، آیت: ۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں۔

جب ارشاد ہو چکا کہ اس جیسا کوئی نہیں پھر اس کے لیے صورت کا قول سراسر مخالف قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مکان (نعوذ باللہ)

نواب وحید الزماں لکھتے ہیں:

”و مکانه العرش ،و قول المتکلمین انه لیس فی جهة و لا مکان باطل بالشرع و العقل اذکل موجود یبغی مکانا“

(ہدیۃ المہدی، ج:۱،ص:۹،نزل الابرار، ج:۱،ص:۳،سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا مکان عرش ہے، متکلمین کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور مکان میں نہیں رہتا ہے ازروئے عقل وشرع باطل ہے کیونکہ ہر موجود مکان چاہتا ہے۔

نزل الابرار میں ہے:

”وهو فی جهة الفوق و مکانه العرش“

وہ (اللہ) اوپر کی جہت میں ہے اوراس مکان عرش ہے۔

(نزل الابرار، ج:۱،ص:۳،سعید المطابع، بنارس)

اور اسماعیل دہلوی نے لکھا:

”تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات (الی قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقہ است۔“

(ایضاح الحق،ص:۳۵،بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱۵،ص:۱۷۹، پوربندر)

یعنی اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان اور جہت سے پاک قرار دینا، اس کا دیدار بلا جہت و کیف ثابت کرنا وغیرہ یہ سب امور بدعت حقیقی ہیں۔

امام محمد بن بدرالدین بن بلبان دمشقی حنبلی فرماتے ہیں:

”فمن اعتقد او قال ان الله بذاته فی کل مکان اوفی مکان فکافر“

جس کا عقیدہ یا قول ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مکان یا کسی مکان میں موجود ہے تو وہ کافر ہے۔ (مختصر الافادات،ص:۴۸۹،بحوالہ عقائد علمائے اہلِ حدیث)

شیخ محمود محمد خطاب سبکی فرماتے ہیں:

”وقد قال جمع من السلف والخلف :ان من اعتقدان الله تعالیٰ فی جهة فهو کافر“

تمام سلف وخلف کا قول ہے کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں ہے وہ کافر ہے۔ (اتحاف الکائنات،ص:۸،سن طباعت ۱۳۹۴ھ)

پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنا کفر ہے، کیوں کہ مکان محیط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات محدود نہیں اس کی کوئی حد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”الا انه بکل شیئ محیط.“ (سورہ حٰم سجدہ،آیت:۵۴۔۲۴)

سنو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

جب قرآن پاک سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز گھیر نہیں سکتی تو پھر اس کے لیے مکان کا قول کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔

شاہ عبدالعزیز تحفہ اثناعشریہ میں فرماتے ہیں:

عقیدہ سیزدہم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی مکان نہیں ہے نہ اس کے لیے کوئی جہت تحت وفوق سے متصور ہے، چنانچہ یہی مذہب اہلِ سنّت اور جماعت کا ہے۔

(تحفہ اثناعشریہ، باب پنجم ص:۱۷۲، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دھلی)

کیا اہلِ سنّت تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غلو کرتے ہیں؟

ابوزید نے شاید اہلِ سنّت پر الزام تراشی کرتے ہوئے لکھا:

جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنی شان بتائی وہیں اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ ہم آپ کی تعظیم میں غلو سے بچیں اور آپ کی تعظیم میں

نصاریٰ کی طرح حدیں پار نہ کر جائیں......انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف بیان کرنے میں اتنا غلو کیا کہ اللہ کی ذات وصفات میں انہیں اللہ کا شریک بنادیا......اہلِ حدیث ہمیشہ سے اس چور دروازے کی نگرانی کرتے رہے ہیں جہاں سے شیطان کے آنے کا امکان ہے اور ہمیشہ رہے گا تا کہ وہ امت کو غلو کی اس بیماری سے بچا سکیں جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے۔ (ص ۲۰۔۲۱)

نام نہاد اہلِ حدیث صرف اپنے آپ کو اہل توحید سمجھتے ہیں اور باقی اہل ایمان ان کی نظر میں مشرک ہیں، اسی خودساختہ توحید کے نشے میں انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے مقام ومنصب نبوت کا بھی پاس ولحاظ نہ رکھا اور چوہڑے چمار، گنوار، ناکارہ، عیب دار، بے اختیار اور جو منھ میں آیا بک دیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس طرح کی گندی ذہنیت کا رد کرنے والے اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت بیان کرنے والے انہیں مشرک اور ان کے کام شرک نظر آتے ہیں۔

ابوزید نے کنایۃً اہلِ سنّت کو غلو کرنے والا قرار دیا اور بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ عیسائیوں کی مثال پیش کی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حدیں پار کردیں اور انہیں معبود کا درجہ دے دیا۔ نام نہاد اہلِ حدیث کے نزدیک اہلِ سنّت کے تعظیم نبی ﷺ پر مشتمل کئی معمولات شرک ہیں، اس کی ترجمانی کرتے ہوئے ابوزید نے اہلِ سنّت کا موازنہ عیسائیوں کے شرک سے کیا، مقام افسوس ہے کہ کہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود کا درجہ دینے والے عیسائی اور کہاں عاشقان مصطفیٰ جان رحمت ﷺ؟ دونوں میں آسمان اور زمین کا بعد ہے مگر کیا کرتے انہیں یہ تعظیم نبی ﷺ بھاتی نہیں تو شرک کی گن لے کر اہل ایمان کو نشانہ بنانے پر مجبور ہیں۔ اگر ضمیر میں شمہ برابر عدل و انصاف موجود ہے تو وہ دکھائیں کیا اہلِ سنّت و جماعت رسول اکرم ﷺ کی شان میں غلو

کرتے ہیں اور انہیں معبود کا درجہ دیتے ہیں، کیا وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں غیب نبی کا اثبات، اختیارات رسول اکرم ﷺ، نورانیت مصطفی ﷺ، توسل واستغاثہ بالصالحین، ندائے یارسول اللہ ﷺ، میلادالنبی ﷺ پر اظہار مسرت، عقیدہ حاضر وناظر، عقیدہ حیات النبی ﷺ اور روضہ اطہر نبی اکرم ﷺ کے لیے سفر یہ سب امور اگر ان کی نظر میں شرک اور تعظیم میں غلو کے درجے میں ہیں، تو اس طرح کا فاسد اعتقاد اور ایسی توحید اہلِ حدیث ہی کو مبارک ہو۔ ہمارے لیے ان اُمور کے اثبات میں قرآن وسنت اور سلف صالحین کا ستھرا نکھرا عقیدہ کافی ہے۔

اہلِ حدیث چوردروازے کی نگرانی کیا کریں گے! اسی چور دروازے سے تو شیطان نے ان کا ایمان غارت کیا، اور نبی برحق ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہن بنایا اور رسول اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات بیان کرنے والوں کو شیطان نے ان کی نگاہوں میں چور بنا کر پیش کیا ہے، اور یہ مسرور ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ثابت شدہ فضائل وکمالات پر انگشت نمائی کرکے چوردروازے کی نگرانی کررہے ہیں۔ یہ تو پردہ ہٹنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ جسے حفاظتِ ایمان سمجھ رہے تھے، وہ تو انھیں کی بے ایمانی کا سامان تھا بمصداق آیت کریمہ:

"الذین ضل سعیهم فی الحیوة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا" (سورہ: کہف، آیت: ۱۰۴)

جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔ ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق درشب دیجور

صبح کے وقت تجھے روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تاریک رات میں تو نے کس کے ساتھ عشق بازی کی ہے۔

نورانیت مصطفی ﷺ

ابوزید نے کہا:

> بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ نور سے بنے ہیں ان حضرات کی دلیل یہ قرآنی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین''۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ چکا ہے اور ایک کھلی کتاب بھی۔

آگے لکھا:

> لیکن کیا نبی تخلیق کے اعتبار سے نور ہیں یا پھر آپ تبیین یعنی اندھیرے میں چھپے حق کو سامنے لانے کے اعتبار سے نور ہیں؟
> مفسرین نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔
> ابن جریر الطبری فرماتے ہیں:
> ''یعنی بالنور محمداً ﷺ الذی انار اللہ به الحق، واظهر به الاسلام و محق به الشرك فهو نور لمن استنار به، یبین الحق، ومن انارته الحق تبیینه للیهود کثیرا مما کانوا یخفون من الکتاب''
> (تفسیر طبری سورہ مائدہ، ج ۸، ص: ۲۶۴، مکتبہ ھجر جیزہ مصر)
> یہاں نور سے مراد نبی ﷺ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر کیا۔ اسلام کو غالب کر دیا اور شرک کو مٹا دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ

> اس شخص کی لیے نور ہیں جو آپ سے روشنی حاصل کرے۔ اور آپ ﷺ کے حق کو روشن کرنے ہی میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بہت سے ان چیزوں کی تبیین کر دی جنہیں یہودی لوگوں سے چھپا دیا کرتے تھے۔ (ص: ۲۲-۲۳)

اس نام نہاد اہلِ حدیث کی عبارت کا حاصل دو باتیں ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ کا نور ہونا بعض حضرات کا عقیدہ ہے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ تخلیق کے اعتبار سے نور نہیں ہیں بلکہ حق کو اجاگر کرنے کی وجہ سے نور کہا گیا ہے۔

آئیے! ان دونوں باتوں کا جائزہ لیا جائے۔

کیا نورانیت مصطفی ﷺ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے؟

یہ ابوزید کا فریب ہے کہ نبی ﷺ کا نور ہونا صرف بعض حضرات کا عقیدہ ہے۔ اس پر طول طولانی گفتگو سے بہتر ہے کہ آیت نور ''قد جاء کم من اللہ نور'' میں نور سے میرے آقا ﷺ مراد ہیں، اس کے بارے میں مفسرین کی تشریحات پیش کر دی جائیں تا کہ ایک منصف کو اس حقیقت کے ادراک میں کوئی شبہ نہ رہ جائے کہ یہ عقیدہ محض بعض حضرات کا نہیں بلکہ جمہور مفسرین و ائمہ کرام و محدثین عظام رحمہم اللہ بلکہ خود نام نہاد اہلِ حدیث بھی نورانیت مصطفیٰ ﷺ کے قائل ہیں۔

(۱) صحابیِ رسول مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''قد جاء کم من اللہ نور یعنی محمدا''

یعنی بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ

(تفسیر ابن عباس، ص: ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیرِ صحابی کا مقام

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ صحابی کی تفسیر کا کیا مقام ہے! اس کے بارے میں اہلِ حدیث مولوی عبدالغفور اثری لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی آیت کی تفسیر قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے ..... یہ امر بالکل بعید ہے کہ وہ بغیر رسول اللہ ﷺ سے سنے اور سیکھے کسی آیت کی تفسیر میں اپنے عقلی گھوڑے دوڑائیں۔ کیونکہ مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی طرف سے عقلی طور پر کچھ کہنا دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنانا ہے۔“

(ندائے یا محمد ﷺ کی تحقیق، ص: ۳۳، ادارہ تبلیغ الاسلام اہل حدیث، پاکستان)

امام اسمٰعیل بن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

”تفسیر الصحابی فی حکم المرفوع عند کثیر من العلماء“

یعنی اکثر علما کے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:۹، ص: ۲۴۴، مکتبہ: ھجر، جیزہ، مصر)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ امام حاکم کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”تفسیر الصحابی مرفوع.“

صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

(تدریب الراوی، ص: ۲۸۸، دارالعاصمہ، ریاض)

جب صحابی کی تفسیر کا پایہ اتنا بلند ہے تو رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس کا

نور کی تفسیر میں محمد ﷺ فرمانا نورانیت مصطفی ﷺ کا کتنا واضح ثبوت ہے!

(۲) تفسیر سراج منیر میں امام محمد شربینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”قد جاء کم من الله نور هو محمد عليه الصلوة والسلام.“

بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور، وہ محمد علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ (تفسیر السراج المنیر، ج ۱/ ص: ۲۴۴، مکتبہ بولاق، الامیریہ، مصر)

مشہور اہلِ حدیث محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے تفسیر سراج منیر کا حوالہ اپنی کتاب ”سراجا منیرا“ میں درج کیا ہے۔ (سراجا منیرا، ص/ ۵۶)

(۳) تفسیر روح المعانی میں امام محمود آلوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”قد جاءكم من الله نور عظيم وهو نور الانوار والنبی المختار ﷺ“

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک عظیم نور آیا اور وہ نور الانوار نبی مختار ﷺ ہیں۔

(روح المعانی، ج/ ۲، ص/ ۹۷، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) تفسیر صاوی میں امام احمد صاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”قد جاء کم من الله نور هو نبی ﷺ وسمی نورا لانه ینور البصائر و یهدیها للارشاد ولانه اصل کل نور حسی و معنوی.“

نور سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں۔ آپ کا اسم شریف نور اس لیے رکھا گیا کہ آپ دلوں کو نور بصیرت بخشتے اور انہیں ارشاد فرما کر ہدایت دیتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل اور بنیاد ہیں۔

(تفسیر صاوی، ج/ ۱، بحوالہ نورانیت محمدی پر قرآن وحدیث سے ثبوت)

(۵) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قیل المراد بالاول هو الرسول ﷺ و بالثانی القرآن"

مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

(روح البیان، ج/۲، ص/۳۶۹، مطبعہ عثمانیہ حیدرآباد)

(۶) امام کبیر علامہ جعفر محمد بن جریر الطبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"قد جاء کم من الله نور یعنی بالنور محمدا ﷺ"

یعنی تحقیق کہ آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ۔

(تفسیر ابن جریر، سورہ توبہ، ج/۸، ص/۲۶۴، دارھجر، جیزہ، مصر)

(۷) امام ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی فرماتے ہیں:

"و قیل یرید بالنور محمدا صلی الله علیه و سلم"

ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

(تفسیر بیضاوی، ج/۲، ص/۱۲۰، داراحیاء التراث العربی)

(۸) علامہ علی ابن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قد جاء کم من الله نور یعنی محمدا"

تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ آئے۔

(تفسیر خازن، ج/۲، ص: ۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۹) امام عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"او النور محمد علیه السلام"

یعنی یا نور محمد ﷺ ہیں۔ (تفسیر مدارک، ج۱، ص: ۴۳۶، دارالکلم الطیب بیروت)

(۱۰) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"ان المراد بالنور محمد و بالکتب القرآن"

نور سے مراد محمد ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

(تفسیر کبیر ج۱۱ ص: ۳۲۷، داراحیاء التراث العربی)

(۱۱) حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قد جاء کم من الله نور هو النبی ﷺ"

تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا، اور وہ نور نبی ﷺ ہیں۔

(تفسیر جلالین ج۱ ص۱۳۹، دارالحدیث قاھرہ)

(۱۲) تفسیر معالم التنزیل میں امام ابو محمد الحسین الفراء البغوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"قد جاء کم من الله نور یعنی محمدا صلی الله علیه و سلم"

بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ

(تفسیر معالم التنزیل، ج۳، سورہ توبہ، ص: ۳۳، دارطیبہ ریاض)

(۱۳) تفسیر حسینی میں علامہ معین الدین واعظ کاشفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"گفتہ اند نور حضرت رسالت پناہ ﷺ است و کتاب مبین قرآن است۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نور حضرت رسالت پناہ ہیں اور کتاب مبین قرآن پاک ہے۔ (تفسیر حسینی مترجم، ج۱، ص: ۲۱۷، مطبع نول کشور)

(۱۴) تفسیر ابو سعود میں امام ابو سعود علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"قیل المراد بالاول هو الرسول ﷺ و بالثانی القرآن"

مفسرین نے کہا ہے کہ اول (نور) سے مراد محمد ﷺ ہیں اور دوم (کتاب) سے مراد قرآن مجید ہے۔ (تفسیر ابی السعود، ج: ۳، ص: ۱۸، داراحیاء التراث العربی)

مندرجہ ذیل کتب اسلاف میں بھی نور کی تشریح محمد ﷺ سے کی گئی ہے۔

تفسیر ابن جریر ج/۶ ص/ ۹۲، تفسیر مظہری ج ۳ ص ۶۷، کتاب الشفاء ج۱، ص ۱۷، شرح شفا ملّا علی قاری ج ۱، ص ۵۰۵، شرح شفا خفاجی ج ۲، ص ۸۴۴، جواہر البحار، ج۱، ص ۱۳، الحدیقۃ الندیہ ج۱، ص ۵۴، مدارج النبوۃ ج۱، ص ۲۶۳، تفسیر قرطبی ج ۳، ص ۶۳، تفسیر ملائی ج ۲، ص ۸۰، تفسیر جامع البیان ج۱، ص ۲۵۱۔

تفاسیر مذکورہ اہلِ حدیث کے ہاں معتبر ہیں

ابو زید یہ کہہ کر دامن نہیں چھڑا سکتے کہ ہم ان سب تفاسیر کو معتبر نہیں مانتے کیونکہ علمائے اہلِ حدیث نے ان کے معتبر ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اہلِ حدیث کے امام العصر مولوی میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

> ''جملہ تفاسیر معتبرہ کیا معقولی اور کیا منقولی مثل تفسیر کبیر و تفسیر معالم و جلالین و تفسیر فیضی و رحمانی و فتح البیان و جامع البیان و مدارک و سراج منیر و خازن و کشاف و تفسیر ابی السعود و عباسی و بیضاوی و تفسیر ابن کثیر میں ''و مطهرك من الذين كفروا'' کے معنی کفار کے ہاتھ سے خلاصی اور نجات لکھتے ہیں۔''

(شہادۃ القرآن، ص/ ۱۹۴، نعمانی کتب خانہ، لاہور)

آیت نور اور علمائے اہلِ حدیث

ابو زید نے نورانیت مصطفی ﷺ کو بعض حضرات کا عقیدہ کہہ کر فریب دینا چاہا تھا، اس فریب کا پردہ چاک ہو گیا کہ یہ عقیدہ صرف بعض حضرات کا نہیں بلکہ سارے مفسرین و ائمہ کرام بیک زبان اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے نظر آرہے ہیں، یہ تو تفاسیر کا ذکر تھا، اب ذرا خود ان کے گھر کی شہادتیں بھی پیش کر دیں تاکہ ناطقہ بند ہو جائے:

(۱) تفسیر ثنائی میں اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''تمہارے پاس اللہ کا نور محمد اور روشن کتاب قرآن شریف آئی''

(تفسیر ثنائی، ج:۱، ص: ۳۵۲، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

(۲) قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

> ''قدجاء كم من الله نور و كتاب مبين قال الزجاج النور محمد ﷺ''

بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب، زجاج نے فرمایا ہے کہ نور سے مراد محمد ہیں۔

(تفسیر فتح القدیر، ج ۲، ص: ۲۸، سورہ: مائدہ، آیت: ۱۵، مطبوعہ دار ابن کثیر، قاہرہ)

(۳) نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی یہی تفسیر کی۔

(تفسیر فتح البیان، ج: ۳، ص: ۳۸۷، مکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(۴) قاضی سلیمان منصوری نے شرح اسماء الحسنی میں لکھا:

> ''قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين''

اس آیت میں وجود باجود نبی کریم ﷺ کو نور بتلایا گیا ہے۔

(شرح اسماء الحسنیٰ، ص: ۱۵۴، ادارہ اسلامیہ، لاہور)

اللہ نور ہے اور اس نے اپنے رسول کو نور بنا کر بھیجا۔

(ایضاً ص: ۱۵۶، ادارہ اسلامیہ، لاہور)

ابو زید جس کو بعض کا عقیدہ کہہ رہے تھے وہ تو ان کے گھر کا عقیدہ نکلا۔ امت کے بے شمار مفسرین، محدثین، فقہا بلکہ خود نام نہاد اہلِ حدیث کی تصریحات کے باوجود اسے بعض لوگوں کا عقیدہ قرار دینا سراسر فریب اور فراڈ نہیں تو پھر کیا ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق کے اعتبار سے نور نہیں ہیں؟

ابوزید نے دوسرا فریب یہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق کے اعتبار سے نور نہیں ہیں، بلکہ چھپے ہوئے حق کو ظاہر کرنے کی وجہ سے آپ کو نور کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر کیا اور شرک کو مٹا کر اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، مگر اس سے نور ذات کی نفی کیسے سمجھ لی گئی؟ ہم اہلِ سنّت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور کی ذات بھی نور ہے اور آپ نور ہدایت بھی ہیں، اس طرح ہم اہلِ سنّت و جماعت ان کثیر تفاسیر کو بھی مانتے ہیں، جن میں نور ذات سے تفسیر کی گئی اور ان بعض تفاسیر کو بھی مانتے ہیں، جن میں نور ہدایت کو ذکر کیا گیا، نام نہاد اہلِ حدیث نور ہدایت والی تفسیر تو مانتے ہیں مگر نور ذات والی تفاسیر کا انکار کرتے ہیں۔

اور ابھی جن کثیر مفسرین کے حوالے سے گزرا کہ انہوں نے نور کی تفسیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی ہے، اب اہل عقل خود فیصلہ کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات ہیں کہ ہدایت؟ یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات ہیں تو ذات ہی کو نور کہا گیا ہے اگرچہ آپ ہدایت کے بھی نور ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو نور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، وہ نور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے تھا''۔

''ان نور محمد ﷺ کان فی جبھۃ اٰدم''

(تفسیر کبیر سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳، ج ۲ ص ۵۲۱، دار احیاء التراث العربی)

ضمیر صاحب! کیا یہاں بھی نور سے مراد اندھیرے میں چھپے حق کو سامنے لانے

کے اعتبار سے نور مراد ہے؟ کیا فریب دہی کے لیے حق کو اندھیرے میں چھپانے کی قسم کھا کر لکھنے بیٹھے ہیں۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت فرماتے ہیں:

''اول ما خلق اللہ نوری، و من نوری خلق جمیع الکائنات.''

یعنی سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا اور پھر میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا کیا۔ (المیلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص: ۲۴، بحوالہ نورانیت محمدی پر قرآن وحدیث سے ثبوت)

امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابن سبع کا قول نقل فرماتے ہیں:

''قال ابن سبع من خصائصه ان ظله کان لا یقع علی الارض و انه کان نورا.''

(خصائص کبری، ج ۱ ص ۱۱۶، دار الکتب العلمیہ)

امام ابن سبع نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ نور ہیں۔

ضمیر صاحب کیا زمین پر سایہ نہ پڑنا بھی حق کو ظاہر کرنے کے سبب سے ہے؟ جواب کے لیے انصاف شرط ہے!!

عارف باللہ سید عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں:

''قد خلق کل شئی من نوره ﷺ کما ورد به الحدیث الصحیح.''

یعنی بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ (الحدیقۃ الندیۃ ج: ۲، ص: ۳۷۵، بحوالہ سابق)

ضمیر صاحب! خلق کل شئی کو غور سے دیکھیے گا نہیں تو یہاں بھی الٹا ہی سمجھ میں آئے گا کہ مقام عظمت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ایسے مقامات پر اہلِ حدیث کی عقل ٹھیک سے

کام نہیں کرتی ہے کیونکہ انہیں عظمت نبی ﷺ سے چڑ ہے۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں کپڑا سل رہی تھی، میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی، میں نے بہت تلاش کیا مگر سوئی نہ ملی۔

"فدخل رسول الله ﷺ فتبينت الابرة بشعاع نور وجهه."

یعنی اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور آپ کے چہرے انور سے اس قدر اُجالا پھیلا کہ گمشدہ سوئی ظاہر ہوگئی۔

(خصائص الکبریٰ ج:۱ص:۱۰۷، دارالکتب العلمیہ، دلائل النبوۃ، ج۱ص ۱۱۳، دارطیبہ، ریاض)

کہیے ضمیر صاحب! سوئی ملنے کے لیے اجالا چاہیے یا حق کا ظہور ہونے سے سوئی ملتی ہے؟

کنزل العمال کی یہ حدیث تو پڑھی ہوگی! حضور اکرم ﷺ نے اپنا دست نور حضرت اسید ابن ابی ایاس کے چہرے اور سینہ پر پھیرا تو ان کا چہرہ اس قدر روشن ہوگیا کہ اندھیرے گھر میں داخل ہوتے تو وہ گھر روشن ہوجاتا تھا۔

(کنزالعمال: ج ۱۳، ص ۲۸۲، مؤسسۃ الرسالۃ خصائص الکبریٰ ج ۲، ص ۱۴۲، دارالکتب العلمیہ)

آپ اگر عقل سے کچھ مس رکھتے تو جان گئے ہوں گے کہ گھر نور ذات سے روشن ہوتا ہے۔

وقتِ ولادت نور کا ظہور

وقت ولادت بھی نبی اکرم ﷺ کے نور کا ظہور ہوا، اس مضمون کی روایات سے سلف صالحین کی کتب مالا مال ہیں۔ مثلاً:

"عن العرباض بن سارية، عن رسول الله ﷺ انه قال: انى عند الله مكتوب خاتم النبين، وان آدم لمجندل فى طينه، وسا خبركم باول امرى: دعوة ابراهيم، و بشارة

عيسىٰ، و رؤ يا أمي التي رأت حين وضعتني و قد خرج لها نور أضاءت لها منه قصور الشام"

"جناب عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبین لکھا ہوا ہوں۔ جب کہ آدم علیہ السلام اپنی گوندھی ہوئی مٹی میں تھے، اور میں تم کو بتاؤں کہ میرا پہلا امر (یعنی میری نبوت کا پہلا اظہار) جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی، اور پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت، اور پھر میری ماں کا خواب جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا، کہ ان میں سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات ان کو نظر آئے۔"

(شرح السنۃ للبغوی، باب فضائل سید المرسلین والآخرین، ج ۱۳، ص ر ۲۰۷، حدیث: ۳۶۲۶، مطبوعہ: المکتب الاسلامی بیروت)

اس کے علاوہ یہ حدیث الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

مسند احمد ابن حنبل، حدیث: ۱۷۱۵۱، دلائل النبوۃ، حدیث ۷۹، صحیح ابن حبان، حدیث: ۶۴۰۴، مشکاۃ المصابیح، حدیث ۵۷۵۹، مستدرک علی الصحیحین، حدیث ۳۵۶۶۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا، علامہ ذھبی نے اپنی تلخیص میں اس کی صحت پر جزم کیا اور امام ہیثمی نے مسند احمد ابن حنبل کی سند کو رجالہ رجال الصحیح کہہ کر اس کی صحت کا قول کیا ہے۔

سعودیہ کے اشاعتی ادارہ دارالسلام سے المصباح المنیر فی تهذیب تفسیر ابن کثیر شائع ہوئی، جس کے بارے میں اعتراف کیا گیا ہے کہ یہ جدید ترجمہ بالکل صحیح

احادیث کی روشنی میں شائع کیا جا رہا ہے، اس میں نور کے مضمون والی حدیث مسند احمد، ج۵، ص ۲۶۲ کے حوالے سے ہے:

میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان سے روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ (ج۱، ص:۳۲۶، بحوالہ نورانیت محمدی پر قرآن وحدیث سے ثبوت)

اور اہلِ حدیث مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے اسے لکھا:

حضرت آمنہ نے دیکھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا جس سے میں نے شام کے شہر بصریٰ کے محلات دیکھ لیے۔

(سیرۃ المصطفیٰ، ج۱، ص:۱۱۵، بحوالہ سابق)

اس نور والے مضمون کی حدیث مختلف الفاظ میں درج ذیل کتب میں بھی ہے:

مواہب لدنیہ ۱/ ۲۲۔ خصائص الکبریٰ ۱/ ۱۱۵

البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۶۔ مجمع الزوائد ۸/ ۲۲۳

دارمی شریف ۱/ ۷۔ تفسیر ابن کثیر ۴/ ۳۶۰

مسند امام احمد ۴/ ۱۲۷۔ صحیح ابن حبان ۹/ ۱۱۹

مستدرک ۲/ ۶۰۰۔ الطبقات الکبریٰ ۱/ ۱۱۹

دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۲۹۵۔ شرح السنۃ للبغوی ۱۳/ ۱۰۷

یہ بطور نمونہ چند حوالے ہیں، دیگر ائمہ نے بھی اسے روایت کیا ہے، جنہیں طوالت کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔

ابوزید! اگر آیت کریمہ میں نور سے مراد نور ہدایت ہے تو نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت جو نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے، کیا وہ بھی نور ہدایت تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ نور حسی تھا۔

حدیثِ نور کے اُجالے میں نورانیتِ سرکار علیہ السلام

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ کی نور سے تخلیق کا واشگاف بیان ہے:

"روی عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله قال: قلت يا رسول الله ﷺ ! بابي انت و امي اخبرني عن اول شئ خلقه الله تعالىٰ قبل الاشياء قال: ياجابر: ان الله تعالىٰ قد خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله ....(الی آخر الحدیث)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: میرے ماں، باپ آپ پر فدا ہوں! مجھ کو خبر دیجیے کہ سب اشیا سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا (تخلیق) کی؟ آپ نے فرمایا: ''اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا کیا، پھر وہ نور قدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ بہشت تھی نہ دوزخ اور نہ انسان تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔

پہلے جز سے قلم پیدا کیا۔ دوسرے جز سے لوح پیدا کی۔ تیسرے جز سے عرش پیدا کیا۔ پھر چوتھے جز کو چار اجزا میں تقسیم کیا۔ پہلے جز سے سات آسمان پیدا کیے، دوسرے جز سے سات زمینوں کو پیدا کیا تیسرے جز سے جنت و دوزخ کو پیدا کیا۔ پھر چوتھے جز کو چار اجزا میں تقسیم کیا۔ پہلے جز سے مومنوں کے ابصار کے نور کو پیدا کیا، دوسرے جز سے مومنوں کے دلوں کے نور کو پیدا کیا کہ وہ نور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور تیسرے جز سے

مومنوں کے انس کو پیدا کیا کہ وہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس حدیث کی تخریج کرنے والے امام عبدالرزاق کی جلالت شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین کے پیشوا امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قال احمد بن صالح المصری :قلت لا حمد بن حنبل ارأيت احدااحسن حديثامن عبد الرزاق؟ قال: لا ."

(تہذیب التہذیب ج۶، ص۳۱۱، دائرۃ المعارف النظامیہ)

احمد بن صالح مصری کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے پوچھا: کیا آپ نے حدیث پاک کے سلسلہ میں کوئی شخص امام عبدالرزاق سے بہتر دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے ان سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔

اور یہ عبد الرزاق امام بخاری ومسلم کے دادا استاذ ہیں، انہوں نے مصنف عبدالرزاق، باب فی تخلیق نور محمد ﷺ، الجزء المفقودمن الجزء الاول مطبوعة مؤسسة الشرف لاهور، حدیث نمبر ۱۸ صفحہ ۶۳" پر حدیث جابر لکھی جس کی سند یہ ہے:

"عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال :سالت رسول الله ﷺ عن اول شئی خلقه الله تعالیٰ؟ فقال:هو نور نبيك ياجابر خلقه الله.......الخ

یہی حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے:

(۲) حضرت علامہ زرقانی "شرح مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۴۱"۔

(۳) امام قسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں

(۴) علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "انوار محمدیہ صفحہ ۱۳"

(۵) اور جواہر البحار جلد ثالث صفحہ ۲۹۲

(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوت"

(۷) علامہ فہامہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی نے "سیرت حلبی صفحہ ۳۷" میں

(۸) فاضل اجل ملا معین کاشفی نے "معارج النبوۃ رکن اول صفحہ ۱۸۷" میں

(۹) خاتم المحدثین شیخ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی نے "فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۴۷"

(۱۰) علامہ عمر بن احمد خرپوتی نے "شرح قصیدہ بردہ ص ۷۳"

(۱۱) امام ہمام محی الدین محمد بن مصطفی المعروف شیخ زادہ نے "شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۹۸"

(۱۲) امام محمد مہدی بن احمد فاسی نے "مطالع المسرات صفحہ ۲۱۰"

(۱۳) امام نیشاپوری نے "تفسیر نیشاپوری جلد ۸، صفحہ ۵۵" وانا اول المسلمین کے تحت

(۱۴) علامہ آلوسی نے "روح المعانی ج ۷، ص ۱۰۵"

(۱۵) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۱۲۲

(۱۶) مفسر قرآن امام ابن جریر" تفسیر ابن جریر"

(۱۷) علامہ عنایت احمد کاکوروی "تاریخ حبیب الٰہ ص ۲۹"

(۱۸) مفسر قرآن امام بیضاوی نے "بیضاوی شریف"

(۱۹) تفسیر عرائس البیان شیخ اکبر۔

یہ صرف چند نمونے نقل کیے گئے ہیں، ورنہ اس حدیث کو بیان کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس ارشاد رسول ﷺ میں تخلیق نور محمدی ﷺ کا روشن بیان موجود ہے۔ اور بے شمار محدثین عظام رحمہم اللہ اس کی روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر بھی قولِ رسول ﷺ کے بالمقابل ابوزید اپنا الگ راگ الاپ کر کیا مخالفت حدیث کے مجرم نہیں ہوئے؟؟

غیر مقلدین جواب سے عاجز رہ جائیں تو آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ حدیث ضعیف

ہے، لہٰذا حدیث کی صحت پر دو شاہد عادل ملاحظہ کریں:

(١) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ''اول ما خلق اللہ نوری''

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ (مدارج النبوۃ، مترجم، ج/٢، ص/١، ادبی دنیا، دہلی)

(٢) امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''قد خلق کل شیء من نورہ ﷺ کما ورد بہ الحدیث الصحیح.''

بے شک ہر چیز حضور ﷺ کے نور سے بنائی گئی جیسا کہ صحیح حدیث اس بارے میں وارد ہے۔ (الحدیقۃ الندیہ ج/٢، ص/٣٧٥)

اخیر میں گھر کا فیصلہ بھی سن لیجیے:

(١) اہلِ حدیث مولوی وحید الزماں حیدرآبادی لکھتے ہیں:

''بدأ اللہ سبحانہ الخلق بالنور المحمدی.''

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتدا نورِ محمدی ﷺ سے فرمائی۔

(ہدیۃ المھدی، ج:١، ص:٥٦، سن طباعت ١٣٢٥ھ)

ضمیر صاحب! اگر اب بھی آپ نوری تخلیق ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا کوئی علاج نہیں۔ جس کا من نورِ نبی ﷺ سے اُجیالا نہ ہو، وہ نورِ ہدایت کہاں سے پا سکے گا۔

آیتِ نور میں نور سے مراد نورِ ہدایت بھی ہے اور نورِ ذات بھی مگر ابوزید کو ضد ہے کہ نہیں نور سے نورِ ہدایت ہی مراد ہے اور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا:

[اگر اس آیت ہی کو پورا پڑھا جائے تو بات واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔ آیت اس طرح ہے: یآاھل الکتاب.... (الی آخر الآیۃ)]

آیت کو پورا پڑھنے کے بعد اگر اہلِ سنّت کچھ کہیں تو ابوزید پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ نور کی تفسیر میں سلف صالحین کو یکسر نظرانداز کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس ضد کا علاج اہلِ حدیث کے پیشوا شوکانی صاحب کے ہاتھوں ہو تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔ چنانچہ شوکانی صاحب نے یھدی بہ کی تفسیر یوں فرمائی:

''والضمیر فی قولہ (یھدی بہ) راجع الی الکتاب او الیہ والنور لکونھما کالشیء الواحد''.

اور فرمانِ باری تعالیٰ ''یھدی بہ'' میں ضمیر لوٹتی ہے کتاب کی طرف یا آپ ﷺ کی طرف اور نور کی طرف اس لیے کہ (کتاب اور نور یعنی آپ ﷺ) ایک ہی چیز کی طرح ہیں۔ ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

بے مثال بشریت مصطفی ﷺ

ابوزید کو معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نورانیت سے انکار پر نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث اور یہ ہمارا خود ساختہ عقیدہ ہے، اسی لیے نورانیت کے انکار پر دلیل دینے کے بجائے مجبوراً بشریت کی حدیث نقل کر دی اور لکھا:

[اگر آپ کو بشر ماننا آپ کی شان میں گستاخی ہے تو ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ خود نبی ﷺ کی سب سے چہیتی بیوی اور مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا عقیدہ تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
''کان بشرا من البشر'' اللہ کے رسول ﷺ ایک بشر ہی تھے۔
اب کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی گستاخ رسول کہا جائے! نہیں، بلکہ خود اپنے عقیدے کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ (ص ٢٤)]

ابوزید نے یہاں خلط مبحث کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول پیش کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اہلِ سنّت نبی اکرم ﷺ کی بشریت کے منکر ہیں حالانکہ حضورا کرم ﷺ کی بے مثل بشریت میں کسی کو اختلاف نہیں۔قرآن مقدس کی آیات اور احادیث طیبہ سے آپ کی بے مثل بشریت کا ثبوت ملتا ہے۔اسی لیے اہلِ سنّت و جماعت نبی اکرم ﷺ کو افضل البشر نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ مطلقا آپ کی بشریت کے انکار کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جو مطلقا حضور ﷺ سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے۔
قال تعالیٰ: قل سبحن ربی ھل کنت الا بشرا رسولا''۔
واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ، ج ۱۴، ص: ۳۵۸)

آج تک کسی ایک بھی سنّی عالم نے بشریتِ مصطفی ﷺ کا انکار نہیں کیا۔ پوری نام نہاد اہلِ حدیث برادری کو چیلنج ہے کہ کسی سنی عالم کے حوالہ سے انکار بشریت ثابت کردیں! وہ ہرگز ثابت نہ کرسکیں گے۔جب بشریت ایک اتفاقی مسئلہ ہے تو اس پر دلیل پیش کرنا بے معنیٰ ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ مدعی اپنے دعوی پر دلیل پیش کرتا ہے اور منکر اپنے انکار پر، اور یہاں تو بشریت کا مسئلہ سرے سے انکاری ہے ہی نہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول پیش کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے ساتھ غیر مقلدین کا اختلاف اس بات میں ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی بے مثل بشریت کے ساتھ آپ کی نورانیت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ نبی کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں، لہٰذا ابوزید کو چاہیے تھا کہ وہ اس بات پر کوئی آیت یا حدیث پیش کرتے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں نور نہیں ہوں، یا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو کہ ہم نے آپ کو نور بنا کر نہیں بھیجا، یا پھر کسی صحابی کی کوئی اثر ہی دکھا دیتے کہ ہمارے نبی ﷺ نور نہیں ہیں، مگر ابوزید کو معلوم ہے کہ غیر مقلدین کی بات

سراسر جھوٹ ہے اور اس پر سرے سے کوئی دلیل موجود نہیں، لہٰذا اصل موضوع سے ہٹ کر بشر ہونے کی حدیث پیش کر دی۔

ابوزید تو نبی ﷺ کے نور نہ ہونے پر قیامت تک کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے مگر الحمدللہ پچھلے اوراق میں نبی اکرم ﷺ کے نور ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل آپ نے ملاحظہ کر لیے۔اب ضمیر کا یہ سوال کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آقا کو بشر کہا تو وہ گستاخ رسول نہیں پھر اہلِ حدیث کو گستاخ نبی کہنے کی کیا وجہ ہے؟

تو سنیے جناب! نام نہاد اہلِ حدیث کو محض بشریت مصطفی ﷺ کے قائل ہونے کی وجہ سے گستاخ نبی نہیں کہا جاتا بلکہ بشر کہنے کی آڑ میں تنقیص شان رسالت ﷺ کے سبب ان کو گستاخ نبی ﷺ قرار دیا گیا ہے۔خود ابوزید کو اس حقیقت کا ادراک ہے تبھی دھوکہ کی ٹٹی کے طور پر لکھا:

''یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہلِ حدیث نبی ﷺ کو عام بشر نہیں بلکہ خیر البشر مانتے ہیں۔'' (ص: ۲۴)

اہلِ حدیث نبی ﷺ کو افضل البشر نہیں مانتے

نام نہاد اہلِ حدیث نبی اکرم ﷺ کو خیر البشر ہرگز نہیں مانتے۔ماقبل میں اہلِ حدیث علما کی کتابوں کے حوالے گزرے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے افضل البشر ہونے کا انکار کیا۔مثلاً

۱۔انبیاے کرام علیہم السلام عام انسانوں کی طرح ہیں۔
(رسالہ سماع موتی، ص: ۱۲، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

۲۔انبیاے کرام عام بندے اور ہمارے بھائی ہیں۔
(تقویۃ الایمان، ص: ۸۷، مکتبہ نعیمیہ، مؤ)

۳۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان، ص: ۲۰، مکتبہ نعیمیہ، مؤ)

قارئین کرام فیصلہ کریں کہ ''ہمارے تمہارے جیسے انسان کہنا'' اور ''چمار سے بھی ذلیل لکھنا'' پھر بھی دعوی کرنا کہ اہلِ حدیث آپ کو خیر البشر مانتے ہیں کیا یہ کھلا ہوا فریب و مکر نہیں ہے؟ اگر اہلِ حدیث نبی ﷺ کو خیر البشر مانتے تو پھر ہمارے تمہارے جیسے عاجز بندے اور بڑے بھائی کی طرح نہ لکھتے۔

ابو زید! ذرا بتایئے!! نبی اکرم ﷺ کو ''عاجز بندے، ہمارے تمہارے جیسے انسان اور چمار سے بھی ذلیل'' کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ سب کہا ہے؟ ہرگز نہیں کہا ہے! بس یہی وجہ ہے کہ اہلِ حدیث کو گستاخ نبی کہا جاتا ہے اور شان گھٹانے اور توہین کے قصد سے جو کوئی نبی ﷺ کو بشر کہے تو وہ یقیناً گستاخ نبی ﷺ ہے۔

نبی کو بشر کہہ کر شان گھٹانا طریقۂ کفار رہا ہے

واضح رہے کہ ازراہ تنقیص انبیائے کرام کو بشر کہنا اور بشر بشر کی رٹ لگانا کافروں کا طریقہ رہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا:

''ماھذا الا بشر مثلکم'' (سورہ: مومنون، آیت: ۲۴)

حضرت ہود، نوح، صالح علیہم السلام کی قوم کے کافروں نے کہا:

''ماھذا الا بشر مثلکم'' (سورہ: مومنون، آیت: ۲۳)

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا:

''ماانت الا بشر مثلنا'' (سورہ: شعراء، آیت: ۱۴۱)

حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ نے کہا:

''وماانت الا بشر مثلنا'' (سورہ: شعراء، آیت: ۱۸۵)

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعونیوں نے کہا:

''فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا'' (سورہ: مومنون، آیت: ۴۷)

حضرت اسحٰق، یعقوب، نوح، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسمٰعیل، یسع، یونس اور لوط علیٰ نبینا و علیہم الصلوۃ والتسلیم سے کہا گیا:

''قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء'' (سورہ: انعام، آیت: ۸۴ تا ۹۱)

حضور اقدس ﷺ سے کہا گیا:

''ھل ھذا الا بشر مثلکم'' (سورہ: انبیاء، آیت: ۳)

اور سب سے پہلے نبی کو بشر کہنے والا ابلیس ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سوائے ابلیس کے سارے فرشتے سجدے میں گر گئے، تو ربّ نے فرمایا:

''قال یا ابلیس مالك الا تکون مع الساجدین قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حماٍ مسنون''

(سورہ: حجر، آیت: ۳۲۔۳۳)

فرمایا: اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا، بولا: مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔

ان نصوص سے واضح ہوا کہ نبی کو عام بشر کہہ کر ان کی عظمت کو گھٹانا اور اپنے جیسا بشر کہنا یہ ہمیشہ کافروں کی بولی رہی ہے بلکہ ابلیس کی مردودیت کا آغاز ہی اسی سے ہوا ہے اور آج بھی نبی ﷺ کو بشر، اپنے جیسا بشر، تمہارے جیسا بشر، عاجز بندے، ہمارے بڑے بھائی وغیرہ کہنے والے گستاخ نبی ﷺ ہیں۔

ضمیر صاحب! آپ کی جماعت بھی اگر نبی ﷺ کی عظمت اپنے دل میں رکھتی

اور ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم بجالاتی اور قرآن وسنت میں وارد آپ کے مقدس اسما سے آپ کا ذکر کرتی تو کوئی کیوں آپ کو محض بشر کہنے کے سبب کا فر کہتا، مگر سارے کمالات کو چھوڑ کر بشر بشر کی رٹ لگانا، دل میں چھپے ہوئے عناد کا پتا نہیں دیتا؟ اور یہ وہی کافروں کا طریقہ نہیں ہے؟ یہ تو اب جا کر مجبوراً خیر البشر پر آمادہ ہوئے ہو وہ بھی نہ جانے کیوں؟ ورنہ تو کیا کچھ توہین آمیز کلمات اس بارگاہ اقدس میں آپ کے علما لکھ چکے ہیں کہ کافر بھی سنیں تو شرمائیں۔

علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نام نہاد اہلِ حدیث کا مطمح نظر وہ آیات یا احادیث ہیں جن سے بظاہر ان کی ناقص فہم میں تنقیص شان رسالت کا پہلو نکلتا ہو۔ اسی جذبہ فاسدہ کی رو میں بہہ کر قرآن وسنت کی من مانی تشریحات کر کے علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔ چنانچہ ابو زید نے لکھا:

> اہلِ حدیث یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقتاً فوقتاً ایسی باتیں بتائیں جو غیب میں سے تھیں۔ جنت، جہنم، زمین، آسمان، ماضی ومستقبل کی بہت سی خبریں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جانتے تھے آپ کو بتائی گئیں۔ لیکن علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے لہٰذا اللہ کے ساتھ اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔ (ص: ۲۴)

ناظرین دھوکہ نہ کھائیں! ابو زید نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بہت سی غیبی خبروں کو تسلیم کیا یہ اہلِ حدیث کا عقیدہ نہیں ہے۔ اہلِ حدیث کا اصل مذہب وہ ہے جو تقویت الایمان اور فتاویٰ ثنائیہ وغیرہ میں لکھا ہے۔ لہٰذا پہلے علم غیب کے بارے میں اہلِ سنّت اور غیر مقلدین کا عقیدہ لکھا جاتا ہے۔

اہلِ سنت اور عقیدہ علم غیب

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اشیاے کائنات یعنی تمام ممکنات حاضرہ غائبہ کا علم عطا فرمایا ہے۔

(۲) ہم اہلِ سنّت و جماعت کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی عطا سے کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریات دین سے ہے، اس کا منکر کافر ہے۔

(۳) بلا شبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی نہیں، اس قدر ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

(۴) بلا شبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہوسکتا، برابر ہونا درکنار، سارے اولین وآخرین کے علوم مل کر علوم الٰہی سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو کروڑہا سمندروں سے ایک ذرا سے بوند کے کروڑویں حصے کو..... کہ یہ سب متناہی، اور علوم الٰہیہ غیر متناہی۔

(۵) علم ذاتی کہ اپنی ذات سے بے عطاے غیر ہو اور علم مطلق یعنی محیط حقیقی تفصیلی فعلی فراوانی کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو شامل ہو، یہ دونوں قسمیں بلا شبہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہیں، اور عطائی کہ اللہ عزوجل کا عطیہ ہو اور مطلق علم یعنی جاننا اگر محیط باحاطہ حقیقیہ نہ ہو، یہ دونوں قسمیں غیر خدا کے لیے ہیں۔

اہلِ حدیث اور عقیدۂ علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) غیر مقلدین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے مسئلہ علم غیب کے متعلق لکھا:

> ”اور جو کوئی کسی نبی ولی کو، یا جن وفرشتہ کو، امام وامام زادے کو، یا پیرو شہید کو، یا نجومی ورمال یا جفار یا فال دیکھنے والے کو، برہمن رشی کو یا بھوت و پری کو ایسا جانے یا اس کے حق میں یہ عقیدہ رکھے سووہ مشرک ہوجاتا ہے“ (تقویت الایمان، ص: ۳۰، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اور لکھا ہے:

’’پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔‘‘

(تقویت الایمان، ص: ۱۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

(۲) اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ لکھتے ہیں:

’’غیب سوائے اللہ وحدہ لاشریک کے کسی کو معلوم نہیں، اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی کی نسبت یہ اعتقاد رکھے تو وہ مشرک اور کافر ہوجاتا ہے۔‘‘

(فتاویٰ ثنائیہ، ج:۱، ص:۲۴۱، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور)

(۳) غیر مقلد ابو زید لکھتے ہیں:

’’علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا اللہ کے ساتھ اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا ہے۔‘‘ (الزامات کا جائزہ، ص:۲۴)

’’شریک نہیں کیا جاسکتا‘‘ کا مطلب یہی کہ علم غیب نبی ﷺ ماننا شرک ہے۔ صاف طور پر شرک نہ کہہ کر ڈرتے ہوئے شرک کا مفہوم ادا کیا، کیونکہ اس سے پہلے جن غیر مقلدین نے علم غیب نبی ﷺ کو شرک کہا، ان کے دلائل کی بے وزنی جگ ظاہر ہے۔ اس لیے ابو زید نے واضح الفاظ میں اسے شرک کہنے سے پرہیز کیا اور پہلے علم غیب نبی ﷺ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

’’اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وقتاً فوقتاً ایسی باتیں بتائیں جو غیب میں سے تھیں‘‘، مگر اتنا نہ سوچا کہ غیب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا تو بہت سی غیبی باتوں کا علم نبی اکرم ﷺ کے لیے مان کر یہ شرک تو وہ خود کر چکے ہیں۔

غیب کا مفہوم

علم غیب کے بارے میں گفتگو کرنے سے قبل غیب کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔

علامہ بیضاوی غیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’والمرادبه (ای بالغیب) الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا تقتضیه بدیهة العقل.‘‘

(تفسیر بیضاوی ج/۱ ص:۳۸، داراحیاء التراث العربی)

یعنی غیب سے مراد وہ چیز ہے جس کا ادراک نہ تو حواس کر سکیں اور نہ وہ بداھتِ عقل کے دائرے میں آسکے۔

غیب کے اس مفہوم سے آشکارا ہوا کہ حواس اور بداھت عقل کے دائرے کے باہر کی تمام چیزیں غیب ہیں۔ جیسے جنت جہنم وغیرہ اور نبی اکرم ﷺ نے ان امور کی خبریں ہمیں عطا کیں جیسا کہ ابو زید نے مرے دل سے اعتراف کیا کہ ’’اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وقتاً فوقتاً ایسی باتیں بتائیں جو غیب میں سے تھیں‘‘۔ جب رب کی عطا سے حضور ﷺ کو غیب کی ان باتوں کا علم ہوا تو نام نہاد اہلِ حدیث یہ بتائیں کیا حضور ﷺ غیب میں اللہ کے شریک ہوگئے؟ اگر کہو ہاں! تو یہ شرک تو خود اہلِ حدیث نے بھی کیا ہے کہ وہ بھی اس غیب کے قائل ہیں، اور کہو نہیں! تو یہ جھوٹ ہے، کیونکہ اہلِ حدیث کا پیشوا صراحت کر چکا کہ غیب خواہ اپنی ذات سے حاصل ہو خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے‘‘۔

؎ جھوٹی باتیں چھوڑ دے اے ناسمجھ
راستی پر آ خدا کے واسطے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے استدلال کی حقیقت

ابو زید نے علم غیب نبی ﷺ کے بارے میں نام نہاد اہلِ حدیث کے غلط عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا حوالہ دیا، یہ سراسر

مغالطہ اور فریب ہے۔ لکھتے ہیں:

> اس سلسلہ میں حضرت عائشہ ہی کا عقیدہ اور اسی کے ساتھ ان کا فتویٰ بھی سن لیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
>
> "من زعم انه يخبر بما يكون فى غد فقد اعظم علىٰ الله الفرية والله يقول: (قل لا يعلم من فى السمٰوات والارض الغيب الا الله)
>
> جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ بتا دیا کرتے تھے کہ آنے والے دن میں کیا چھپا ہے تو اس نے اللہ پر نہایت سنگین جھوٹ باندھا کیونکہ خود اللہ کا فرمان ہے:
>
> "قل لا يعلم من فى السمٰوات والارض الغيب الا الله"
>
> کہو آسمان وزمین میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔
>
> یہی عقیدہ جو حضرت عائشہ کا تھا وہی اہلِ حدیث کا ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر کیا کوئی مسلمان حضرت عائشہ کے عقیدہ کی صحت پر اعتراض کرنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اہلِ حدیث اسی عقیدہ کے سبب کس بنا پر مجرم قرار دیے جاتے ہیں؟ مزید غور طلب بات یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم کی آیت سے بھی استدلال کیا۔ لہٰذا اسے محض ان کی ذاتی رائے قرار دینا بھی غلط ہوگا۔ (ص:۲۵)

حدیث عائشہ کا تحقیقی جائزہ

آئیے! اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کس کا عقیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

عقیدے کے مطابق ہے۔ اہلِ سنّت و جماعت کا یا پھر نام نہاد اہلِ حدیث کا؟

اس سچائی کو جاننے کے لیے پچھلے صفحات میں مذکور اہلِ سنّت و جماعت اور اہلِ حدیث کا عقیدہ ذہن میں رکھیں۔

اہلِ سنّت کا عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو کثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے اور بلا شبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی نہیں ہے۔ علم ذاتی اور علم مطلق یعنی محیط حقیقی بلا شبہ اللہ تعالیٰ عز وجل کے لیے خاص ہیں۔

نام نہاد اہلِ حدیث کا عقیدہ: غیب کا علم اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ماننا شرک ہے خواہ یہ سمجھے کہ علم غیب دوسروں کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کے بارے میں ابو زید نے یہ حدیث پیش کی:

"من زعم انه يخبر بما يكون فى غد فقد اعظم على الله الفرية"

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد اگر یہ ہو کہ نبی ﷺ کے لیے رب کی عطا سے علم غیب ماننا بھی شرک ہے، تب تو اہلِ حدیث کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا کہ ان کا عقیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہو کہ نبی ﷺ از خود علم غیب نہیں رکھتے مگر رب کی عطا سے غیب جانتے ہیں اور بعطاے الٰہی آپ کے لیے غیب کا علم ماننا شرک نہیں تو اہلِ سنّت کا عقیدہ درست اور حضرت عائشہ کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد جاننے کے لیے دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔

(۱) جو آیت استدلال میں پیش کی ہے اس کی تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث سے آپ کا عقیدہ معلوم کیا جائے۔

حدیث عائشہ تفاسیر کے آئینے میں

تفسیر نموذج میں اسی آیت کے تحت ہے:

"معناه لا يعلم الغيب بلا دليل الا الله او بلا معلم الا الله او جميع الغيب الا الله."

(غرائب آی التنزیل معروف بہ تفسیر نموذج، ص: ۳۸۳، دار عالم الکتب، ریاض)

یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولعل الحق ان يقال: ان علم الغيب المنفى عن غيره جل و علا هو ما كان للشخص لذاته اى بلا و اسطة فى ثبوته له ....وما وقع للخواص، ليس من هذا العلم المنفى فى شئى، ضرورة انه من الواجب عزوجل افاضه عليهم بوجه من وجوه الافاضة"

(روح المعانی جلد: ۱۰، ص ۲۲۲، سورہ نمل دار الکتب العلمیہ)

یعنی حق بات یہ ہے کہ غیر اللہ سے جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے،، اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا، اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے، وہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسائی سے انہیں حاصل ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسائی کے متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔

علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:

"و بالجملة علم الغيب بلاواسطة كلا او بعضا مخصوص بالله جلا و علا لا يعلمه احد من الخلق اصلا."

یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم غیب بلا واسطہ کلا اور بعضا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، ج ۱۰، ص: ۲۲۳، سورہ نمل دار الکتب العلمیہ)

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وغيره تعالىٰ لا يعلم الا باعلامه"

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے بتانے اور سکھانے سے۔

آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت و يمكن ان يكون التقدير لا يعلم من فى السموت والارض الغيب بشئى الا بالله اى بتعليمه"

(تفسیر مظہری، سورہ نمل، آیت: ۶۰، ج: ۷، ص: ۱۳۳۔۱۳۴، دار احیاء التراث العربی)

یعنی میں کہتا ہوں کہ تقدیری عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھائے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی۔

فتاویٰ امام نووی میں ہے:

"مامعنى قوله تعالىٰ: قل لا يعلم من فى السمٰوات والارض الغيب الا الله...... و اشباه هذا من القرآن والحديث مع انه قد وقع علم ما فى غد من معجزات الانبياء صلوٰت الله عليهم و سلامه وفى كرامات الاولياء رضى الله عنهم ؟ والجواب: معناه: لا يعلم

ذلك استقلا لا، وعلم احاطة بكل المعلومات الا الله،
واما المعجزات والكرامات فحصلت باعلا م الله
تعالیٰ للأنبياء و الأولياء، لا استقلا لا"

(فتاوی امام نووی، ص: ۲۴۱، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ)

آیت کریمہ **قل لا یعلم** (تم فرمادو! اللہ کے علاوہ زمین وآسمان کی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی) اور اس جیسی دوسری آیات واحادیث کا کیا معنی ہے؟ حالانکہ معجزات انبیا علیہم السلام اور کرامات اولیا میں غیر اللہ کے لیے آئندہ کے علم کا ثبوت ملتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ غیب کو مستقل (ذاتی) طور پر اور کل غیب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات، اللہ کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

"وماذكرناه فى الآية، صرح به النووى رحمه الله فى
فتاواه فقال: معناها: لايعلم ذلك استقلالاً وعلم
احاطة بكل المعلومات الا الله"

ہم نے آیت (کی تفسیر) میں جو ذکر کیا ہے، امام نووی نے اپنے فتاوی میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ غیب ذاتی اور کل غیب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

(فتاوی حدیثیہ، ص: ۳۱۳، دار المعرفۃ، بیروت)

اس آیت کی تفاسیر سے معلوم ہوا کہ مفسرین نے دو معنی بیان کیے ہیں:

(۱) غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔

(۲) کُل غیب کوئی نہیں جانتا۔

الحمد للہ یہی عقیدہ اہلِ سنّت کا ہے کہ کل غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح ذاتی علم بھی صرف خدا کے لیے ہے۔ اور اہلِ حدیث تو نبی اکرم ﷺ کے لیے بعطاے

رب بھی غیب کے منکر ہیں، ملاحظہ ہو!

''پھر خواہ یوں سمجھے کہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے''۔

(تقویت الایمان، ص: ۱۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

حضرت عائشہ کی ایک اور روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم غیب کی نفی میں ایک روایت ترمذی کی پیش کی جاتی ہے اس کی تشریحات سے بھی ان کے عقیدہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

" عن مسروق، قال: قالت عائشة: من أخبرك أن
محمدا ﷺ رأى ربه أو كتم شيئاً مما أمر به أو يعلم
الخمس التى قال الله تعالىٰ: ان الله عنده علم الساعة و
ينزل الغيث فقد اعظم الفرية."

جو شخص کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، یا مامور بہ میں سے کچھ چھپایا ہے، یا ان (پانچ) علوم کو جانتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ("ان الله عنده علم الساعة آلاية) میں ذکر فرمایا ہے، تو اس نے بڑا جھوٹ باندھا۔

(ترمذی شریف، باب تفسیر سورہ: والنجم، حدیث: ۳۲۷۸، ص/ ۱۲۶۳، دار المعرفۃ)

اس میں بھی مطلقاً علم غیب کی نفی مراد نہیں بلکہ از خود جاننے کی نفی ہے، بتعلیم الٰہی جاننے کی نفی ہرگز نہیں۔ تفسیر عرائس القرآن میں ہے:

"اى لا يعلم الاولون والآخرون قبل اظهاره تعالىٰ ذلك لهم."

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتانے سے قبل اولین وآخرین میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول اور ان کی مستدل آیات کی تفاسیر سے اہلِ سنّت

کا عقیدۂ علم غیب نبی ﷺ خوب واشگاف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر کسی کو غیب کا علم نہیں، مگر رب نے اپنے محبوبین کو یہ علم عطا فرمایا ہے۔حضرت عائشہ کا جو عقیدہ ہے وہ ہرگز اہلِ حدیث کا عقیدہ نہیں کہ اہلِ حدیث تو بعطاے الٰہی بھی نبی کے لیے علم غیب کو شرک قرار دیتے ہیں، ایک بار پھر اہلِ حدیث کے پیشوا کا عقیدہ پڑھ لیں۔

"پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔

(تقویۃ الایمان، ص:۱۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

اور اہلِ سنّت بعطاے الٰہی، اللہ کے مخصوص بندوں کے لیے غیب کا علم مانتے ہیں اور یہی عقیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

؎ ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشاے لب بام نہیں

حضرت عائشہ کا عقیدہ قرآن کی روشنی میں

قرآن مقدس کے کلام الٰہی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا"

(سورہ: نساء، آیت:۸۲)

یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے:

اب اگر اس آیت کریمہ کا وہ معنی کیا جائے جو اہلِ حدیث نے سمجھا کہ نبی ﷺ ربّ کے بتانے سے بھی غیب نہیں جانتے، تو یہ معنی قرآن مقدس کی ان آیات کریمہ کے خلاف ہوگا جن سے حضور اکرم ﷺ کا اُمورِ غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے، وہ آیات یہ ہیں۔

(۱) "وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله

من يشاء" (سورہ آل عمران، آیت:۱۷۹)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے، ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

(۲) "وما هو على الغيب بضنين" (سورہ: تکویر، آیت:۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(۳) "عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول." (سورہ: جن، آیت:۲۶-۲۷)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۴) "ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك" (سورہ آل عمران، آیت:۴۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں ہم مخفی طور پر تم کو بتاتے ہیں۔

(۵) "وعلمك مالم تكن تعلم" (سورہ: نساء، آیت:۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

ان آیات کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیا کو علم غیب عطا فرمایا۔

☆ اللہ کے نبی ﷺ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف غیب کی خبریں وحی فرمائی۔

ایک طرف وہ آیات کریمہ جن سے بظاہر علم غیب کی نفی سمجھی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ مذکورہ آیات، جن میں بعض محبوب بندوں کو علم غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ہے۔اب تین ہی راستے ہیں:

(۱) علم غیب کی نفی والی آیات پر ایمان لاؤ اور علم غیب کے ثبوت کی آیات سے کفر

کروتب قطعاً کافر ہوئے کہ قرآن عظیم کی کسی آیت بلکہ کسی حرف کا منکر قطعاً کافر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"افتؤ منون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلك منكم الا خزی فی الحیوۃالدنیا و یوم القیٰمة یردون الی اشد العذاب" (سورہ:بقرہ،آیت:۸۵)

تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

(۲) یا معاذ اللہ ان دونوں قسم کی آیات کریمہ میں تناقض مانو۔

اگر ایسا کہا تو معاذ اللہ قرآن عظیم کے کتاب الٰہی ہونے انکار ہوگا۔فرمان باری تعالیٰ ہے۔

"لو کان من عندغیر اللہ لو جد وافیه اختلافا کثیرا"

(سورہ:نساء،آیت:۸۲)

اگر یہ کتاب غیر خدا کی ہوتی تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

(۳) علم غیب کی نفی اور اثبات دونوں قسم کی آیات پر ایمان لاؤ اور دونوں میں مطابقت دو۔بحمدہ تعالیٰ اہلِ سنّت وجماعت کا یہی عقیدہ ہے اور حق وصحیح ہے

نفی کی آیات کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ذاتی علم غیب نہیں، جو شخص غیر خدا کے لیے بالذات علم غیب مانے وہ یقیناً کافر ہے۔

اثبات علم غیب کی نصوص کا مفاد یہ ہے کہ محبوبان خدا کو اللہ کے دیئے سے علم غیب ہے، الحمدللہ اس پر بھی ہمارا ایمان ہے، جو حضور اکرم ﷺ کے بالعطاء علم غیب کا منکر ہو وہ ان اثبات والی آیات کا منکر اور کافر ہے۔رب تعالیٰ نے اہل ایمان کی شان بیان فرمائی"

تو منون بالکتٰب کله "اور تم سب کتاب پر ایمان لاتے ہو۔اور اہلِ حدیث آیات نفی پر تو ایمان لاتے ہیں مگر آیات اثبات کو نہیں مانتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ متصور ہی نہیں کہ وہ قرآن کی کسی آیت کا انکار کریں یا قرآن میں تناقض مانیں، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا علم غیب ذاتی کی نفی مراد لیتی ہیں نہ کہ علم غیب عطائی کی۔

حضرت عائشہ کا عقیدہ اور آپ کی مرویات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول "کہ جو شخص اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں یہ کہے کہ آپ آنے والے دن میں کیا ہوگا یہ بتا دیتے، اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا" اس سے مراد مطلقاً جاننے کی نفی ہے یا بے عطائے الٰہی جاننے کی نفی ہے اس حقیقت کا انکشاف خود ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث سے ہوتا ہے۔

(۱) "عن عائشة (رضی الله عنها) قالت: اجتمع نساء النبی ﷺ فلم یغادر منهن امرأة، فجاء ت فاطمة تمشی كان مشیتها مشیة رسول الله ﷺ، فقال: مرحبا با بنتی فاجلسها عن یمینه او عن شماله، ثم اِنّهٗ اسر الیها حدیثا فبکت فاطمة رضوان الله علیها، ثم انه سارها فضحکت ایضا، فقلت لها: مایبکیك؟ فقالت: ماکنت لافشی سر رسول الله ﷺ،

فقلت: مارایت کالیوم فرحا اقرب من حزن، فقلت لها حین بکت :اخصك رسول الله ﷺ بحدیثه دوننا، ثم تبکین؟ و سالتها عما قال فقالت: ماکنت لافشی سر رسول الله ﷺ،حتی اذا قبض سالتها فقالت: انه کان حَدَّثَنِی ان جبریل کان یعارضه بالقرآن کل عام مرة،و انه عارضه بهٖ فی العام مرتین، ولا أرانی الاقد حضر اجلی، وانك اول أهلی لحوقاًبی،ونعم السلف أنالك،فبكيت لذلك،ثم انه سارنی، فقال:

الا تر ضین ان تکونی سیدة نساء المو منین، اوسیدة نساء هذه الا مة فضحکت لذلك" (مسلم شریف، کتاب الفضائل، حدیث:۲۴۵۰، ص/۴۴۷، دارالکوثر، قاہرہ)

یہ حدیث الفاظ کے تغیر وتبدل کے ساتھ، بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج آپ کے پاس جمع تھیں اور کوئی بھی باقی نہ تھی، اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں جن کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کے مشابہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرحبا میری بیٹی! اور ان کو دائیں یا بائیں جانب بٹھایا، پھر سرگوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کوئی بات کی جسے سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ پھر دوبارہ سرگوشی کی جس سے وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہا کس وجہ سے روئیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز افشا نہیں کروں گی۔

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے کہا: میں نے آج کی طرح کوئی خوشی، غم سے اتنی قریب نہیں دیکھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے پھر پوچھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جبریل (علیہ السلام) مجھ سے ہر سال ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے مجھ سے دوبار قرآن مجید کا دور کیا ہے، میرا یہی گمان ہے کہ اب میرا وقت (قریب) آ گیا ہے، میرے اہل میں سب سے پہلے تم میرے ساتھ لاحق ہو گی اور میں تمہارے لیے بہترین پیش رو ہوں، بس میں رونے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی کی اور فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو، میں اس وجہ سے ہنسی تھی۔

اس حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے دنوں کی غیبی خبر دیتے

ہوئے بتایا کہ میرے اہل میں سب سے پہلے فاطمہ کا انتقال ہوگا۔ اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ حضرت عائشہ اگر عطائی علم غیب کو نہ مانتیں تو اس حدیث کو روایت نہ کرتیں۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کو اجاگر کرتی ایک اور حدیث:

عن عائشة رضی الله عنهاان بعض ازواج النبی ﷺ، قلن للنبی ﷺ: اینا اسرع بك لحوقا؟ قال اطو لکن یدا، فاخذوا قصبة یذر عونها، فکانت سودة اطولهن یدا، فعلمنا بعد انما کانت طول یدها الصدقة، وکانت اسر عنا لحو قابه ﷺ، وکانت تحب الصدقة.

(بخاری شریف، کتاب الزکاۃ، باب الصدقہ، حدیث:۱۴۲۰، ص/۱۷۹، دارالکوثر قاہرہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم میں کونسی بیوی کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخرت میں سب سے پہلے ملاقات ہوگی؟ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ یہ سن کر امہات المومنین نے ایک دوسرے کے ہاتھ ناپے تو پتہ چلا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ دینے میں زیادتی تھی اور ہم میں سب سے پہلے انتقال کرنے والی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جو صدقہ دینے کو بہت محبوب رکھتی تھیں۔

ناظرین دیکھیں! ام المومنین رضی اللہ عنہا خود ہی روایت بیان کر رہی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے دنوں کی غیبی خبر دی اور بتا دیا کہ سب سے پہلے کس زوجہ محترمہ کا انتقال ہوگا۔ اب کون عقل مند کہے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعطاے الٰہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غیب نہیں مانتی تھیں۔

(۳) ام المومنین رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کا یہ منہ بولتا ثبوت دیکھیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ان ابابکر الصدیق رضی الله عنه کان نحلها جاد عشرین و سقا من ماله بالغابة. فلما حضرته الوفاة، قال: والله یابنیة مامن الناس احد احب الی غنی بعدی منك. ولا اعز علی فقرا بعدی منك. وانی کنت نحلتك جاد عشرین وسقا. فلو کنت جددتیه واحتزتیه کان لك. وانما هو الیوم مال وارث. وانماهما اخواك واختاك فاقتسموه علی کتاب الله. قالت عائشة: فقلت: یاابت، والله لوکان کذا وکذا لترکته. انما هی اسماء فمن الاخری؟ قال ذو بطن بنت خارجة، اراها جاریة.

(موطا امام مالک، حدیث:۳۹، ج:۲ ص:۷۵۱، دار احیاء التراث العربی)

بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غابہ میں انہیں کھجور کے چند درخت ہبہ کیے جن سے بیس وسق کھجوریں آتی تھیں جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: اے میری بیٹی دوسرا کوئی نہیں جس کا اپنے بعد غنی ہونا مجھے تم سے زیادہ پسند ہو اور اپنے بعد مجھے کسی کی مفلسی تمہاری مفلسی سے زیادہ گراں نہیں۔ میں نے تمہیں کچھ درخت دیے تھے جن سے بیس وسق کھجوریں آتی تھیں، اگر تم نے ان پر قبضہ کیا ہوتا تو تمہارے ہو جاتے۔ اب وہ میراث کا مال ہے اور تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، پس سارے مال کو اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں عرض گزار ہوئی: ابا جان! مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہوتا میں چھوڑ دیتی لیکن میری بہن تو صرف حضرت اسماء ہیں دوسری کون ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بنت خارجہ کے پیٹ میں ہے اور

میرے خیال میں وہ لڑکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے عطائی علم غیب کا انکار کیسے کر سکتی ہیں، وہ تو اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی تسلیم کرتی ہیں، اگر عطائی علم غیب کا عقیدہ نہیں ہوتا تو حضرت ابوبکر پر بھی اعتراض کرتیں کہ آپ کا غیب پر اطلاع دینا قرآن وسنت کی رو سے درست نہیں ہے۔ مگر ام المومنین نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ اس غیبی خبر کو روایت کر کے اپنا عقیدہ بتا دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان تینوں مرویات میں آئندہ کی خبر کا بیان ہے۔ اگر حضرت عائشہ بعطائے الٰہی بھی علم غیب کا عقیدہ نہیں رکھیں تو کیا (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ ہرگز نہیں! حضرت عائشہ کا ان غیبی خبروں کو روایت کرنا اس بات کا پتا دیتا ہے کہ بعطائے الٰہی غیب کا علم نبی ﷺ کے لیے ماننا درست اور حق ہے۔ اور اہلِ حدیث رب کی عطا سے بھی نبی ﷺ کے لیے علم غیب نہیں مانتے، ان کا عقیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ کے مطابق نہیں ہے۔

کیا نبی کل کی بات نہیں جانتے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ عقیدہ منسوب کرنا کہ آپ آنے والے کل کی خبروں کا علم نبی ﷺ کے لیے نہیں مانتی تھیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ جیسی عالمہ فقیہہ، جن کے سامنے غیبی خبروں پر مشتمل احادیث موجود ہوں اور انکار کریں۔ مثلاً یہ حدیثیں:

(۱) عن سلمة قال کان علیّ قد تخلف عن النبی ﷺ فی خیبر، وکان به رمد، فقال: انا اتخلف عن رسول الله ﷺ، فخرج علی رضی الله عنه فلحق بالنبی ﷺ، فلما کان مساء اللیلة التی فتحها الله فی صباحها،

قال رسول الله ﷺ: لاعطين الراية، اوليا خذن الراية غدا رجلا يحبه الله ورسوله، اوقال: يحب الله ورسوله، يفتح الله عليه، فاذا نحن بعلى وما نرجوه، فقالوا: هذا على فاعطاه رسول الله ﷺ الراية ففتح الله عليه.

(بخاری شریف، کتاب المغازی، حدیث:۴۲۰۹،ص ر ۵۲۴، دارالکوثر قاھرہ)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں آشوبِ چشم کی وجہ سے حضور ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ دل میں خیال آیا کہ میں حضور ﷺ سے پیچھے رہ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نکلے اور حضور ﷺ سے جا ملے پھر وہ رات آئی جس کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح عطا فرمائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا یا جھنڈا وہ شخص پکڑے گا، جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں، یا فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب غزوۂ بدر کے لیے میدان میں تشریف لائے تو جنگ سے ایک دن پہلے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

"هٰذا مصرع فلان، قال: ويضع يده على الارض "ههنا و ههنا" قال: فماما ط احد هم عن موضع يد رسول الله ﷺ."

(مسلم شریف، کتاب الجہاد، باب غزوۃ بدر، حدیث:۱۷۸۰،ص ر ۵۵۲، دارالکوثر، قاھرہ)

یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست اقدس کو زمین پر رکھ کر نشاندہی فرماتے تھے، (راوی کا بیان ہے کہ) مقتولین میں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے ادھر ادھر ہو کر نہیں مرا۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ ملاحظہ کریں۔

نبی یری مالا یری الناس حوله ویتلو کتاب الله فی کل مشهد
فان قال فی یوم مقالة غائب فتصد یقهافی الیوم اوفی ضحی غد

(طبرانی معجم کبیر، ج:۴،ص ر ۴۸، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

حضور اکرم ﷺ اپنے اردگرد کی وہ چیزیں بھی دیکھتے ہیں جو لوگوں کو نظر نہیں آتیں، اور آپ ہر موقع پر کتاب اللہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر کسی دن کوئی غیب کی بات فرماتے ہیں تو اس کی تصدیق اسی دن یا دوسری صبح ہی کو سامنے آجاتی ہے۔

حضرت حسان سے اس کو سن کر رسول ﷺ کا انکار نہ فرمانا صحت پر دال ہے۔ اگر یہ مضمون صحیح نہ ہوتا اور ابوزید کے مزعوم کے مطابق شرک ہے تو حضور ﷺ نے سن کر منع کیوں نہیں فرمایا۔

ذرا انصاف کا دامن تھام کر احادیث کو ایک بار پڑھ کر فیصلہ کیجیے! کیا آنے والے کل میں چھپی ہوئی باتیں حضور اقدس ﷺ نے نہیں بتائیں! بتائیں اور ضرور بتائیں اور سچ فرمایا۔ اب اس کے بعد بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کی رٹ، دل میں چھپی عداوت رسول اللہ ﷺ کا صاف پتا دیتی ہے۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً وہابی کی وبا سے

عقیدہ عائشہ اور احادیثِ نبویہ

ابوزید کے فریب کا دروازہ مکمل بند کرنے کے لیے چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے نبی اکرم ﷺ کے علم غیب کا بھی پتا لگتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدۂ علم غیب خوب واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) ان النبی ﷺ خرج حین زاغت الشمس،فصلی الظهر،فلما سلم قام علی المنبر، فذکر الساعة و ذکر ان بین ید یها امورا عظاما،ثم قال: من احب ان یسأل عن شئی فلیسأل عنه فوا الله لاتسالونی عن شئی الا أخبر تکم به مادمت فی مقامی هذا. قال انس :فأکثر الناس البکاء،و اکثر رسول الله ﷺ ان یقول : سلونی،فقال انس :فقام الیه رجل فقال: این مدخلی یا رسول الله ﷺ؟قال: النار. فقام عبد الله بن حذافة فقال: من أبی یا رسول الله ؟ قال: ابوك حذافة،قال :ثم اکثر ان یقول :سلونی سلونی، فبرك عمر علی رکبتیه فقال :رضینا بالله ربا و بالا سلام دینا و بمحمد ﷺ رسولا. قال:فسکت رسول الله ﷺ. حین قال عمر ذلك، ثم قال رسول الله ﷺ :والذی نفسی بیده عر ضت علی الجنة والنار آنفافی عرض هذا الحائط وانا اصلی،فلم ار کالیوم فی الخیر والشر.

(بخاری، حدیث: ۷۲۹۴،ص:۸۹۰،دارالکوثر،قاہرہ)

''ایک موقع پر جب آفتاب ڈھلا تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات وحادثات ہیں، پھر فرمایا: جو شخص کسی بھی نوعیت کی کوئی بات پوچھنا چاہتا ہے تو وہ پوچھے، خدا کی قسم! میں جب تک یہاں کھڑا ہوں تم جو بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جلال کے سبب بار بار یہ اعلان فرماتے تھے کہ کوئی سوال کرو مجھ سے پوچھ لو، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

دوزخ۔ پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حذافہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے کہ مجھ سے پوچھو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض گزار ہوئے۔ ہم اللہ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی تو حضور ﷺ خاموش ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ابھی ابھی اس دیوار کے سامنے مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا، تو آج کی طرح میں نے خیر وشر کو کبھی نہیں دیکھا۔

(۲) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"قام فینا النبی ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منا زلهم حفظ ذلك من حفظه و نسیه من نسیه"

(بخاری، کتاب بدء الخلق، حدیث: ۳۱۹۲،ص ر ۴۰۲، دارالکوثر، قاہرہ)

ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور ہمیں ابتدائے خلق سے لے کر روز قیامت اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہو جانے تک سب کچھ بتا دیا۔ تو اس بیان کو جس نے جس قدر یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے جو کچھ بھلا دیا بھول گیا۔

اس حدیث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو ماضی اور مستقبل کے تمام احوال وواقعات کی اطلاع فرمائی، اور یہی آپ ﷺ کی شان نبوت کا خاصہ ہے۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

"فیہ د لا لۃ علی انہ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائھا الی انتھائھا"

(عمدۃ القاری، ج:۵،ص:۱۱۰، دارالفکر، بیروت)

''یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے سارے حالات از ابتدا تا انتہا کی خبر دے دی''۔

(۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاما، ما ترک شئیا یکون فی مقامہ ذلك الی قیام الساعۃ الاحدث بہ حفظہ من حفظہ و نسیہ من نسیہ"

(مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ ......، حدیث: ۲۸۹۱،ص/ ۸۶۶، دار الکوثر، قاھرہ)

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک کی کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی، جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ فرمایا ہو۔ جس نے اسے جس قدر یاد رکھا یاد رہا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔

(۴) ایک اور مقام پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"اخبرنی رسول اللہ ﷺ بما ھو کا ئن الی ان تقوم الساعۃ فما منہ شئی الا قد سألتہ الا انی لم اسالہ مایخرج اھل المدینۃ من المدینۃ."

(مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ......، حدیث:۲۸۹۱ ص/ ۸۶۶، دار الکوثر، قاھرہ)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر ایک بات بتا دی۔

اور کوئی ایسی بات نہ رہی جسے میں نے آپ ﷺ سے نہ پوچھا ہو البتہ میں نے یہ نہ پوچھا کہ اہلِ مدینہ کو کونسی چیز مدینہ سے نکالے گی۔

(۵) حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"صلی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر، و صعد المنبر، فخطبنا حتی حضرت الظھر،فنزل فصلی، ثم صعد المنبر، فخطبنا حتی حضرت العصر، ثم نزل فصلی، ثم صعد المنبر فخطبنا،حتی غربت الشمس،فاخبر نا بما کان وبما ھو کائن. فاعلمنا احفظنا.

(مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ......، حدیث:۲۸۹۲،ص/ ۸۶۶، دار الکوثر قاہرہ)

حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر میں ہماری امامت فرمائی، بعد ازاں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، پھر آپ ﷺ نیچے تشریف لے آئے اور نماز پڑھائی، بعد ازاں پھر منبر پر تشریف لائے اور ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ عصر کا وقت ہو گیا، پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس آپ ﷺ نے ہمیں ہر اس بات کی خبر دے دی جو آج تک وقوع پذیر ہو چکی تھی اور قیامت تک ہونے والی تھی۔ ہم میں زیادہ جاننے والا وہی ہے جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سارے واقعات کو جو آپ سے پہلے ہو چکے تھے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا بیان فرما دیا۔ صحابہ کرام کے "فاعلمنا احفظنا" کہنے سے علم کا معیار ثابت ہو گیا، گویا ان کا یہ کہنا مقصود تھا کہ ہمارے علم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے سوا کوئی سر چشمہ اور مبدا نہیں جو کچھ ملا ہے بارگاہ مصطفی ﷺ سے ملا ہے، پس جس نے جتنا یاد رکھا وہ اتنا بڑا عالم ہو گیا، اور جس نے جتنا

بھلا دیا اتنا ناقص ہوگیا۔

(۶) مواہب لدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر مروی ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالیٰ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھٰذہ"

(مواہب لدنیہ، ج:۳،ص ر ۹۵، دار الکتب العلمیہ، معجم کبیر، حدیث: ۱۴۱۱۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے سامنے ظاہر فرمادی، میں دنیا اور قیامت تک اس میں ہونے والے واقعات کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

(۷) علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں:

"ان اللہ قد رفع ای اظھر و کشف لی الدنیا بحیث احطت بجمیع مافیھا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ، کانما انظر الی کفی ھذہ، اشارۃ الی انہ نظر حقیقۃ، دفع بہ احتمال انہ ارید النظر العلم".

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے اس طرح ظاہر فرمادیا کہ میں نے اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کرلیا، چنانچہ میں دنیا اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی یہ ہتھیلی۔"

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد) اس بات کا اشارہ دے رہا ہے کہ حدیث میں نظر سے حقیقتاً دیکھنا مراد ہے نہ کہ نظر کے معنی مجازی۔

(شرح الزرقانی، ج ۱۰،ص ر ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ)

مسند احمد ابن حنبل کی یہ حدیث بھی دیدۂ عبرت سے پڑھیے:

عن ابی ھریرۃ قال جاء ذئب الی راعی غنم فاخذ منھا

شاۃ فطلبہ الراعی حتی انتزعھا منہ، قال: فصعد الذئب علی تل، فأقعی و استذ فر، فقال: عمدت الی رزق رزقنیہ اللہ عزوجل انتزعتہ منی. فقال الرجل: تاللہ ان رأیت کالیوم ذئباً یتکلم، فقال الذئب: اعجب من ھذا رجل فی النخلات بین الحرتین یخبرکم بما مضی وبما ھو کائن بعدکم، وکان الرجل یھودیا فجاء الرجل الی النبی ﷺ فاسلم وخبرہ فصدقہ النبی ﷺ.

(مسند احمد ابن حنبل، مسند ابوہریرہ، ج ۴، حدیث: ۸۲۸۴،ص ر ۲۴۰۔۲۴۱، دار الکتب العلمیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھالے گیا، چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور بکری چھین لیا، راوی کا بیان ہے کہ اس بھیڑیے نے ایک ٹیلہ پر اگلے پاؤں کے بل بیٹھ کر ایک آواز لگائی اور بولا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تو نے مجھ سے وہ رزق چھین لیا، چرواہا بولا: بخدا آج کی طرح میں نے بھیڑیے کو کلام کرتے نہیں دیکھا، اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ حرتین کے درمیان کھجور کی بستیوں (مدینہ) میں ایک شخص تمہیں گذشتہ اور بعد میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے۔ وہ شخص (چرواہا) یہودی تھا، چنانچہ بارگاہِ رسالت مآب میں آکر مسلمان ہوا اور سارا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

یہ روایات بانگ دہل اعلان کررہی ہیں کہ:

☆ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے حالات کا علم ہے۔

☆ ابتدائے آفرینش سے دخول جنت اور دخول نار تک کے واقعات جانتے ہیں۔

☆ قیامت تک کے احوال مثل کف دست آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

☆ جو ہو چکا اور جو ہوگا اس کا علم بھی آپ رکھتے ہیں۔

یہ سب آنے والے ایام کی غیبی خبریں ہیں، ان احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ آنے والے کل کی خبریں جانتے ہیں، اور یہی عقیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے، اور یہی عقیدہ اہلِ سنّت و جماعت کا ہے۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو عقیدہ حضرت عائشہ کا ہے وہ اہلِ حدیث کا عقیدہ نہیں ہے، اسی وجہ سے اہلِ حدیث مجرم قرار دیے جاتے ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ قرآن وسنت کے دلائل سے مزین ہے۔ اور جو شخص قرآن وسنت سے ثابت شدہ عقیدہ سے انحراف کرے وہ یقیناً مجرم ہے۔

اور جو عقیدہ صحابہ، تابعین، محدثین، مفسرین اور ائمہ دین کا ہے وہی اہلِ سنّت و جماعت کا ہے۔ کیا کوئی مسلمان ان نفوس قدسیہ کے عقیدہ کی صحت پر اعتراض کرنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس عقیدہ کی بنیاد پر اہلِ سنّت پر اعتراض کرنا اور انہیں مشرک قرار دینا نام نہاد اہلِ حدیث کا خبط وجنون ہے۔

شرم نبی خوف خدا
یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

توسّل اور وسیلہ

آغازِ اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیائے کرام اور صالحین کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اور قرآن وسنت کے نصوص، اس کے ثبوت سے مالا مال ہیں، سب سے پہلے امت کے اس اجماعی موقف سے ابن تیمیہ نے انکار کیا اور اس دور میں غیر مقلدین اس کی اندھی تقلید شخصی کرتے ہوئے شدت سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ ابوزید نے بھی ابن تیمیہ وغیرہ کی تقلید کے تانے بانے میں الجھ کر وسیلہ کے انکار پر یہ حدیث پیش کی!

["ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه كان اذاقحطوا استسقىٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال: اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا، قال: فيسقون".]

اس کے بعد لکھا:

[حضرت عمر کے جملہ پر غور کریں کہ "اے اللہ پہلے ہم اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے" یعنی نبی کی دعا کا وسیلہ نہ کہ آپ کی ذات وشخصیت کا وسیلہ۔ (ص:۲۶)]

یہاں ابوزید نے کذب وافترا سے کام لیا۔ کذب اس لیے کہ مذکورہ روایت میں "بنبینا" ہے نہ کہ "بدعاء نبینا" اپنے فاسد عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے بنبینا کا معنی "بدعاء نبینا" کرنا تحریف اور کذب ہے۔ اور افترا یہ ہے کہ اپنی مراد کو "یعنی" لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد قرار دیا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مراد ہرگز نہیں، جب صاف طور پر یہ عرض کیا "اے اللہ! ہم اپنے نبی کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتے رہے" ابوزید نے کذب وافترا کی چادر اوڑھ کر کمال بے حیائی کے ساتھ اس کا معنی یہ لکھ دیا کہ یہ نبی کی ذات وشخصیت کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی دعا کا وسیلہ ہے۔

لائے یقین کون تیرے قول وفعل کا
گفتار تیری جھوٹ ہے سب کاروبار جھوٹ

حضرت عمر کی مکمل روایت

ابوزید نے استسقا (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں جو روایت نقل کی اس پورے واقعہ کو اگر دیکھ لیا جائے تو ابوزید کے فریب کا پردہ از خود چاک ہو جائے گا، چنانچہ استیعاب از

علامہ ابن عبدالبر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک سال سخت قحط پڑا جسے عام الرمادہ کہا جاتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: امیر المومنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو انبیاے کرام علیہم السلام کے رشتے داروں کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اچھا تو یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا، نبی اکرم ﷺ کے والد کے بھائی، اور بنو ہاشم کے سردار، حضرت عباس موجود ہیں، یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور قحط سالی کے بارے میں بیان کیا۔

اور ''الانساب'' میں زبیر ابن بکار اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، حضرت عمر بن خطاب نے عام الرمادہ میں عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ایها الناس ان رسول الله ﷺ كان يرى للعباس ما يرى الولد لوالده يعظمه ويفخمه و يبر قسمه، فاقتدوا ايها الناس! برسول الله فى عمه العباس و اتخذوه وسيلة الى الله تعالىٰ فيما نزل بكم''.

(مستدرک علی الصحیحین، حدیث: ۵۴۳۸، ج: ۳، ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ)

لوگو! نبی اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ویسا ہی مقام دیتے تھے جیسا بیٹا اپنے باپ کو حیثیت دیتا ہے، آپ ﷺ ان کی تعظیم وتکریم کرتے اور ان کی قسموں کو پورا کرتے تھے۔ لوگو! تم بھی حضرت عباس کے بارے میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی اقتدا کرو، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ، اور اے عباس! آپ اللہ سے دعا کیجیے۔

حضرت عباس نے اپنی دعا میں کہا۔ اے اللہ ہر بلا کسی گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے اور توبہ

سے ختم ہوتی ہے۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگ مجھے تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر حاضر ہیں، یہ ہمارے گنہگار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے ہیں، اور توبہ سے ہماری پیشانیاں تیری بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور اپنے نبی ﷺ کے چچا کی لاج رکھ لے کہ اس چچا کو تیرے نبی سے نسبت ہے۔

حدیث وسیلہ کا تحقیقی جائزہ

آپ نے حدیث توسل کو پڑھ لیا اس مکمل روایت سے یہ امور واضح ہوئے:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو وسیلہ بنانا اس لیے نہ تھا کہ (معاذ اللہ) بعد وصال نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز نہیں جانتے تھے، بلکہ حضرت عباس کا وسیلہ رشتۂ نبی ﷺ اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے تھا، جیسا کہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ ابن بطال فرماتے ہیں:

''واما استسقاء عمر بالعباس، فانما هو للرحم التى كانت بينه و بين النبى ﷺ فاراد عمر ان يصلها بمراعاة حقه، و يتوسل الى من امر بصلة الارحام بما وصلوه من رحم العباس، و ان يجعلوا ذلك السبب الى رحمة الله تعالىٰ.'' (شرح بخاری لابن بطال، جلد: ۳، ص ۹، مکتبۃ الرشید ریاض)

(۲) ''کنا نتوسل'' کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد بھی عام رمادہ تک آپ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے۔

لہٰذا اس سے یہ مطلب نکالنا کہ یہ وسیلہ حضور اقدس ﷺ کی ظاہری حیات تک محدود تھا، یہ حدیث میں تحریف اور تاویل بلا دلیل ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے اسی طرح آپ کے رشتہ داروں کا وسیلہ لانا بھی جائز اور درست ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال میں بھی نہیں تھی، یہ محض اپنی رائے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد قرار دینا ہے۔

(۴) اس حدیث میں ''بعم نبینا'' کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے اس میں حضرت عباس کے رشتہ نبی ﷺ کا وسیلہ ملحوظ تھا، کیونکہ اس دعا میں بعباس نہیں ہے بلکہ ''بعم نبینا'' کے الفاظ ہیں، اور رشتہ نبی ﷺ کا وسیلہ بھی در حقیقت نبی ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

(۵) علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

جب عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا گیا تو آپ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! مصیبت گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے دور ہوتی ہے، یہ لوگ میرے وسیلہ سے اس لیے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوئے ہیں کہ میرا تیرے نبی سے تعلق ہے۔ اے اللہ! اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے۔'' (عمدۃ القاری، ج:۷، ص/۳۲-۳۳، دارالفکر بیروت)

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عمر نے اگر حضرت عباس کو وسیلہ بنایا ہے تو یہ بھی دیکھو کہ حضرت عباس خود نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا رہے ہیں، اگر حضرت عمر بعد وصال وسیلہ ناجائز سمجھتے تو حضرت عباس سے کہہ دیتے کہ آپ کو وسیلہ اسی لیے بنایا گیا ہے کہ نبی کے وصال کے بعد نبی کا وسیلہ ناجائز ہے پھر آپ کیوں اللہ کے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر حضرت عمر اور صحابہ کرام کا اسے قبول کرنا اور خاموش رہنا بھی بعد وصال وسیلہ لینے کی دلیل ہے۔

(۶) حضرت عباس کی دعا میں بھی رسول اکرم ﷺ سے توسل ہے، ان کی دعا کا

ایک حصہ یہ ہے:

''وقد تقرب القوم بی لمکانی من نبیك''

یعنی تیرے نبی کی نسبت سے لوگوں نے میرے وسیلہ سے تیرا قرب چاہا ہے۔

دعا کا دوسرا حصہ یہ ہے ''فاحفظ اللھم بنبیك فی عمه''

یعنی اے اللہ! اپنے نبی کی لاج رکھ اس کے چچا کے بارے میں

(۷) حافظ ابن عبد البر اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایات پہنچی ہیں کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ استسقا کے لیے نکلے اور دعا کی: اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے تیرا قرب چاہتے ہیں اور ان کو شفیع بناتے ہیں، پس تو ان میں اپنے نبی ﷺ کی رعایت فرما جیسے تو نے دو بچوں کی ان کے باپ کی نیکی کے طفیل حفاظت فرمائی''۔ (الاستیعاب، ج:۲، ص/۸۱۴، دارالجیل بیروت)

(۸) یہاں ذات کے بجائے دعا کا وسیلہ مراد لینا محض خواہشات نفسانی کی پیروی کے سوا کچھ نہیں۔

حافظ حدیث امام ابن عبد البر ''استیعاب'' میں فرماتے ہیں:

''ھذا واللہ الوسیلة الی اللہ عزوجل والمکان منه''

(الاستیعاب، فی معرفة الاصحاب، ج:۲، ص/۸۱۵، دارالجیل بیروت)

حضرت عباس اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ اور صاحب مرتبہ ہیں۔

یہ صاف اقرار ہے کہ دعا کا وسیلہ مراد نہیں بلکہ حضرت عباس کی ذات کا وسیلہ لیا گیا۔

(۹) حضرت عمر کے ارشاد کا ایک حصہ اور فتح الباری'' میں اس طرح آیا ہے:

حضرت عمر نے فرمایا: ''واتخذوه (يعني العباس) وسيلة الى الله''

(فتح الباری ج:۲،ص ر ۸۱۵،دارالمعرفۃ، بیروت)

لوگوں ان (حضرت عباس) کو خدا کی بارگاہ کے لیے وسیلہ بناؤ!

اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''اتخذوه وسيلة'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کراؤ تو اس معنی کی یہاں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان ''اتخذوه وسيلة'' کا معنی یہی ہوگا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ، نہ کہ ان کی دعا کا وسیلہ آپ کی مراد ہے۔

(۱۰) فتح الباری میں منقول ہے: ''نبی اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ ''لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب کے کہنے پر حضرت عباس کو وسیلہ بنایا تھا اور حضرت کعب نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم انبیاے کرام کے رشتہ داروں کی دعا کا وسیلہ لیا کرتے تھے بلکہ یہ کہا تھا کہ ''ہم انبیاے کرام کے رشتے داروں کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے'' اس پر حضرت عباس کو وسیلہ بنایا گیا تو یہ دعا کا وسیلہ کہاں ہوا؟ ذات کا وسیلہ ہوا۔

(۱۲) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بارگاہ الٰہی میں نہ صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز، بلکہ صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، کیونکہ یہ دعا صحابہ کرام کے اجتماع میں مانگی گئی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔

یہ تھا اس حدیث کا مفہوم جسے ضمیر نے کیا کا کیا بنا دیا اور اپنے فاسد مقصد کے حصول کے لیے حقائق کا خون کیا۔ مگر غیر مقلدین اپنی عادت سے مجبور دوسروں کی بات سنتے نہیں جب تک خود گھر کا آدمی گواہی نہ دے، لہٰذا اخیر میں غیر مقلد علما کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

توسّل اور اہلِ حدیث

غیر مقلد نواب وحید الزماں خان لکھتے ہیں:

''جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر نے جو حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا کی تھی وہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں، انہوں نے حضرت عباس کے وسیلہ سے اس لیے دعا کی تا کہ حضرت عباس کو لوگوں کے ساتھ دعا میں شریک کریں، اور انبیا علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ابن عطا نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعوی کیا پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی ﷺ سے استعانت کرنا جائز نہیں۔ ہاں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب وسنت کی تصریح سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا....

قاضی شوکانی نے کہا کہ انبیا میں سے کسی نبی اور اولیا میں سے کسی ولی اور کسی عالم کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے۔ جو شخص قبر پر جا کر زیارت کر لے یا فقط دعا کرے اور اس میت کے وسیلہ سے دعا کرے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفا دے اور میں اس بندے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں۔'' (ہدیۃ المہدی ص ر ۴۷ تا ۴۹)

نواب صاحب ایک جگہ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"ہمارے شیخ المشائخ مولانا محمد اسحاق نے "سومسائل" میں فرمایا ہے
کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرنا جائز ہے: "یا اللہ بحرمت فلاں
میری ضرورت پوری فرما" اور دعاے استفتاح میں "بحرمة
الشهر الحرام والمشعر العظام وقبر نبيك عليه السلام"
کے الفاظ آئے ہیں۔ اور مولانا اسماعیل شہید نے "تقویۃ الایمان"
میں یہ دعا فرمائی ہے "اللهم انی اسئلك بوسيلة فلان من
الاولياء" (اے اللہ میں فلاں ولی کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا
ہوں)۔ (ہدیۃ المہدی، ص:۴۹)

ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں بعض جگہوں پر جوازِ توسل بالنبی ﷺ ثابت کیا ہے۔
ایک جگہ لکھا:

"اس طرح دعا میں توسل بالنبی ﷺ جائز ہے، جیسا کہ ترمذی نے
صحیح حدیث روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی:
"اللهم انی اسئلك واتوسل اليك بنبيك محمد ﷺ نبی
الرحمة يا محمدانی اتوجه بك الی ربك فيجلی حاجتی
ليقضيها فشفعه فی" فهذا التوسل به حسن".

تو یہ توسل بالنبی ﷺ مستحسن ہے۔
(مجموع الفتاویٰ، ج:۳، ص:۲۷۶، مجمع الملک فہد، السعودیۃ)

نواب وحید الزماں صاحب نے اپنی کتاب نزل الابرار میں لکھا ہے۔
"انبیا اور صالحین سے توسل جائز اور اس میں زندے مردے سب
برابر ہیں۔" (نزل الابرار، ص:۵، سعید المطابع، بنارس)

اہلِ حدیث کے ایک عالم ابوالمکارم محمد علی نے لکھا:

"لفظ یارسول اللہ سے مراد یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات صرف
وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور مصیبت اللہ تعالیٰ ہی دور فرماتے ہیں یا
یہ کہے کہ: اے اللہ کے رسول! میں فلاں مشکل سے چھٹکارے میں
آپ کو واسطہ بناتا ہوں تو یہ جائز ہے"۔
(الجوابات الفاخرہ، ص:۶۵، بحوالہ آئینہ غیر مقلدیت)

مزید لکھتے ہیں:
"حدیث "يا محمد انی قد توجهت بك الی ربی" سے مشکل
اوقات میں توسل بالنبی کا جواز ثابت ہوتا ہے"۔ (بحوالہ سابق، ص:۷۱)

ابو زید صاحب! آپ اہلِ حدیث کا عقیدہ کچھ اور بتاتے ہیں اور آپ کے اکابر
کچھ اور راگ الاپتے ہیں۔ سچ ہے کہ فرقہ اہلِ حدیث اسی طرح کی متضاد باتوں کی وجہ
سے معما بن کر رہ گیا ہے، ہم منتظر ہیں کہ مستقبل میں کتنی قلابازیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

میں آئینہ ہوں دکھاؤں گا داغ چہرے کا
جسے خراب لگے سامنے سے ہٹ جائے

ایک اور فریب کاری

ابو زید کی ایک فریب کاری ملاحظہ کریں! لکھا:

> اگر نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا
> کرنا صحیح ہوتا تو حضرت عمر نبی ﷺ کی ذات کو چھوڑ کر عباس رضی اللہ
> عنہ کا انتخاب نہ کرتے، جبکہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس اب بھی جا
> سکتے تھے، اور آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کر سکتے تھے، معلوم ہوا
> کہ یہ وسیلہ آپ ﷺ کی ذات کا نہیں بلکہ آپ کی دعا کا وسیلہ تھا، جو

> اَب وفات کے بعد نہ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کے ہاں کسی کے نام یا ذات کے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ تھا ہی نہیں بلکہ اس کے بجائے کسی نیک شخص سے دعا کروانے کا طریقہ تھا، لہٰذا عمر نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے چچا سے دعا کروائی، یہاں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نبی ﷺ کی قبر پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کا طریقہ بھی صحابہ کے ہاں نہیں تھا، ورنہ حضرت عمر اس موقع پر ضرور ایسا کرتے۔ بس اہلِ حدیث اسی طریقہ پر عامل ہیں جو عمر سے ثابت ہوتا ہے کہ زندہ حاضر صالحین سے دعا کروائی جائے۔ لیکن اس کے بر عکس ان کا نام لے کر ان کی ذات کے وسیلہ سے دعا کروانا ایک ایسا عمل ہے جو نہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کے عمل سے۔
> (ص:۲۶۔۲۷)

اس عبارت میں ابوزید نے جو گل افشانیاں کی ہیں اس کا حاصل یہ ہے:

☆ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کرنا صحیح نہیں۔
☆ حدیث استسقا میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ نہیں آپ کی دعا کا وسیلہ تھا۔
☆ صحابہ کے ہاں کسی کے نام یا ذات کے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ تھا ہی نہیں۔
☆ نبی ﷺ کی قبر پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کا طریقہ صحابہ کے ہاں نہیں تھا۔
☆ ذات کے وسیلہ سے دعا ایک ایسا عمل ہے جو نہ کتاب وسنت سے ثابت نہ عمل صحابہ سے۔

آیئے! ابوزید کی ان لن ترانیوں کا جائزہ لیا جائے اور ان تمام فریبوں کا پردہ چاک کیا جائے۔

ذات کا وسیلہ جائز!

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ."

(سورہ: مائدہ۔ آیت: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

ایمان، نیک اعمال، عبادت وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں وسیلہ عام ہے، ذات و عمل صالح دونوں کو شامل ہے اور جب آیت کریمہ عام ہے تو حاضر، زندہ اور غیر ذات کی تخصیص کرنا قرآن کی تفسیر محض اپنی رائے سے کرنا ہے جو خواہش کی پیروی کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے"۔

(القول الجمیل مترجم، ص: ۳۳، مطبوعہ سعید کمپنی، کراچی)

اور اہلِ حدیث کے امام شاہ اسماعیل دہلوی نے اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھا:

''سالکانِ راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد کیا ہے، پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاش مرشد از بس ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے'' (صراط مستقیم، ص: ۵۰، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور)

جب وہابیہ کا امام خود صراحت کر رہا ہے کہ آیت کریمہ ذات مرشد کے وسیلہ کو بھی شامل ہے پھر بھی ابوزید کا یہ کہنا کہ ذات کا وسیلہ قرآن وسنت سے ثابت نہیں سراسر مذبوحی حرکت اور اپنے امام سے بغاوت ہے۔

وسیلہ کا مفہوم

اس آیت کریمہ میں وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ امام لغت علامہ جوہری فرماتے ہیں:

"الوسیلة مایتقرب به الی الغیر"

(لسان العرب، فصل الواو، جلد ۱۱، ص: ۷۲۵، دار الصادر، بیروت)

یعنی جس چیز سے غیر کا تقرب اور نزدیکی حاصل کی جائے وہ وسیلہ ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

الوسیلة: "ھی فی الاصل مایتوسل به الی الشی و یتقرب به"

یعنی دراصل وسیلہ وہ ہے جس کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے یا اس کا قرب حاصل کیا جائے۔

(النہایہ، باب وسیلہ فی غریب الاثر والحدیث، ج:۵، ص:۱۸۵، مکتبہ علمیہ بیروت)

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جس کے ذریعہ تقرب اور نزدیکی حاصل کی جائے وہ وسیلہ ہے اب وہ خواہ عمل ہو یا ذات۔

مگر آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ کھلا ہوا فراڈ کرنا کہ قرآن میں ذات کے وسیلہ کا حکم نہیں ہے یہ ابوزید جیسوں ہی کا کام ہے۔

ایک دلچسپ مباحثہ

یہاں نجدی قاضی کے ساتھ ایک عالم حق کے مباحثہ کا ذکر لطف سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۱ء مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ) سے ایک نجدی قاضی نے مسئلہ توسل پر بحث اور سوال کیا کہ جواز توسّل پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کیجیے، انھوں نے جواز توسل کی یہ قرآنی دلیل پیش کی۔

"یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیه الوسیلة"

(سورہ: مائدہ، آیت: ۳۵)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

نجدی قاضی نے کہا: اس میں اعمال صالحہ کا وسیلہ مراد ہے، حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے برجستہ سوال فرمایا: ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ یہ سوال سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور کہنے لگا: اعمال مقبول بھی ہو سکتے ہیں مردود بھی اس لیے یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے پھر سوال فرمایا: اللہ کے رسول حضور سید کائنات ﷺ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟ اس نجدی قاضی نے جواب دیا: وہ یقیناً بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: اعمال صالحہ جن کی مقبولیت مشکوک ہے ان کا وسیلہ اس آیت کی روشنی میں جائز ہے تو پھر سید عالم ﷺ کا وسیلہ کیوں جائز نہیں جو بارگاہ الٰہی میں یقیناً قطعاً حتماً مقبول ہیں؟

اس جواب پر نجدی قاضی مبہوت ہو گیا اور فوراً حضرت مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کو اس نے رہا کر دیا۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما"

(سورہ: النساء، آیت: ۶۴)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں اور آپ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے طلب مغفرت کا حکم دیا گیا، اگر غیر مقلدین کو یہ ضد ہے کہ آپ کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری حیات ہی تک محدود تھا تو اگرچہ یہ بات بلا دلیل بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہے، مگر پھر بھی اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس

حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ اس آیت کریمہ میں آپ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہوا، اور غیر مقلدین اس کے بھی منکر ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اولٰئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب“

(سورہ: بنی اسرائیل، آیت: ۵۷)

وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں، وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہیں کہ: آیت ایک عرب جماعت کے حق میں نازل ہوئی، جس کے لوگ جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے اور ان کو پوجنے والے اس سے بے خبر رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت کے ذریعہ اطلاع دی اور فرمایا: جنہیں تم پوج رہے ہو وہ ہمارے حضور سر بسجود ہیں اور وہ خود ہمارے مقربین کا وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

(مسلم، کتاب التفسیر، باب: ۴، حدیث: ۳۰۳۰، ص/ ۲۳۲۱، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ مقربین بارگاہ الٰہی خود بھی قرب الٰہی کے حصول کے لیے اپنے سے زیادہ مقرب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں، لہٰذا مقربین کا وسیلہ امر جائز ہے۔

(۴) حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں:

”ایک نابینا شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے صحت وعافیت عطا فرمائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو میں اسے تیرے لیے موخر کر دوں اور یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کروں۔ اس نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجیے! آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اچھی

طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ، پھر یہ دعا کر:

”اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بمحمد ﷺ نبى الرحمة، يامحمد انى قد توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه لتقضى اللهم فشفعه فى“

اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے صدقے میں تیرے بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! نبی رحمت ﷺ کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔

(ابن ماجہ، باب صلاۃ الحاجۃ، ج:۱، حدیث: ۱۳۸۵، ص/ ۴۴۱، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

حضرت عثمان بن حنیف کا بیان ہے: اللہ کی قسم! ابھی ہم مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ کوئی لمبی بات ہم نے ابھی کی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس آیا جیسے وہ کبھی نابینا ہی نہیں تھا۔ (دلائل النبوۃ، ج:۶، ص/ ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ملّا علی قاری حدیثِ مذکور کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ دعا میں انبیا وصالحین کا وسیلہ پیش کرنا امور مستحبہ میں سے ہے۔ (الحرز الثمین ص: ۲۵۳، ریاض)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے، امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق اسے صحیح قرار دیا، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا، طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے، ابن خزیمہ اور ان مذکورہ ائمہ محدثین نے اس کی صحت کا حکم کیا ہے۔ سنن کبریٰ للبیہقی میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ابوزید یہ کہہ کر لوگوں کو فریب دیں کہ میں اسے صحیح نہیں مانتا، لہٰذا غیر مقلدین کی ایک معتمد شخصیت کا حوالہ پیش کر دیا جائے۔

اس حدیث پر شوکانی کا یہ ریمارک خاص طور سے ''ابوزید ضمیر'' کی نذر ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

''وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ ﷺ الی اللہ عزوجل''

یعنی یہ حدیث رسول اکرم ﷺ کا وسیلہ لینے کے جواز پر دلیل ہے۔

(تحفۃ الذاکرین، ص:۱۸۰، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت)

ضمیر صاحب! کہاں گئی وہ لن ترانی کہ صحابہ کے ہاں ذات کے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ ہی نہیں، یہاں نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے والے صحابی ہیں اور تعلیم دینے والے خود حضور اکرم ﷺ ہیں۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لما اقترف آدم الخطيئة ،قال :يارب أسألك بحق محمد ﷺ لما غفرت لى، فقال الله عز وجل :ياآدم! و كيف عرفت محمدا ولم اخلقه ؟قال :لا نك يارب لما خلقتنى بيدك و نفخت فى من روحك رفعت رأسى فرأيت على قوائم العرش مكتوبا :''لااله الا الله محمد رسول الله'' فعلمت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك. فقال الله عز وجل: صدقت يا آدم انه لا حب الخلق الى واذ سئلتنى بحقه فقد غفرت لك، ولولا محمد ما خلقتك'' (دلائل النبوۃ، ج:۵، ص ر ۴۸۹، دارالکتب العلمیہ)

جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطاے اجتہادی سرزد ہوئی، تو انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) عرض کیا: پروردگار! میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا

ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں تخلیق بھی نہیں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: مولا! جب تو نے اپنے دست قدرت سے مجھے تخلیق کیا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی، میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو عرش کے ہر ستون پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا، میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اسی کا نام ہوسکتا ہے جو تمام مخلوق میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہی ہے، تم نے اس کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے معاف کردیا، اور اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا۔

امام طبرانی نے اسے معجم صغیر میں حضرت عمر سے روایت کیا۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام فی زیادۃ خیر الانام (ص۱۲۰) میں امام حاکم کے قول کی تصدیق کی۔

امام جوزی نے الوفاء باحوال المصطفیٰ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا:

''فهذا الحديث يؤيده الذى قبله وهما كالتفسير للاحاديث الصحيحة.''

(مجموع الفتاویٰ، ج۲:ص:۱۵۱، مجمع الملک فہد، سعودیہ)

اس حدیث کی تائید ماقبل کی حدیث کررہی ہے اور یہ دونوں (یہ اور استسقاء عمر بالعباس) صحیح حدیثوں کی تفسیر وتوضیح کی منزل میں ہیں۔

(۶) حضرت سلیم بن عامر قبائلی سے مروی ہے:

ایک مرتبہ جب بارش نہیں ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لیے نکلے، جب حضرت امیر معاویہ ممبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن اسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے، حضرت امیر معاویہ کے حکم پر وہ ممبر پر چڑھے اور خود حضرت امیر ان کے قدموں میں بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی:

اے اللہ! آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کی سفارش پیش کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید بن اسود جرشی کی سفارش پیش کرتے ہیں۔ حضرت یزید نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے (اور دعا کی) اچانک مغرب کی طرف سے بادل اُٹھا، ہوا چلنے لگی اور زوردار بارش شروع ہوگئی، یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۷، ص:۴۴۴، دار صادر، بیروت)

(۷) "عن انس بن مالك قال: قال رسول ﷺ: يجمع الله الناس يوم القيمة فيهتمون لذلك، وقال ابن عبيد: فيلهمون لذلك فيقولون: لو استشفعنا على ربنا حتى يريحنا من مكاننا هذا، قال: فياتون آدم عليه الصلوة والسلام، فيقولون: انت آدم ابو الخلق، خلقك الله بيد ه ونفخ فيك من روحه، وامر الملٰئكة فسجد والك، اشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناكم، فيذكر خطيئتهٗ التى اصاب، فيستحى ر به عزوجل منها، ولكن ائتوا نوحا، اول رسول بعثه الله.

قال فياتون نوحا عليه الصلوٰة والسلام فيقول: لست هناكم، فيذكر خطيئته التى اصاب فيستحى ر به منها، ولكن ائتوا ابراهيم عليه الصلوة والسلام الذى اتخذه الله خليلا، فياتون ابراهيم عليه السلام فيقول: لست هناكم، و يذكر خطيئته التى اصاب فيستحى ر به تعالىٰ

منها، ولكن ائتوا موسىٰ عليه الصلٰوة والسلام الذى كلمه الله واعطاه التوراة، قال: فياتون موسىٰ عليه السلام فيقول: لست هناكم، و يذكر خطيئته التى اصاب فيستحى ر به منها، ولكن ائتو ا عيسىٰ عليه الصلوة والسلام روح الله وكلمته، فياتون عيسى عليه الصلوة والسلام روح الله وكلمته فيقول: لست هناكم، ولكن ائتو امحمداً ﷺ عبدا قد غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر.

قال: قال رسول الله ﷺ :فياتونى فاستاذن على ربى فيوذن لى، فاذا انا رايته وقعت ساجدا، فيد عنى ماشاء الله، فيقال: يامحمد! ارفع راسك، قل تسمع، سل تعطه، اشفع تشفع، فارفع راسى، فاحمد ربى بتحميد يعلمنيه ربى عزوجل، ثم اشفع فيحدلى حدا فاخرجهم من النار، وادخلهم الجنة، ثم اعود فاقع ساجدا، فيد عنى ماشاء الله ان يدعنى، ثم يقال: ارفع راسك يامحمد! قل تسمع، سل تعطه، اشفع تشفع، فارفع راسى فاحمد ربى بتحميد يعلمنيه، ثم اشفع فيحد لى حدا، فاخرجهم من النار، وادخلهم الجنة، (قال فلا ادرى فى الثالثة اوفى الرابعة قال) فاقول: يارب! مابقى فى النار الامن حبسه القرآن، اى من وجب عليه الخلود"

(مسلم شریف، کتاب الایمان، حدیث ر ۱۹۳، ص:۱۸۱۔۱۸۲، دار احیاء الکتب العربیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا، لوگ قیامت کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کریں گے (اور ابن عبید ہ نے یوں بیان کیا ان لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ کس طرح قیامت کی پریشانی کو دور کیا جائے) کہیں گے ہم کسی

شخص کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کے لیے لاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں محشر کی پریشانی سے نجات دلائے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر وہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: آپ آدم ہیں جو تمام مخلوق کے والد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، آپ کے جسم میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی تعظیم کے لیے سجدہ ریز ہوں، آپ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجیے تاکہ وہ ہم کو محشر کی اس پریشانی سے نجات دے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس موقع پر اپنی (اجتہادی) خطا یاد آئے گی۔ وہ ان لوگوں سے معذرت کریں گے اور فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں ہے ان کو اپنے رب سے حیا آئے گی، البتہ تم حضرت نوح کے پاس جاؤ! وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف مبعوث کیا تھا۔

پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونگے، ان کو بھی اس وقت اپنی ایک (اجتہادی) خطا یاد آئے گی اور وہ شفاعت سے معذرت کریں گے اور فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں ہے۔ ان کو اپنے رب سے حیا آئے گی، البتہ تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ! جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔

پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، ان کو بھی اس موقع پر اپنی (اجتہادی) خطا یاد آئے گی اور وہ بھی معذرت کر کے فرمائیں گے: یہ میرا منصب نہیں ہے البتہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ! جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شرف کلام سے نوازا اور تورات عطا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، ان کو بھی اپنی اجتہادی خطا یاد آئے گی اور وہ بھی معذرت کر کے فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں ہے۔ البتہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ!

جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں ہے۔ البتہ تم محمد مصطفی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جن کے سبب ان کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیے تھے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر لوگ میرے پاس آئیں گے، میں اپنے رب سے شفاعت کی اجازت حاصل کروں گا، میں دیکھوں گا کہ میں اللہ کے حضور سجدہ میں ہوں، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھایئے! کہیے آپ کی سنی جائے گی، مانگیے دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے حمد وثنا کروں گا جو اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں اس حد کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا۔

پھر میں دوبارہ سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد اپنا سر اقدس اٹھایئے! کہیے آپ کی سنی جائے گی، مانگیے، دیا جائے گا، شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں سجدہ سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ان کلمات سے حمد کروں گا جن کی وہ مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

حضرت انس کہتے ہیں: مجھ کو صحیح یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تیسری مرتبہ میں فرمایا، یا، چوتھی مرتبہ میں فرمایا: پھر میں عرض کروں گا: اے میرے رب! اب جہنم میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جن کے حق میں قرآن میں دائمی عذاب واجب کر دیا گیا ہے۔

ابوزید نے جس بے باکی کے ساتھ یہ فریب دینے کی کوشش کی کہ درحقیقت صحابہ کے ہاں کسی کے نام یا ذات کے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ تھا ہی نہیں.......۔ نبی

ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کروانا یہ ایک ایسا عمل ہے جو نہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کے عمل سے ....

ناظرین کرام ملاحظہ کریں !ان آیات اور احادیث میں ذات کے وسیلہ کا جواز موجود ہے۔مگر ابوزید کو نہ ان آیات قرآنیہ کی پرواہ، نہ ان احادیث سے سروکار۔

شرم نبی خوف خدا
یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

بعد وصال وسیلہ

بعد وصال وسیلہ بنانا بھی امر جائز ہے اور اس پر بھی قرآن وسنت کے دلائل موجود ہیں، جو آیات ماقبل میں تلاوت ہوئیں ان میں زندہ یا بعد وصال کی کوئی تخصیص نہیں لہٰذا ان کی روشنی میں جس طرح حیات ظاہری میں توسل جائز ہے یوں ہی بعد وصال بھی توسل جائز ہے۔

چند صریح حدیثیں ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی لحد کھود کر اس سے مٹی نکالی پھر اس میں لیٹ کر یہ دعا فرمائی:

”اللہ الذی یحی و یمیت وھو حی لا یموت،اغفر لا می فاطمة بنت اسد ولقنها حجتها، و وسع علیها مدخلها بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی، فانك ارحم الراحمین .“

(طبرانی اوسط،حدیث/۱۸۹،ج/۱،ص/۶۸،مطبوعہ دار الحرمین،قاھرہ)

اللہ جو زندگی اور موت دیتا ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا، جسے کبھی موت نہ آئے۔اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔انہیں حجت تلقین فرما۔ان کی قبر کشادہ فرما، اپنے نبی اور انبیاے سابقین کے حق کی برکت سے۔بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

اس حدیث و دیگر احادیث میں وارد ہے کہ انبیاے کرام کا جو حق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اسے نبی کریم ﷺ نے وسیلہ بنایا جب کہ یہ انبیاے کرام پردہ فرما چکے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور اہل حق کو بھی، خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پاچکے ہوں۔

اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط کے علاوہ معجم کبیر میں سند جید سے روایت کیا ہے، ابن حبان نے، امام حاکم نے مستدرک میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے، علامہ ابن شیبہ نے جابر سے اور حافظ ابن عبد البر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے راویوں میں روح ابن صلاح کے بارے میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور حاکم نے انھیں ثقہ اور مامون کہا ہے۔ نیز اس حدیث کی متعدد سندیں ہیں جو ایک دوسرے کو قوت دیتی ہیں، اور تعدد طرق سے مروی حدیث اگر ضعیف بھی ہو تو حسن ہوجاتی ہے، جیسا کہ اصول حدیث کا مسلمہ ضابطہ ہے۔

لہٰذا اس حدیث کو ضعیف کہہ کر دامن چھڑانے کی کوشش نہ کی جائے۔

(۲) ایک شخص دربار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں کئی بار آیا گیا۔آپ کی اس کی طرف نہ توجہ ہوسکی، نہ اس کی ضرورت پوری ہوئی۔اس شخص نے عثمان بن حنیف سے مل کر اپنا یہ ماجرا سنایا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا: تم وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو! اس کے بعد یہ دعا کر کے عرض حاجت کرو۔

”اللھم انی اسألك و اتوجه الیك بنبینا محمد ﷺ نبی الرحمة یا

محمد انی اتوجه بك الی ربك فیقضی لی حاجتی"

اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا اور دربار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوا، دربان اس کے قریب آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس شخص کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا، آپ نے اسے فرش پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا: تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت کا ذکر کیا، جسے آپ نے پوری کر دی اور فرمایا تم نے ابھی اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے، اب کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آ جانا۔

وہ شخص آپ کے پاس سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مل کر اس نے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ نہ میری طرف توجہ کی جاتی تھی، نہ میری حاجت پوری کی جاتی تھی، آپ کی سفارش سے اب کام ہوا۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ! میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہاں! رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا کہ جب آپ کے پاس ایک نابینا شخص نے آ کر اپنی بینائی جاتی رہنے کی شکایت کی تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا:

کیا تم صبر کرو گے؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں ہے مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: وضوخانہ جا کر وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرو۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: واللہ! ہم ابھی نہ جدا ہوئے تھے، نہ کوئی لمبی بات ہوئی، اتنے میں وہ شخص اس طرح آیا کہ وہ کبھی نابینا نہیں تھا۔

(طبرانی کبیر، حدیث: ۸۳۱۰، ج:۹، ص: ۳۰، دار ابن تیمیہ قاہرہ۔ طبرانی صغیر)

ابن تیمیہ کی تائید

ابن تیمیہ اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال الطبرانی: روی هذا الحدیث شعبة عن جعفر، و اسمه عمیر بن یزید، و هو ثقة تفرد به عثمان بن عمر عن شعبة، قال ابو عبد الله المقدسی: والحدیث صحیح. قلت: والطبرانی ذکر تفرده بمبلغ علمه، ولم تبلغه روایة روح بن عباده عن شعبة، و ذلك اسنادصحیح یبین انه لم ینفرد به عثمان بن عمر."

(قاعدہ جلیلۃ، فی التوسل والوسیلۃ، ص ر ۲۱۲، مکتبہ الفرقان)

امام طبرانی نے کہا: اس حدیث کو شعبہ نے جعفر سے روایت کیا ہے، اس کا نام عمیر ابن یزید اور وہ ثقہ ہے، عثمان بن عمر شعبۃ سے اس روایت میں متفرد ہے، ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی نے اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے عثمان بن عمر کو متفرد کہہ دیا۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن عمر اس روایت میں متفرد نہیں۔

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنا خط امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے نام مقام یرموک میں بھیجا، جب حضرت عبد اللہ ابن قرط رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر آئے تو ان کو خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے روضہ اقدس میں سلام نہیں کیا، چنانچہ واپس جا کر جب قبر انور کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں حضرت عائشہ، حضرت عباس، حضرت امام حسن، و امام حسین رضی اللہ عنہم موجود تھے حضرت عبد اللہ ابن قرط رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے جنگ یرموک میں اسلام کی فتح کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی:

"اللھم انانتوسل بھٰذا النبی المصطفی، والرسول المجتبیٰ الذی توسل به اٰدم فاجبت دعوته،و غفرت خطیئته، الاسھلت علی عبدالله طر یقه و طو یت له البعید وایدت اصحاب نبیك بالنصر انك سمیع الدعاء" (فتوح الشام،ج:۱،ص:۱۶۸،دارالکتب العلمیہ)

یا اللہ! ہم اس نبی مصطفی ورسول مجتبی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں،جن کے وسیلہ سے تو نے حضرت آدم کی دعا قبول کی اوران کو معاف فرمادیا،انہیں کے وسیلہ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ تو عبداللہ بن قرط پر ان کا راستہ آسان فرما،اور دور کو نزدیک کردے اوراپنے نبی کے اصحاب کی مدد فرما کر ان کو فتح عطا فرما۔

ان روایات میں آپ نے ملاحظہ کیا۔کہ حضور اکرم ﷺ نے ان انبیا علیہم السلام کے وسیلہ سے دعا فرمائی جو وصال کر چکے تھے،اور صحابی رسول عثمان بن حنیف نے بعد وصال توسل بالنبی کی تعلیم دی،اور حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بعد وصال، نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا فرمائی۔مگر ابوزید نے سچائی کا خون کرتے ہوئے کہا:

"یہ نہ فعل صحابہ سے ثابت ہے نہ کتاب وسنت سے۔"

قبر سے توسّل

جس طرح بعد وصال توسل جائز ہے یوں ہی صالحین کی قبروں پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی جائز ہے۔

خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ میں قبر انور سے توسل:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رسول اللہ ﷺ کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنی امت کے لیے

بارش کی دعا کیجیے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"اصاب الناس قحط فی زمن عمر،فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال :یارسول الله استسق لأ متك فانهم قد هلكوا، فاتی الرجل فی المنام فقيل له :ائت عمر فاقراه السلام، وأخبره انكم مسقيونه و قل له: عليك الكيس، عليك الكيس !فأتی عمر فأخبره فبكی عمر. ثم قال : يارب لا آلو الا ماعجزت عنه.

(المصنف،،ج۱۰،ص:۴۶۳،حدیث:۳۲۶۰۰،ناشر الفاروق الحدیثہ)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔پھر ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے! وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔خواب میں حضور ﷺ اس شخص کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اسے میرا اسلام کہو اور اسے بتاؤ کہ تم سیراب کردیے جاؤگے،اور یہ بھی کہہ دینا کہ عقل مندی اختیار کرے،عقل مندی اختیار کرے۔اس صحابی نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔عرض کیا :اے اللہ! میں (خدمت خلق میں کچھ) کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ جس چیز سے میں عاجز ہوں۔"

ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) نے "اقتضاء الصراط المستقیم" (ص:۳۷۳) میں اس روایت کی تائید کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ (۵:۱۶۷)" میں اس روایت کے بارے میں کہا ہے:"وھذا اسنادہ صحیح" اس کی اسناد صحیح ہے۔علم حدیث میں ابن کثیر کی شخصیت اہلِ حدیث کے ہاں مسلم ہے۔لہٰذا ان کی تصحیح کے بعد اہلِ حدیث کو تردد کی گنجائش نہیں۔

اسی سند کے ساتھ ابن ابی خیثمہ نے بھی روایت کیا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں نقل کیا اور سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیا۔
لکھتے ہیں: یہ روایت ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ بیان کی ہے۔

(فتح الباری، ج:۲،ص:۴۹۵۔۴۹۶، دارالمعرفہ بیروت)

اور سیف بن عمر تمیمی نے ''الفتوح الکبیر'' میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔''امام قسطلانی نے ''المواہب اللدنیۃ (جلد ۴،ص:۲۷۶)'' میں کہا ہے کہ اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، جب کہ علامہ زرقانی نے بھی ''شرح المواہب اللدنیۃ (۱۱:۱۵۰۔۱۵۱)'' میں امام قسطلانی کی تائید کی ہے۔

یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے تقریباً سات یا آٹھ سال بعد میں پیش آیا۔ اس وقت بکثرت صحابہ کرام موجود تھے اور خواب دیکھنے والے ایک جلیل القدر صحابی ہیں جن کی وفات ۶۷ھ میں ہوئی اور کسی صحابی سے شرک کا صدور نہیں ہوسکتا۔

امام مالک اور قبر نبی ﷺ سے توسل:

(۲) عباسی خلیفہ منصور جب روضہ اقدس پر حاضر ہوا تو امام مالک رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، خلیفہ نے ان سے دریافت کیا کہ میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول کریم ﷺ کی طرف؟ امام مالک نے فرمایا: تم اپنا چہرہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کیوں پھیرتے ہو حالانکہ نبی ﷺ ہی بارگاہ الٰہی میں تمہارا اور تمہارے والد حضرت آدم کا وسیلہ ہیں، اس لیے تم حضور ہی کی طرف رخ کر کے آپ سے شفاعت کی درخواست کرو! اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ (کتاب الشفاء، ج:۲،ص۴۱، دارالفکر)

(۳) علامہ عتبی فرماتے ہیں:

میں قبر نبی ﷺ کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے

عرض کیا: السلام علیك یا رسول الله!
پھر کہنے لگا۔ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما.

(سورہ: نساء، آیت: ۶۴)

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کریں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے۔
میں اس لیے حاضر ہوں کہ آپ کے توسل سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے استغفار اور طلب شفاعت کروں۔
پھر وہ اعرابی یہ شعر پڑھنے لگا:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه   فطاب من طيبهن القاع والاكم

اے ان تمام لوگوں میں بہتر جن کی ہڈیاں زمین میں مدفون ہوئیں تو ان کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے مہک اٹھے

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه   فی العفاف و فیه الجود والکرم

میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں۔ اسی قبر میں عفت بھی ہے اور جود و کرم بھی ہے۔

اس عرض مدعا کے بعد اعرابی واپس چلا گیا۔ اور مجھے نیند آ گئی، میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ خواب ہی میں آپ نے مجھے حکم دیا۔ ''الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر له'' اعرابی سے ملاقات کر کے اسے بشارت دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

اس واقعہ کو مندرجہ ذیل علما وائمہ نے بیان کیا ہے:

امام نووی: الایضاح فی المناسک، الباب السادس، ص: ۴۹۸۔

الحافظ عماد الدین: تفسیر القرآن العظیم زیر آیت ولو انہم اذ ظلموا الخ۔

شیخ ابو محمد ابن قدامہ: المغنی، ج: ۳، ص: ۵۵۶۔

شیخ ابو الفرج ابن قدامہ: الشرح الکبیر، ج: ۳، ص: ۴۹۵۔

شیخ منصور بن یونس البہوتی: کشاف القناع عن متن الاقناع، ج: ۵، ص: ۳۰۔

(۴) اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ امام قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر الجامع میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

ابو صادق نے حضرت علی سے روایت کیا:

رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا۔ وہ قبر رسول ﷺ پر بے اختیار لوٹنے اور اپنے سر پر خاک اڑانے لگا پھر اس نے کہا:

یا رسول اللہ! آپ نے حکم دیا تو ہم نے آپ کی بات مانی، آپ نے اللہ سے لے کر اسے محفوظ رکھا اور ہم نے آپ سے اسے حاصل کیا۔ اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ولو انهم اذظلموا انفسهم الخ۔ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں، قبر انور سے ندا آئی کہ تمہاری بخشش ہو گئی۔ (تفسیر القرطبی، زیر آیت ولو انھم اذ ظلموا، ج ۵ ص: ۲۶۵، دار الکتب المصریۃ، قاھرہ)

(۵) سنن دارمی میں ہے کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا، حضرت عائشہ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کے مزار کی طرف دیکھو اور اس کا روشندان اس طرح کھولو کہ آسمان اور قبر انور کے درمیان چھت حائل نہ ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور خوب بارش ہوئی۔

(سنن الدارمی، باب کرم اللہ نبیہ، حدیث: ۹۳، ج/۱، ص/۲۲۷، دار المغنی، سعودیہ)

یہاں نہ دعا کا ذکر ہے نہ کسی زندہ کا۔ اگر ہے تو بس اتنا ذکر کہ آسمان اور قبر انور کے درمیان کوئی حائل نہ ہو اور قبر انور کو وسیلہ بنایا گیا۔

ان روایات سے معلوم ہوا ہے کہ:

☆ صحابی رسول حضرت بلال ابن حارث مزنی نے قبر انور پر حاضر ہو کر نبی اکرم ﷺ سے توسل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی اطلاع دی اور دیگر صحابہ کرام موجود تھے مگر کسی نے اسے ناجائز نہیں کہا۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو روضہ انور پر آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے دیکھا اور منع نہیں کیا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قحط سالی کے موقع پر قبر انور کو وسیلہ بنایا۔

☆ حضرت امام مالک نے قبر انور کی طرف رخ کر کے وسیلہ بنانے کا حکم دیا۔

اور ان سب روایات سے آنکھیں موند کر ضمیر صاحب کہہ رہے ہیں: نبی ﷺ کی قبر پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کا طریقہ بھی صحابہ کے ہاں نہیں تھا۔

شتر مرغ کے آنکھ بند کر لینے سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ نظر نہ آئے مگر دوسرے بھی حقائق کو دیکھنے سے نابینا ہو جائیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین نے اپنی طرح دوسروں کو بھی ان حقائق سے اندھا کرنے کی ٹھان لی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے یہودیوں کی ایک خصلت بد کو بروئے کار لانا شروع کر دیا ہے جس کا ذکر قرآن مقدس میں موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"افتطمعون ان یؤمنو ا لکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم یعلمون."

کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان کا ایک فرقہ اللہ کا کلام سنتا ہے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تبدیلی کر دیتا ہے۔ (سورہ: بقرہ، آیت: ۷۵)

اور فرمایا:

”یااھل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون.“

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور کیوں حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔ (سورہ: آل عمران، آیت: ۷۱)

ان آیات میں یہودیوں کی اس بری عادت کا تذکرہ ہوا کہ یہ لوگ کلام الٰہی میں جان بوجھ کر تبدیلی کرتے ہیں اور بہت سی باتوں کو چھپا لیتے ہیں۔ آج نام نہاد اہلِ حدیث اس یہودی خصلت پر کاربند ہیں، اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ یہاں میں مسئلہ توسل کے حوالے سے آپ کو اس حقیقت سے روشناس کراتا ہوں کہ نام نہاد اہلِ حدیث کے نشریاتی ادارہ دارالسلام ریاض نے تفسیر ابن کثیر کا انگریزی ترجمہ شائع کیا، اس میں جہاں اور بہت سی تحریفات کیں۔ ایک تحریف یہ کی کہ امام ابن کثیر نے سورہ نساء آیت ۶۴ کے تحت امام عتبی کا جو مشہور واقعہ نقل کیا ہے جس میں بعد وصال نبی اکرم ﷺ سے توسل کا ذکر ہے، اس واقعہ کو انگریزی ترجمے میں سرے سے ہی حذف کر دیا گیا، انگریزی نسخے میں تحریف ہوئی ہے، اب آگے عربی نسخے کا نمبر ہے تاکہ بعد میں اگر کوئی بعد وصال توسل پر ابن کثیر کا حوالہ دے تو اسے جھٹلایا جا سکے!!

ڈھیٹ اور بے شرم دنیا میں بھی دیکھے ہیں مگر
سب پر سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

باب (۳)

اہلِ حدیث گستاخِ صحابہ ہیں!

صحابۂ کرام کی محبت تقاضۂ ایمان ہے، اور ان سے عداوت و دشمنی اللہ جل وعلا اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی ہے۔ مگر غیر مقلدین نے ان مقدس نفوس قدسیہ کو اپنی زبان درازی کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ جن خلفاے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم حدیث پاک میں وارد ہے ان پر بھی بے جا تنقیدیں کیں۔ ابوزید نے غیر مقلدین کی ان بکواسوں پر پردہ ڈالنے کے لیے لکھا:

> اہلِ حدیث سے متعلق تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ اہلِ حدیث صحابہ کو نہیں مانتے، صحابہ کی بات کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں.......

آگے لکھا ہے:

> اہلِ حدیث کے نزدیک صحابہ کو سب وشتم کرنے والا، ان کی شان کو گھٹانے کی کوشش کرنے والا، ان پر سے امت کے اعتماد کو مجروح کرنے کی کوشش کرنے والا لعنت کا حقدار ہے۔ (ص ۲۸-۲۹)

صحابہ کرام کی شان میں اہلِ حدیث کی گستاخیاں جگ ظاہر ہیں۔ چند گستاخوں اور ان کی گستاخیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ضمیر صاحب اگر واقعی اپنی بات کے سچے اور حق کے پیروکار ہیں تو پھر ان گستاخیوں کو پڑھنے کے بعد صحابہ کو سب وشتم کرنے والے، ان کی شان کو گھٹانے کی کوشش کرنے والے اور ان پر سے امت کے اعتماد کو مجروح کرنے والے، اپنی جماعت کے علما پر لعنت

بھیجیے اور ان سے برأت کا اظہار کیجیے۔

خلفاے راشدین کی توہین

جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق رئیس احمد ندوی لکھتے ہیں:

''اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحت بینی کی بنیاد پر بعض خلفاے راشدین بعض احکام شرعیہ کے خلاف بخیال خویش اصلاح و مصلحت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے۔ ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفا کی باتوں کو عام امت نے رد کر دیا۔''

(تنویر الآفاق، ص:۱۰۷، صہیب اکیڈمی)

اور لکھا:

''ہم آگے چل کر کئی ایسی مثالیں پیش کرنے والے ہیں، جن میں احکام شرعیہ و نصوص کے خلاف خلفاے راشدین کے طرز عمل کو پوری امت نے اجتماعی طور پر غلط قرار دے کر نصوص و احکام شرعیہ پر عمل کیا ہے۔'' (تنویر الآفاق، ص:۱۰۷، صہیب اکیڈمی)

صحابہ کرام کی افضلیت کا انکار

اس بات پر اہلِ سنّت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ساری امت میں سب سے افضل ہیں، کوئی غیر صحابی کسی مقام پر بھی پہنچ جائے لیکن کسی بھی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ مگر غیر مقلد نواب وحید الزماں صاحب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فان کثیر امن متأخری علماء ھذہ الا مۃ کانوا افضل من عوام الصحابۃ فی العلم والمعرفۃ ونشر السنۃ وھذا

مما لاینکرہ عاقل .... ولکنہ یمکن ان تکون لبعض الاولیاء وجوہ اخری من الفضیلۃ لم تحصل للصحابی''

(صحابہ کرام کے) بعد آنے والے اس امت کے بہت سے علما عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علم، معرفت الٰہی اور سنت کے پھیلانے میں افضل تھے، یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی بھی عقل مند انکار نہیں کر سکتا (چند سطر بعد لکھتے ہیں) لیکن یہ ممکن ہے کہ اولیاے کرام کو دوسری وجوہ سے ایسی فضیلت حاصل ہو جو صحابی کو حاصل نہ ہو۔

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص:۹۰، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاسق ہیں (معاذ اللہ)

نواب وحید الزماں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''ومنہ یعلم ان من الصحابۃ من ھو فاسق کالولید ومثلہ یقال فی حق معاویۃ وعمر وو مغیرۃ وسمرۃ''.

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ صحابہ فاسق ہیں جیسا کہ ولید (بن عقبہ) اور اسی کے مثل کہا جائے گا معاویہ (بن ابی سفیان) عمرو (بن عاص) مغیرہ (بن شعبہ) اور سمرہ (بن جندب) کے حق میں (کہ وہ بھی فاسق ہیں، معاذ اللہ)۔ (نزل الابرار، جلد ۲، ص:۹۴)

یہ بیہودہ عبارت نزل الابرار کے جس نسخہ میں ہے، اسے ۱۳۲۸ھ میں مشہور غیر مقلد مولوی ابو القاسم سیف بنارسی نے اپنے اہتمام سے چھپوایا۔ لہٰذا یہ کہہ کر نجات نہیں مل سکتی کہ یہ عقیدہ صرف مولانا وحید الزماں کا ہے بلکہ یہی عقیدہ اکابر غیر مقلدین کا ہے، یہی وجہ ہے کہ جامعہ سلفیہ بنارس کی مطبوعہ کتاب ''اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات'' میں اس کا پر زور الفاظ میں تعارف کرایا گیا اور اس کتاب کو فقہ اہلِ حدیث کی مشہور کتاب بتایا گیا۔

نزل الابرار اور ہدیۃ المہدی کا تعارف ص ۶۲ پر ان الفاظ میں ہے:

"یہ کتابیں بھی فقہ اہلِ حدیث کے موضوع پر ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں۔" (صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر ص ۱۶)

حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی توہین

غیر مقلد مولوی محمد جونا گڑھی نے لکھا:

"پس آؤ سنو! بہت سے صاف موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان میں غلطی کی۔ اور ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے کہ فی الواقع ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروق اعظم بے خبر تھے"۔ (طریق محمدی، ص:۴۱)

ابن تیمیہ نے حضرت عمر و عثمان علیہما الرضوان کے بارے میں کہا:

"ان عمر له غلطات و بليات"

یعنی حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہت سی خطرناک غلطیاں ہیں۔

(فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۱۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابن حجر حضرت عثمان کے بارے میں ابن تیمیہ کا عقیدہ فاسدہ بیان کرتے ہیں:

"ان عثمان کان یحب المال"

یعنی بے شک عثمان رضی اللہ عنہ مال و دولت سے محبت کرنے والے ہیں۔

(الدرر الکامنہ، ج:۱، ص:۱۸۱، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"بھلا ان پاک نفسوں پر معاویہ کا قیاس کیوں کر ہو سکتا ہے، جو نہ

مہاجرین میں سے، نہ انصار میں سے، نہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی کوئی خدمت اور جاں نثاری کی، بلکہ آپ سے لڑتے رہے اور فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے مسلمان ہو گئے، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ کو یہ رائے دی کہ علی، طلحہ اور زبیر کو قتل کر ڈالیں۔" (حیات وحید الزماں، ص:۱۰۷)

آگے لکھتے ہیں:

"ایک سچے مسلمان کا جس میں ایک ذرہ برابر بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو، دل یہ گوارا کرے گا کہ وہ معاویہ کی تعریف اور توصیف کرے، البتہ ہم اہل السنۃ کا یہ طریقہ ہے کہ صحابہ کرام سے سکوت کرتے ہیں۔ اس لیے معاویہ سے بھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے اور یہی اسلم اور قرین احتیاط ہے مگر ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ کہنا سخت دلیری اور بے باکی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔"

(حیات وحید الزماں، ص:۱۰۹)

"ان لوگوں کو یہ معتبر تاریخی روایات نہیں پہنچیں کہ معاویہ برسرمنبر حضرت علی کو برا کہا کرتے تھے بلکہ دوسرے خطیبوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر خطبہ میں جناب امیر کو برا کہیں، معاذ اللہ ان پر لعنت کرتے رہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ معاویہ پر دنیا کی طمع غالب ہوگئی تھی، وہ حضرت علی کو اعلانیہ برا کہا کرتے تھے اور برسرمنبر ان پر لعنت کیا کرتے تھے..... اور حضرت علی کیا، معاویہ کو تمام خاندان رسالت سے دشمنی تھی"۔ (لغات الحدیث جلد ۲ ص ۱۴)

ایک دوسرے مقام پر حضرت معاویہ و حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

خلاف یوں زہر اگلتے ہیں:

''مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ معاویہ اور عمرو بن عاص دونوں باغی اور سرکش اور شریر تھے اور ان دونوں صاحبوں کے مناقب یا فضائل بیان کرنا ہرگز روا نہیں۔ بلکہ صرف صحابیت کا لحاظ کر کے ان کے ذکر کو سب وشتم سے پاک رکھنا ہی کافی ہے۔'' (لغات الحدیث جلد ۲ ص ۳۶)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی توہین

نواب صاحب لکھتے ہیں:

''مغیرہ نے اس سے بڑھ کر سخت ظلم اور بیدادیاں کی ہیں اور معاویہ کی حکومت میں صدہا آدمیوں کو ستایا اور ایذائیں دی ہیں، مگر چونکہ مغیرہ صحابی تھے لہٰذا اہل السنۃ ان کی صحابیت کی حرمت کر کے ان سے سکوت کرتے ہیں اور ان کا امر اللہ کے سپرد کرتے ہیں''۔

(لغات الحدیث، جلد ۱، ص: ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین

قاری عبدالرحمن پانی پتی تلمیذ وخلیفہ حضرت شاہ اسحاق صاحب لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالحق بنارسی نے ہزارہا آدمیوں کو عمل بالحدیث کے پردہ میں قید مذہب سے نکالا...... اور مولوی صاحب نے ہمارے سامنے کہا کہ عائشہ حضرت علی سے لڑ کر مرتد ہوئی، اگر بے توبہ مری تو کافر مری۔ (کشف الحجاب، ص: ۲۱)

نذیر حسین دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کا واقعہ اس رنگ میں تحریر کیا ہے جس سے مولوی صاحب کا یہ نظریہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو فاجرہ اور فاسقہ سمجھا تھا۔ (فتاویٰ نذیریہ، ص: ۲۴، جلد ۱/ بحوالہ الوہابیت، ص: ۲۰۳)

صحابہ کرام قصداً آیات کے خلاف عمل کرتے ہیں (معاذ اللہ)

قاری عبدالرحمن پانی پتی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق مولوی عبدالحق غیر مقلد کا گستاخانہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا:

''صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں۔ صحابہ سے ہمارا علم بڑا ہے صحابہ کو علم کم تھا''۔ (کشف الحجاب، ص: ۲۱)

نواب نور الحسن بھوپالی اہلِ حدیث، استمنا بالید کے قبیح فعل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض اہل علم نقل ایں استمناء از صحابہ نزد غیبت از اہل خود کردہ اندو درمثل ایں کار حرجے نیست بلکہ ہمچو استخراج دیگر فضلات موذیہ بدن ست۔'' (عرف الجادی، ص: ۲۱۵ فارسی)

بعض اہل علم نے صحابہ کرام سے بھی اس عمل کو جب کہ وہ اپنی بیویوں سے دور رہتے تھے، نقل کیا ہے غرض اس طرح کے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہاتھ سے منی نکالنا ایسا ہی ہے جیسے بدن سے دوسرے فضلات کو نکالا جائے۔

غیر مقلد رئیس احمد نے لکھا:

''بہت سے صحابہ وتابعین بہت سی آیات کی خبر رکھنے اور تلاوت کرنے کے باوجود مختلف وجوہ سے ان کے خلاف عمل پیرا تھے۔''

(تنویر الآفاق، ص: ۴۷)

وہابی مولوی زبیر صاحب راولپنڈی اپنی جماعت کے مشہور مولوی عبد القادر حصاروی کے متعلق لکھتے ہیں:

"مولانا حصاروی کی محض ہٹ دھرمی ہے۔اور اسی ہٹ دھرمی سے
کام لیتے ہوئے انہوں نے جماعت غرباے اہلحدیث اور اس کے
اکابر تو کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور محدثین عظام تک کو
اپنی تبدیہی، استہزائی اور جہلی مشین کے نشانے سے نہیں چھوڑا"
(صحیفہ اہلِ حدیث کراچی ص ۲ یکم ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ بحوالہ الوہابیت ص ۲۰۴)

حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی توہین

غیر مقلد مولوی رئیس احمد ندوی لکھتے ہیں:

"یہ بھی ظاہر ہے چونکہ بہ طریق معتبر ثابت ہے کہ ان دونوں جلیل
القدر صحابہ نے نصوص شرعیہ کے خلاف موقف مذکور اختیار کر لیا تھا۔
اس لیے صرف ان دونوں صحابہ کو نصوص کے خلاف ورزی کا مرتکب
قرار دیا جا سکتا ہے۔"
(تنویر الآفاق، ص:۸۷۔۸۸، صہیب اکیڈمی، پاکستان)

ایک جگہ لکھا:

"حضرت عمر اور ابن مسعود کے سامنے یہ آیات واحادیث پیش ہوئی
تھیں پھر بھی ان کی سمجھ میں بات نہیں آسکی۔" (ایضاً، ص:۴۱۸)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی توہین

حکیم فیض عالم غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جہالت، ضد، ہٹ دھرمی، نسلی عصبیت کا کوئی علاج نہیں، اپنے خود
ساختہ نظریات سے چمٹے رہنے یا مزعومہ تخیلات کو سینے سے لگائے
رکھنے کا دفعیہ ناممکن ہے، مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نام نہاد خلافت

کے متعلق قرآنی آیات، حضور صادق ومصدوق کے ارشادات کی
روشنی میں حقائق گذشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں، ان کی
موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو
خلافت راشدہ میں شمار کرنا صریحا دینی بد دیانتی ہے، مگر اغیار نے
جس چابک دستی سے آنجناب رضی اللہ عنہ کی نام نہاد خلافت کو خلافت
حقہ ثابت کرنے کے لیے دنیاے سبائیت سے درآمد کردہ مواد سے
جو کچھ تاریخ کے صفحات میں قلم بند کیا ہے اس کا حقیقت سے قطعاً کوئی
تعلق یا واسطہ نہیں"۔ (خلافت راشدہ، ص:۵۵۔۵۶)

اور کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اسی طرح اگر سیدنا علی کو بھی مسلمان منتخب کر کے خلیفہ بناتے تو ان کی
ذات کی وجہ سے خلافت کو ضرور وقار ملتا، مگر سیدنا علی نے خلافت کے
ذریعہ اپنی شخصیت اور ذات کو قد آور بنانا چاہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ
مسلمانوں کی سیلاب آسا فتوحات ہی ٹھپ ہو کر رہ گئیں، بلکہ کم وبیش
ایک لاکھ فرزندان توحید خاک وخون میں تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے"۔
(خلافت راشدہ، ص:۵۱)

نیز آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ اور خلافت حقہ ماننے والے حضرات کے متعلق
یوں لب کشائی کرتے ہیں:

"ہمیں اس مقام پر یہاں مکرر یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ سیدنا علی کی
نام نہاد خلافت نہ تو قرآنی معیار پر پوری اترتی دکھائی دیتی ہے، نہ ہی
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ فرمایا۔ بلکہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا تھا "ولا

ارا کم فاعلین'' اور نہ کسی صحابی نے آپ کی خلافت پر آپ کی بیعت کی تھی اور نہ محض زبانی ہی آپ کی خلافت کو تسلیم کیا تھا، اور نہ ہی بعد کے مؤرخوں نے آپ کی خلافت کے حق میں کوئی ثبوت پیش کیا ہے، تو آج کے ان بزعم خویش ''مولاناؤں'' کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ سیدنا علی کو خلافت راشدہ میں شمار کر کے بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب کا ارتکاب کریں۔ حضور صادق و مصدوق ﷺ کے فرمودات کو جھٹلانے کی جرأت کریں اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے عمل کو باطل قرار دینے کا اقدام کریں۔ گویا اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو جو بات نہ سوجھی وہ زکوٰۃ وصدقات اور خیرات کی روٹیوں پر پلنے والے اور یتیم خانوں کے مطبخوں کی ہنڈیاں چاٹ کر پروان چڑھنے والے نام نہاد مولویوں کو نظر آ گئی اور آج انہوں نے خلافت راشدہ، حق چار یار کے نعروں سے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے''۔

(خلافت راشدہ ص ۷۸۔۷۹)

ایک مقام پر یوں زہر افشانی کرتے ہیں:

''صدیقۂ کائنات جنگ جمل کے بعد مدینہ پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئیں مگر سیدنا علی نے بصرہ میں بقول مشہور باطنی داعی ناصر خسرو، مسعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح کر کے اس کے مکان میں قیام فرمایا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳۵ھ کا ہے یعنی اس وقت حضرت علی کی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی، حضرت طلحہ الخیر اور حواریٔ رسول حضرت زبیر کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہ کرام کی شہادت کے بعد جبکہ عالم اسلام کا

تقریباً ہر گھرانہ ماتم کدہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سیدنا علی کا لیلیٰ سے نکاح فرمانا عظیم عزم، حوصلہ اور استقلال سے بھرپور کارنامہ ہے یاللعجب!'' (صدیقۂ کائنات، ص: ۲۲۷)

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی صحابیت کا انکار

حکیم صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت حسنین کو زمرۂ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔'' (سیدنا حسن بن علی، ص: ۲۳)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی توہین

حکیم صاحب حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسن کو اپنی ماں کا دودھ پینے کا موقع نہ ملا تھا، آپ کی پرورش دوسرے دودھ سے ہوئی تھی، اس لیے صحت کے لحاظ سے آپ کمزور تھے اور کما حقہ نشوونما نہ پا سکے تھے اور اس پر کثرت سے حرم کی زندگی (کثرت جماع) کے دلدادہ تھے، جس کی وجہ سے آپ کو بعض روایات کے مطابق آخری ایام میں سل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا''۔ (سیدنا حسن بن علی، ص: ۸۰)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن کی موت کے متعلق اپنی تالیفات ''عترتِ رسول'' اور ''حسن بن علی'' میں دلائل کے ساتھ ثابت کر چکا ہوں کہ کثرتِ جماع، ذیابیطس اور تپ محرقہ سے ہوئی، آپ کہاں شہید ہوئے تھے

اورآپ کوکس نے شہید کیا تھا''۔ (خلافت راشدہ،ص:۵۱۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین

حکیم صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفرکوفہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مکہ سے روانگی تک خروج کے ارادہ کوکسی نے کوئی اہمیت نہ دی، ایک پرامن سلطنت کے اندر ایک آدمی کی اس قسم کی حرکات سنجیدہ لوگوں کے نزدیک ایک بچکانہ حرکت تھی، جن لوگوں نے آپ کوروکا ان کے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ گھر سے نکل کر شاید سفر کی تکالیف ایک شہزادے کے بس کا روگ نہیں ہوگی''۔

(واقعۂ کربلا،ص:۷)

مزید لکھتے ہیں:

''آپ اعلائے کلمۃ الحق کے نظریہ کے تحت عازم کوفہ نہیں ہوئے تھے بلکہ حصول خلافت کے لیے آپ نے یہ سفر اختیار کیا تھا''۔

(واقعہ کربلا،ص:۱۸)

ایک مقام پر یوں زہرافشانی کرتے ہیں:

''میں یقین سے کہتا ہوں اور کتب تاریخ میرے اس دعوے کے مؤید ہیں کہ سیدنا حسین کو امیر یزید میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی، ورنہ وہ امیر یزید کے خلیفہ بنتے ہی مدینہ کے گورنر کو صاف کہہ دیتے کہ میں کسی فاجر و فاسق کی بیعت نہیں کرسکتا اور یقیناً مدینہ کے لوگ ان کا ساتھ دیتے، مگر مدینہ کے عامل کو کہتے ہیں کل صبح تک مہلت دیجیے اور رات کو چھپ کر مدینہ سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اگر عامل مدینہ چاہتا تو راستہ سے ہی گرفتار کرا کے واپس بلا لیتا مگر اس نے آپ کے اس فعل کو

ایک بچکانہ حرکت سمجھا۔ آپ مکہ پہنچے ہیں مگر وہاں کے قیام کے دوران بھی آپ نے یزید کے مفروضہ فسق و فجور کے متعلق کسی سے کچھ بیان نہ کیا اور بیان کیسے کرتے جب کہ سالہا سال تک خود دمشق جاتے رہے، عطیات سے لد کر واپس پہنچتے رہے اور تمام عالم اسلام امیر یزید کی بلندی کردار کا معترف اور جاننے والا تھا۔

اچانک کوفہ کے شرپسندوں کی طرف سے خطوط کا تانتا بندھ گیا اور آپ کے دل میں حصول خلافت کی دبی ہوئی پرانی خواہش انگڑائیاں لے کر بیدار ہوئی اور آپ تمام عالم اسلام کے منتخب اور مایہ ناز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے سمجھانے کے باوجود دس ذی الحجہ کو مکہ سے عازم کوفہ ہوگئے۔ سگے چچازاد اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر نے جب سمجھانے کی تمام کوششیں بے سود پائیں تو اپنی زوجہ سیدہ زینب بنت سیدنا علی کو طلاق دے کر اپنا لڑکا علی ان سے چھین لیا۔ سگے بہنوئی اور چچازاد کا یہ فعل سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے کہ حسین کسی شر کو مٹانے کے لیے مکہ سے عازم کوفہ نہیں ہوئے تھے، مکہ میں موجود کوئی صحابی ایسا باقی نہ رہا جس نے آپ کو نہ سمجھایا ہو، مگر آپ نے کسی کی بات پر دھیان نہ دیا اور مکہ سے چل نکلے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ برسام کے مریض تھے اور اس مرض کے مریض اول تو مرجاتے ہیں ورنہ پاگل ہوجاتے ہیں اور اگر بچ نکلیں تو ان کی زبان لکنت آمیز ہوجاتی ہے اور ذہن کما حقہ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہوجاتا ہے''۔

(خلاف راشدہ،ص:۱۳۸۔۱۳۹)

وہابیوں کے مشہور مولوی ابونعیم محمد عبدالعظیم حیدرآبادی کا مضمون امام الوہابیہ ثناء اللہ

امرتسری نے اپنے اخبار اہلِ حدیث میں شائع کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حضرت امام حسین اور یزید کا مقابلہ یہ جملہ مقابلے حکومت وریاست کی غرض سے ہوئے۔

(اہلحدیث امرتسری، ص:۱۴، ۲۴ رستمبر یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء بحوالہ الوہابیت، ص:۲۰۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی توہین

غیر مقلد حکیم صاحب لکھتے ہیں:

''کیا حذیفہ کے ان الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس سازش سے باخبر تھے، اور اگر یہ سازش صرف مجوسی یا یہود کی تیار کردہ تھی تو حذیفہ کو تمام واقعات بیان کرنے سے کون سا امر مانع تھا، اسی حذیفہ کا بیٹا محمد اور محمد بن ابوبکر دونوں مصر میں ابن سبا کے معتمد خاص تھے''۔

(شہادت ذوالنورین ص۷۱)

مزید لکھتے ہیں:

''ان واضح شواہد کی موجودگی میں کیا اس بات سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ فاروق اعظم کی شہادت کے پیچھے ایک بہت بڑی سازش کا ہاتھ نہیں تھا؟ صرف چند نومسلم یا مجوسی اپنے اندر اتنا دم خم نہیں رکھتے تھے، غور کیجیے کہ اس سازش کے پیچھے کون سا خفیہ ہاتھ تھا؟ اگر وہ سازشی لوگ معمولی حیثیت کے تھے کعب اور حذیفہ دبی زبان میں اظہار خیالات کے بعد خاموش کیوں ہوگئے؟ انہیں کس کا ڈر تھا یا انہیں نئی حکومت میں عہدہ کے ملنے کی توقع تھے؟''

(شہادت ذوالنورین، ص:۷۲)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی توہین

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے:

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو کس نے
وہ کیا تھا زور حیدر فقر بوذر صدق سلیمانی

اس شعر پر تنقید کرتے ہوئے حکیم صاحب لکھتے ہیں:

(اس شعر میں)''دوسرے نمبر پر حضرت ابوذر غفاری کا نام ہے جو ابن سبا کے کمیونسٹ نظریہ سے متاثر ہوکر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے لٹھ لے کر بھاگ اٹھتے تھے''۔ (خلافت راشدہ، ص:۱۴۳)

توہین صحابہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے بیشتر حوالے ''فرقہ اہلِ حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ'' سے ماخوذ ہیں۔

کیا اہلِ حدیث کے یہاں صحابہ کرام معیار حق ہیں؟

ابوزید نے ایک اور فریب کاری کرتے ہوئے لکھا:

''اہلِ حدیث کے نزدیک بعد کے دور میں پیدا ہونے والے اختلاف کے وقت حق اور اہل حق کو پہچاننے کا معیار صحابہ ہیں''
(ص:۲۸)

سچی بات تو یہ ہے کہ نام نہاد اہلِ حدیث نے صحابہ کرام کو معیار تسلیم کیا ہی نہیں جیسا کہ اکابر اہلِ حدیث کی تصریحات سے اجاگر ہوا، اور اختلاف کے وقت اہلِ حدیث کا صحابہ کو معیار ماننا تو کجا! صحابہ کرام کے قائم کردہ میزان حق سے تجاوز کر کے اختلاف پیدا کرنا ان کا وطیرہ ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کے چند نمونے آپ ملاحظہ کریں گے۔ ان شاء اللہ!

کیا اہلِ حدیث دلائل کا وزن دیکھتے ہیں؟

ابو زید نے لکھا:

[ہر صحابی کا مقام واحترام مسلم ہے لیکن بڑی شخصیت بھی دلیل سے بڑھ کر نہیں ہوتی، دلائل کا وزن ہمیشہ شخصیات سے زیادہ ہوتا ہے۔(ص ۲۹)]

ضمیر صاحب! اہلِ حدیث کے یہاں دوطرح کے پیمانے ہیں، جب اپنے فاسد معتقدات اور معمولات کی باتیں ہوں تو شخصیات کا وزن دلائل سے بڑھ جاتا ہے۔ اور جب کوئی شخصیت اپنے خلاف نظر آئے تو دلائل کا وزن بڑھانے کوشش کی جاتی ہے۔ شخصیات کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اب خواہ شخصیات صحابہ کرام جیسے مقدس افراد ہی کیوں نہ ہوں، بمصداق آیت کریمہ:

”ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم او وزنوھم یخسرون.“

(سورہ: مطففین، آیت:۱)

سنیے! میاں نذیر حسین دہلوی جو جماعت اہلِ حدیث کی قدر آور شخصیت ہے، جس کے بارے میں غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بڑی قربانیاں دے کر ہندوستان میں غیر مقلدیت کو پروان چڑھایا۔ یہ مجدد غیر مقلدیت میاں نذیر حسین صاحب بڑی شخصیت کے مقابلے میں صحابہ تابعین تو کیا کتاب وسنت کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

مؤلف ”الحیات بعد الممات“ لکھتا ہے:

”آپ مسئلہ میں ہمیشہ اکابر کے اقوال سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے: ہمارے بڑے یہ فرماتے ہیں۔ ہمارا آقاؤں کا یہ قول ہے اور سوئے اتفاق سے کوئی طالب علم جرأت کرتے ہوئے پلٹ کر

پوچھ دیا کہ ہمارے اکابر تو حجت شرعیہ نہیں ہیں، کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش کیجیے تو میاں صاحب کا پارہ چڑھ جاتا اور غضب آلود آواز میں فرماتے ہیں: ابے مردود! کیا وہ لوگ جاہل تھے؟ بیٹھے گھاس چھیل کر ہوا میں اُڑاتے تھے۔“ (ص:۱۶۶)

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

”ایک مرتبہ میاں صاحب رکشہ پر سوار ریلوے اسٹیشن جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ مولانا محمد ابراہیم آروی تھے۔ مولانا آروی نے میاں صاحب سے پوچھا: کیا عورتوں کے لیے ساڑی پہننا جائز ہے؟ تو میاں صاحب نے جواب دیا: ہمارے بڑے اس کو جائز کہتے ہیں۔ مولانا آروی نے اعتراض کیا: بڑوں کا قول شرعی حجت نہیں تو میاں صاحب نے (بڑے خشم آلود لہجے میں) فرمایا: کیا کہہ رہے ہو؟ کیا وہ لوگ جاہل تھے؟ بیٹھے گھاس چھیلتے تھے؟ بس تم ہی تو ایک عقلمند عالم پیدا ہوئے ہو“۔ (الحیاۃ بعد الممات، ص:۱۶۷۔۱۶۶)

اب بتائیے! اہلِ حدیث شخصیت کا وزن دیکھتے ہیں یا دلائل کی قوت پر فیصلہ کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں دونوں پر نظر رکھتے ہیں اگر شخصیت کا قول ان کے موقف کی نفی کرتا ہو تو دلیل دلیل کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور اتفاق سے اگر شخصیت کا قول بظاہر ان کی حمایت میں ہوتا ہے تو ڈانٹ کر کہتے ہیں: ابے مردود! کیا وہ لوگ جاہل تھے؟ بس تم ہی تو ایک عقلمند عالم پیدا ہوئے ہو۔

اب آئیے! کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے واضح ہوگا کہ اہلِ حدیث دلائل کا وزن نہیں دیکھتے بلکہ خواہش نفس دیکھتے ہیں جو ان کے جی میں آتا ہے وہی کرتے ہیں، خواہ دلائل کتنے ہی باوزن کیوں نہ ہوں۔

(۱) تراویح اور اہلِ حدیث

رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح مسنون ہے، یہ مسئلہ دلائل کی اتنی قوت اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ کوئی بھی انصاف پسند غیر جانبدار ہو کر دیکھے تو اس کا انکار نہیں کر سکتا، مگر نفس کی آرام طلبی نے یہاں بھی دلائل کی طرف دیکھنے سے اِبا کیا اور وہی کیا جس میں آرام نظر آیا، اور دلائل کے وزن والا سبق بھول گئے۔

آیئے دلائل کا وزن دیکھیں!

عن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر.

(بیہقی، ج:۲،ص:۴۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲،ص:۲۹۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

دورِ فاروقی:

”عن یحیٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ.“

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲،ص:۱۶۳، حدیث:۷۶۸۲، مکتبۃ الرشد، ریاض)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

”عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علیٰ ابی بن کعب فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ“

(ابوداود، باب القنوت فی الوتر، حدیث:۱۴۲۹، مطبوعہ دار الفجر للتراث، قاہرہ، مصر)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

عہدِ عثمانی:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(فضائل الاوقات للبیہقی، حدیث:۱۲۷، ص:۲۷۶، مکتبۃ المنارۃ، مکۃ)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے۔

(فضائل الاوقات للبیہقی، حدیث:۱۲۷، ص:۲۷۶، مکتبۃ المنارۃ، مکۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آٹھ رکعت تراویح کی ایک روایت بھی پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی بیس رکعت تراویح کو کسی نے بدعت کہا۔

عہدِ علی:

”عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال : دعی القراء فی رمضان، فا مرمنھم رجلا یصلی با لناس عشرین رکعۃ و کان علی رضی اللہ عنہ یو تر بھم“

(بیہقی، باب:۵۸۹، حدیث:۴۸۰۴، ص/۴۰۹۶، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد)

حضرت ابوعبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا، وتر کی امامت خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کراتے تھے۔

عملِ جمہور:

”عن زید بن وھب قال :کان عبد اللہ یصلی بنا فی شھر رمضان فینصرف و علیہ لیل، قال الا عمش :کان

يصلي عشرين ركعة و يوتر بثلث."

(مصنف عبدالرزاق، باب قیام رمضان حدیث:۷۷۴۱، ج:۴، ص:۲۶۳، المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت زید بن وہبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں تراویح پڑھا کر فارغ ہوجاتے، اور رات ابھی باقی رہتی تھی، امام اعمش فرماتے ہیں: وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

"عن عطاء قال: ادركت الناس وهم يصلون ثلثة و عشرين ركعة بالوتر."

(مصنف ابن ابی شیبہ، باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، ج۲، ص:۱۶۳، مکتبۃ الرشید، ریاض)

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ وتابعین) کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے ہی پایا۔

اسی لیے ملّا علی قاری قدس سرہ نے فرمایا:

"اجمع الصحابة على ان التراو يح عشرون ركعة."

(مرقاۃ المفاتیح، باب قیام رمضان، ج:۳، ص:۹۷۳، دار الفکر، بیروت)

صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے۔

عمل تابعین:

"كان يؤمنا سُوَيدُ بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة."

(بیہقی باب عدد رکعات القیام، حدیث:۴۸۰۳، ج:۲، ص:۴۹۶، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد)

حضرت سوید بن غفلۃؓ رمضان میں ہمیں باجماعت پانچ ترویحات (یعنی) بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے۔

غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ نے کہا:

"قد ثبت ان ابي بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة في قيام رمضان و يوتر بثلث، فرأى كثير من العلماء ان ذلك هو السنة، لانه ا قامه بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر"

(الفتاویٰ الکبری لابن تیمیہ، ج/۲: ص/۲۵۰، دار الکتب العلمیہ)

یہ بات متحقق ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے اسی لیے بیشتر علما نے اسی کو سنت قرار دیا ہے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے انصار ومہاجرین کی موجودگی میں پڑھائی تھی اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

یہ تو دلائل کا وزن ہے۔ اب نام نہاد اہلِ حدیث کا طرز عمل دیکھیے! ان تمام دلائل سے آنکھیں چرا کر آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور دلیل کے نام پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

یہ حدیث تراویح سے متعلق نہیں بلکہ تہجد سے متعلق ہے، کیونکہ اکثر محدثین کرام نے اس حدیث کو نماز تہجد کے باب میں بیان کیا، یہاں تک کہ خود بخاری میں بھی یہ حدیث کتاب التہجد میں مذکور ہے۔

اور بعض محدثین نے قیام رمضان میں اس کو محض اس لیے ذکر کیا کہ نماز تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے یوں ہی رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس نماز کا ذکر فرما رہی ہیں وہ تو رمضان اور غیر رمضان سال بھر پڑھی جاتی ہے حالانکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔ علامہ ابن حجر شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"سمیت الصلوٰۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح"

(فتح الباری، کتاب صلوٰۃ التراویح، جلد ۴، ص؍ ۲۵۰، دارالمعرفۃ بیروت)

یعنی رمضان کو راتوں میں نماز باجماعت کا نام تراویح ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آقائے کریم ﷺ کی جس نماز کا ذکر ہے اس میں چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کا ذکر ہے، پھر چار رکعت پڑھتے، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں!

"یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنھن و طولھن ثم یصلی
اربعا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا
قالت عائشۃ: فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ عینی تنامان ولا ینام قلبی"

(بخاری، باب کان النبیا تنام عینہ ولا ینام قلبہ، حدیث: ۳۵۶۹، ص؍ ۵۲۰، مطبوعہ سلفیہ قاھرہ)

یعنی حضور چار رکعت پڑھتے تو نہ پوچھو وہ کتنی عمدہ اور لمبی ہوتی تھیں، پھر چار رکعت پڑھتے نہ پوچھو وہ کیسی حسین اور دراز ہوتی تھیں، پھر آپ تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

ضمیر صاحب! اگر کا تھوڑا سا جذبہ حق رکھتے ہو تو فیصلہ کرو کہ اہلِ حدیث دلائل کا وزن دیکھتے ہیں یا من مانی اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔ یہ سب صحابہ کرام (معاذ اللہ) کیا بدعت کو رواج دینا پسند کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے بدعت ایجاد کی وہ ملعون ہے اور اس کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل۔

(مسلم شریف، حدیث: ۱۳۶۶، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ ابن مسعود خود فرمایا کرتے تھے کہ سنت پر اکتفا کرنا بدعت پر محنت

کرنے سے بہت اچھا ہے۔

(مستدرک علی الصحیحن، حدیث: ۳۵۲، ج؍ ۱، ص؍ ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں تراویح کی جماعت شروع کرائی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۷ھ میں ہوا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے متصل مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح پورے بیالیس سال جاری رہی، اگر یہ بدعت تھی تو کیا ان بیالیس سالوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار بھی اس تہجد والی حدیث کو بیس رکعت تراویح والوں کے خلاف پیش کیا؟ ہرگز نہیں! حالانکہ حضرت عائشہ خود نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتی ہیں:

"جس نے اس دین میں بدعت جاری کی وہ مردود ہے"۔

(بخاری، کتاب الصلح، حدیث: ۲۶۹۷، ص؍ ۲۳، دارالکوثر، قاھرہ)

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی یہی سمجھتی تھیں کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں، ورنہ کیا ان کے دل میں سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت اتنی بھی نہ تھی جتنی آج کل کے اہلِ حدیث کے دلوں میں ہے! معاذ اللہ ایسی جسارت کوئی غیر مقلد ہی کرسکتا ہے۔

پر لطف بات یہ ہے کہ غیر مقلدین اس حدیث کا اتنا ہی حصہ لیتے ہیں جتنے حصے سے انہیں آرام ملتا ہے۔

کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ وتر کی نماز تین رکعت پڑھتے تھے۔ غیر مقلد اس کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اس سے ان کے آرام میں خلل پڑتا ہے۔ اب سمجھ گئے ہوں گے کہ اہلِ حدیث کو دلائل سے نہیں بلکہ اپنے نفس کے آرام سے کام ہے۔

غنیۃ الطالبین میں تحریف

غنیۃ الطالبین عرصہ سے چھپ رہی ہے، جس میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ تروایح کی بیس

رکعتیں ہیں۔ ملاحظہ کریں:

”و ھی عشرون رکعة یجلس عقب کل رکعتین و
یسلم، فھی خمس ترویحات، کل اربعة منھا ترویحة“

اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور ہر دوسری رکعت میں بیٹھے اور سلام پھیرے، تو یہ پانچ ترویحات ہیں اور ہر چار کا نام ”ترویحہ“ ہے۔

(غنیۃ الطالبین، ج/۲، ص/۱۶ا مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی مصر)

کراچی کے غیر مقلدین نے غنیۃ الطالبین کا ترجمہ کر کے اسے چھاپا تو اپنی یہودی خصلت کے مطابق اس میں تحریف کر ڈالی اور ”عشرون“ (بیس) کو ”احدی عشرۃ“ (گیارہ) سے بدل دیا۔

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ”و یسلم“ کے بعد سے عبارت بھی نکال دی۔ غیر مقلدین کی مطبوعہ غنیۃ الطالبین کی عبارت اس طرح ہے:

”وھی احدی عشرة رکعة مع الوتر یجلس عقب کل
رکعتین و یسلم“

اور تراویح کی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں اور ہر دوسری رکعت پر بیٹھے اور سلام پھیرے۔ (غنیۃ الطالبین، ص/۵۹۱، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل بنس روڈ، کراچی، بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث، ص/۶۶۵-۶۶۶)

(۲) تین طلاق اور اہلِ حدیث

ضمیر صاحب! ایک اور مثال دیکھیے کہ کس طرح اہلِ حدیث دلائل کے وزن سے آنکھیں چرا کر نفس پرستی کا شکار ہیں۔ دور نبوی سے لے کر آج تک امت کا اسی پر عمل رہا کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو تین ہی مانی جائیں گی اور

خاوند کو رجوع کا حق نہ ہوگا، مگر اہلِ حدیث سارے دلائل سے پہلوتہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی، خاوند کو رجوع کا حق ہوگا۔ آیئے دلائل کا وزن دیکھیے!

(۱) حضرت عامر شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ بنت قیس سے پوچھا کہ آپ اپنی طلاق کا ماجرا سنائیں تو انہوں نے کہا:

”طلقنی زوجی ثلثا وھو خارج الی الیمن فاجاز ذلك
رسول اللہ ﷺ.“

”میرے شوہر نے یمن کے لیے گھر سے نکلتے وقت مجھے تین طلاقیں دے دیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے تینوں طلاقیں نافذ فرما دیں۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد، حدیث: ۲۰۲۴، ص/۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور ان کے شوہر نے ایک وقت ہی تینوں دی تھیں چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے:

”ان حفص بن المغیرة طلق امرأته فاطمة بنت قیس
علی عھد رسول اللہ ﷺ ثلث تطلیقات فی کلمة
واحدة فابانھا منه النبی ﷺ“

(سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، حدیث: ۳۰۰، ص/۸۶۴، دار ابن حزم بیروت)

”حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو حضور ﷺ کے زمانے میں ایک ہی جملہ میں تین طلاق دے دی تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔“

(۲) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں، میں نے حضور کی خدمت میں جا کر اس کا مسئلہ پوچھا تو

آپ نے فرمایا:

"بانت بثلاث فی معصیة الله تعالیٰ و بقی تسع مائة و سبع و تسعون عدوان و ظلم"

(مرقاۃ المفاتیح، ج/۶،ص/۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

"تین طلاقوں سے عورت نکاح سے نکل گئی، مگر شوہر اللہ کا نافرمان اور معصیت کار ہوا اور بقیہ نوسو ستانوے طلاقیں ظلم و سرکشی ہیں۔"

دورِ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں:

(۳) "عن انس قال :كان عمر اذا اتى برجل قد طلق امراته ثلاثا فى مجلس، او جعه ضربا و فرق بينهما"

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، حدیث:۱۸۰۷۸، ج/۶،ص/۳۳۰، مطبوعہ الفاروق قاھرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں، آپ اس آدمی کی پٹائی کر دیتے اور دونوں میاں بیوں کو الگ الگ کر دیتے۔

(۴)...... عن زيد بن وهب ان رجلا بطا لا كان بالمدينة طلق امر ته الفا فرُفِعَ الى عمر فقال انما كنت العب ،فعلا عمر راسه بالدرة و فرق بينهما."

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب االطلاق، حدیث:۱۸۰۸۹، ج/۶،ص/۳۳۱، مطبوعہ الفاروق قاھرہ)

زید بن وہب سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی نے بیوی سے کہا: تجھے ہزار طلاق، پھر وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو (استفسار پر جواباً) کہا: میں نے تو کھیل کھیل میں ایسا کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہ سے اس کا سر اٹھایا اور دونوں میں جدائی کرا دی۔

دورِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں:

(۵) "عن معاوية بن ابى يحىٰ قال :جاء رجل الى عثمان فقال: انى طلقت امراتى مائة قال: ثلاث يحرمها عليك وسبعة و تسعون عدوان"

(ایضاً حدیث:۱۸۰۹۳، ص/۳۳۲)

حضرت معاویہ بن ابی یحیٰ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین نے اس کو حرام کر دیا اور باقی ستانوے عدوان ہیں۔

دورِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں:

(۶) "عن حبيب قال :جاء رجل الى على رضى الله عنه فقال: انى طلقت امراتى الفا قال بانت منك بثلاث، واقسم سائرها بين نسائك"

(ایضاً حدیث ۱۸۰۹۰، ص/۳۳۱)

حضرت حبیب سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی، آپ نے فرمایا: تین طلاق سے وہ تجھ سے جدا ہوگئی اور باقی طلاقیں دوسری بیویوں پر تقسیم کر لے۔

(۷) "عن على رضى الله عنه قال: اذا طلق البكر واحدةً فقد بتها، واذا طلقها ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره"

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، حدیث:۱۸۱۴۱، ج/۶،ص/۳۴۰، الفاروق قاھرہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے تو وہ بائن ہوگئی، اور جب اس کو تین طلاقیں دے دیں تو اب وہ اس پر حلال نہیں جب تک وہ اس کے غیر سے نکاح نہ کر لے۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا: "تجھے اونٹ

کے بوجھ کے برابر طلاق!'' تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اس کلمے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، حدیث:۱۸۵۱۶، ج/۶ص/۱۰۴، الفاروق قاھرہ)

(۹) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس آدمی کے بارے میں فرماتی ہیں جس نے اپنی بیوی کو کہا: تجھے ایک ہزار جیسی طلاق! تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں جب تک وہ عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، حدیث:۱۸۵۱۷، ج/۶ص/۱۰۴، الفاروق قاھرہ)

(۱۰) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کیا:

''انه طلق امر أته ثلا ثا''

اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے۔

تو حضرت ابن عباس خاموش رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یہ اسے رجعت کا حکم دیں گے، مگر کچھ دیر بعد فرمایا: تم میں کا کوئی حماقت کر بیٹھتا ہے پھر کہتا ہے اے ابن عباس، اے ابن عباس! جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''و من يتق الله يجعل له مخر جا''

جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے گنجائش کی راہ نکالتا ہے۔

اور تم تو اللہ سے ڈرے نہیں تو میں تمہارے لیے کوئی گنجائش کی راہ نہیں پاتا۔

''عصيت ر بك و بانت منك امر أتك''

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، حدیث:۲۱۹۷، ص/۳۶۷، دارالفجر، قاھرہ)

تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تیرے نکاح سے نکل گئی۔

حضرت مجاہد کے علاوہ متعدد طرق سے حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے چنانچہ امام ابوداؤد اس کی سندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قال ابو داؤد:روى هذالحديث حميد الاعرج وغيره عن مجاهد عن ا بن عباس،ورواه شعبة عن عمرو بن مرة عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس،وايوب وابن جر يج جميعاًعن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس،ورواه ابن جر يج عن عبد الحميد بن رافع،عن عطاء عن ابن عباس،ورواه الاعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس وابن جر يج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس''.

اس حدیث کو حمید اعرج وغیرہ نے مجاہد کی سند سے، امام شعبہ نے عمرو بن مرۃ عن سعید ابن جبیر کی سند سے، ایوب اور ابن جریج نے عکرمۃ بن خالد عن سعید ابن جبیر کی سند سے، ابن جریج نے عبد الحمید ابن رافع عن عطاء کی سند سے، امام اعمش نے مالک ابن الحارث کی سند سے اور ابن جریج نے عمرو ابن دینار کی سند سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ان سب حضرات نے فرمایا: حضرت ابن عباس نے اس طلاق کو نافذ کرتے ہوئے فرمایا: وہ تیرے نکاح سے نکل گئی۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، حدیث:۲۱۹۷، ص/۳۶۷۔۳۶۸، دارالفجر، قاھرہ)

(۱۱) مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''انی طلقت امر اتی مائة تطليقة فما ذا تر ى على ؟''

''میں نے اپنی بیوی کو سوطلاقیں دے دی ہیں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔''

اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''طلقت منك لثلاث،وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزوا.''

''تیری عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں اور ستانوے طلاقیں دے کر تو نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا ہے۔''

(مؤطا امام مالک، کتاب الطلاق، حدیث:۱۱۴۸، ص/۲۹۴، دارالکوثر قاھرہ)

غرض کہ صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین وغیرہم میں سے کسی نے تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ نہیں دیا۔ اسلام کی پہلی سات صدیوں تک یہی فتویٰ رہا۔ آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جب اس کے خلاف فتویٰ دیا تو اس کی مخالفت ہر ایک نے کی۔ یہاں تک کہ ان کے شاگرد نے بھی مخالفت کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے اس تفرد کے بعد کئی صدیوں تک کسی عالم نے ان کے قول پر فتویٰ نہ دیا، البتہ تیرہویں صدی میں جب ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہوا تو چودھویں صدی میں عبد الرحمن مبارکپوری، مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر معین دہلوی نے پھر اس فتنہ کو اٹھایا۔ اب ضمیر صاحب بتائیں کہ آپ کے یہاں دلائل کا وزن زیادہ ہے یا ابن تیمیہ کی شخصیت زیادہ باوزن ہے؟

(۳) قربانی اور اہلِ حدیث

اہلِ حدیث کو گوشت خوری کے شوق نے مجبور کیا کہ دلائل کے وزن سے انحراف کریں اور تین دن کے بجائے چار دن قربانی کر کے گوشت خوری کے جذبے کی تسکین کا سامان کریں خواہ اس کے لیے دلائل کے وزن والا سبق فراموش کرنا پڑے۔ ملاحظہ کریں:

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) ''ان عبد الله ابن عمر قال الاضحى يومان بعد يوم الاضحى'' (موطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ، حدیث:۱۰۳۷، ص/۲۵۹، دارالکوثر قاھرہ)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عید الاضحیٰ کے بعد قربانی دو دن ہے۔

(۲) ''روی عن عمر و علی و ابن عباس انهم قالوا : ایام النحر ثلاثة افضلها اولها'' (نصب الرایہ، ج/۴، ص/۲۱۳، موسسۃ الریان، بیروت)

حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے ان حضرات نے فرمایا ہے کہ قربانی تین دن ہے پہلا دن زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

(۳) ''عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال الاضحى يومان بعد يوم النحر'' (عمدۃ القاری، کتاب الاضاحی، ج/۱۷، ص/۳۲۴، مکتبہ توفیقیہ، قاھرہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قربانی بقرعید کے بعد دو دن ہے۔

علامہ امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''قال ابو حنيفة و مالك واحمد: تختص بيوم النحر و يومين بعده، وروى هذا عن عمر بن الخطاب و علی و ابن عمر و انس رضی الله عنهم''

''امام اعظم، امام مالک اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ قربانی خاص ہے یوم نحر اور اس کے بعد دو دنوں میں اور یہی قول حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

(نووی شرح مسلم، ج/۱۳، ص/۱۱۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۶) علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

”ایام النحر ثلاثة، یوم العید و یومان بعده،وهذا قول عمر، و علی، و ابن عمر، و ابن عباس،و ابی هريرة، و انس. قال احمد: ایام النحر ثلا ثة، عن غیر واحد من اصحاب رسول الله ﷺ، و فی روایة قا ل: خمسة من اصحاب رسول الله ﷺولم یذکر أنسا. وهو قول مالك، والثوری، و ابی حنیفة“

(المغنی لابن قدامة، ج ۱۱، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان)

قربانی تین دن ہے، عید کا دن اور اس کے بعد دو دن، حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن عباس، ابو ہریرہ اور انس ابن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ قربانی تین دن ہے۔ ایک روایت کے مطابق پانچ صحابہ سے مروی ہے، (کہ قربانی تین دن ہے) جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ یہی قول امام مالک، حضرت سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

اور جس غنیۃ الطالبین سے آپ نے بغیر سمجھے اپنے موافق بات دیکھ کر حوالہ نقل کر دیا اسی غنیۃ الطالبین میں غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”ایام النحر ثلاثة یوم العید بعد الصلوة او قدرها و یومان بعده“ (غنیۃ الطالبین، ج ۲، ص ۴۹)

ایام قربانی تین دن ہیں۔ عید کا دن بعد نماز عید سے لے کر پورا دن۔ اور دو دن اس کے بعد کے ہیں۔

اب ضمیر صاحب انصاف کا چالیسواں حصہ بطور خیرات کسی سے مانگ کر بتائیں کہ یہی شخصیات اگر ایسی بات نقل کریں جس میں بظاہر آپ کے موقف کی معمولی سی تائید نظر

آتی ہے تو فوراً دلائل کو باوزن کہہ کر دلائل کی قوت کا ڈھنڈورا پیٹتے نظر آتے ہیں، مگر جب ان سب مسائل میں یہ حضرات آپ کے خلاف صریح دلائل پیش کریں تو پھر وہ دلائل کے وزن کا وظیفہ بھول کر اپنے پرانے آقاؤں ابن تیمیہ، ابن کثیر وغیرہ کی شخصیات کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ ؎

اللہ رے نیرنگیٔ افکار کا عالم
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

باب (۴)

اہلِ حدیث گستاخ اولیاے کرام ہیں!

قبروں سے مانگنے اور اہل اللہ سے مانگنے میں فرق:

ابو زید نے نام نہاد اہلِ حدیث کی عداوت اولیاے کرام پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور کہا: ''اہلِ حدیث اولیاے کرام کو مانتے ہیں'' پھر خود ساختہ توحید کے نشے میں محبانِ اولیاے کرام کے صحیح اعتقادات اور جائز معمولات کو بھی منافی توحید قرار دیا چنانچہ لکھا:

> ''یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اولیا کو ماننا اور اولیا کی قبروں سے مانگنا دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلی چیز عین ایمان کا تقاضہ ہے جبکہ دوسری چیز توحید کے بالکل منافی۔'' (ص:۳۵)

ناظرین! دیکھیں کس قدر فریب کاری ہے کہ ابو زید نے اولیاے کرام سے مانگنا اور ان کی قبروں سے مانگنا دونوں کو ایک کر دیا جبکہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دونوں کو ایک سمجھنا وہی مروانی جہالت ہے، جس کا رد صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا۔

امام اجل احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بسند حسن روایت فرماتے ہیں:

''اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر، فقال: اَتدری ما تصنع؟ فاقبل علیه، فاذا هو اَبو ایوب، فقال: نعم ! جئت رسول الله ولم اَت الحجر، سمعت رسول الله ا یقول: لا تبکو اعلی الدین اذا ولیه

اهله، ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله''

(مسند احمد ابن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی ایوب، حدیث: ۶۴۲۲۸، ج:۹، ص:۵۷۶، دار الکتب العلمیہ)

مروان نے اپنے زمانۂ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبر اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں، بولا: جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اس پر ان صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہاں! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہ آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر روؤ جبکہ نا اہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، مروان نے تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کیا۔ یہی سوءِ فہمی کا مرض آج نام نہاد اہلِ حدیث کو لاحق ہے۔ روح مطہر کی طرف متوجہ ہونے کو قبر سے مانگنا قرار دینا اہلِ حدیث کی جہالت ہے، جو مروان کے ترکہ سے انہیں پہنچی ہے اور قبر میں جلوہ بار اہل اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور ان سے کسب فیض یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے اور اہلِ سنّت کو ان کی میراث ملی ہے، اگر یہ توحید کے منافی ہے تو کیا صحابہ کرام بھی (معاذ اللہ) اہل توحید نہیں تھے؟ صرف آج کے نام نہاد اہلِ حدیث ہی اہل توحید ہیں! اسے شرک کے خانے میں ڈالنے سے پہلے کچھ تو غور کیا ہوتا کہ نشانہ پر کون ہے۔

فتنہ شوخئ تحریر کہاں تک پہنچا
یہ قلم صورت شمشیر کہاں تک پہنچا

کیا اللہ والوں سے مانگنا شرک ہے؟

ابو زید ضمیر نے لکھا:

اہلِ حدیث کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات میں اللہ ہی کی مرضی چلتی ہے ......۔ایک مسلمان کو اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی سے مدد طلب کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وان یمسسك الله بضر فلا کا شف له الا هو وان یردك بخیر فلا راد لفضله"

آگے چل کر لکھا:

''اہلِ حدیث کے نزدیک اللہ کے سوا قبروں سے یا قبر والوں سے حاجت روائی کرنے کی التجا کرنا شرک ہے''۔ (ص:۳۵۔۳۸)

غیر مقلدین کے نزدیک اہل اللہ سے استمداد کرنے والا مشرک ہے۔ چنانچہ فتاویٰ اللجنۃ میں ہے:

''نبی ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد قضائے حاجات و کشف کربات میں آپ کو پکارنا خواہ قبر کے پاس یا اس سے دور، نیز آپ سے مدد چاہنا شرک اکبر ہے۔انسان ان امور کی وجہ سے مذہب اسلام سے نکل جاتا ہے''

(فتاوی اللجنۃ، ج:۱،ص:۳۱۵،دار المؤید للنشر، ریاض)

یہ بات تو بالکل درست ہے کہ کائنات کا سارا نظام رب تعالیٰ کی مرضی سے چلتا ہے، مگر اس کے پردہ میں اللہ کی عطا کا انکار کرنا اور رب نے اپنے محبوبین کو جو اختیارات عطا فرمائے ہیں ان کی یکسر نفی کرنا یہ غیر مقلدین کی قرآن میں تحریف معنوی ہے، جو خارجیوں کا شعار اور بہت بڑا جرم ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مالک حقیقی ہونے کا ذکر ہے۔ اور جن آیات کریمہ میں غیر اللہ سے مانگنے کو شرک قرار دیا گیا ہے ان آیات میں مشرکین کے اس بنیادی عقیدے کی نفی ہے جو وہ اپنے جھوٹے معبودوں کے ساتھ وابستہ

کر لیتے تھے جو خالق کی شان کے لائق ہے، اسی کو قرآن کریم میں شرک قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انما تعبدون من دون الله اوثانا و تخلقون افکا ان الذین تعبدون من دون الله لایملکون لکم رزقا فابتغوا عند الله الرزق." (سورہ:عنکبوت،آیت:۱۷)

تم تو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گڑھتے ہو۔ بے شک وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین کو مخاطب کر کے انہیں شرک سے باز آنے کا حکم دیا کہ تمہارے بت نہ تو عبادت کے لائق ہیں، نہ رزق کا کچھ اختیار رکھتے ہیں۔تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس سے رزق طلب کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

"قل اتعبدون من دون الله مالا یملك لکم ضرا و لا نفعا"

(سورہ: مائدہ۔آیت:۷۶)

تم فرماؤ! کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا نہ مالک ہو، نہ نفع کا۔

اس آیت کریمہ میں جھوٹے خداؤں کے عجز کو ظاہر کر کے مالک حقیقی کی طرف رغبت دلائی۔

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

"قال افتعبدون من دون الله مالا ینفعکم شیئا و لا یضرکم"

(سورہ:انبیاء،آیت:۶۶)

کہا: کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ مشرکین کے فاسد عقیدے کی نفی مقصود ہے۔ جو اپنے

جھوٹے معبودوں کو حقیقتاً نفع ونقصان کا مالک اور مصائب دور کرنے والا مانتے تھے۔ ان آیات میں انبیاے کرام واولیاے عظام سے عطاے الٰہی کی نفی ہرگز مقصود نہیں، کیونکہ اہل ایمان ان سے عطاے الٰہی کے طلب گار ہوتے ہیں نہ کہ انہیں حقیقی مددگار تصور کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ مشرکین کے شرک کو اہل ایمان پر تھوپ کر کروڑوں مسلمانوں کو بیک جنبش قلم مشرک قرار دیا جائے۔ نہ صرف عام مسلمان بلکہ صحابہ کرام، ائمہ دین اور اولیاے عظام بھی اس خود ساختہ فاسد عقیدہ کی رو سے مشرک قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے بھی اپنی حاجات برآری کے لیے رسول اللہ ﷺ اور دیگر صالحین سے مدد طلب کی ہے۔

کیا اللہ والے باذن الٰہی مددگار نہیں؟

ابوزید نے اہل اللہ سے عطاے الٰہی کی نفی کے لیے جس آیت کریمہ سے استدلال کیا وہ استدلال سرے ہی سے غلط ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہے، اس کی مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ رب کی مرضی سے بھی اہل اللہ کچھ نہیں کرسکتے۔

اگر یہی طرز استدلال رہا تو قرآن مقدس میں بہت سے اختیارات بندوں کو عطا کرنا ثابت ہے، ان کے انکار کا وبال سر آئے گا۔

آیئے! اس کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے:

(۱) روح قبض کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ یتوفی الانفس حین موتھا“ (سورہ: الزمر۔ آیت: ۴۲)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

دوسری جگہ اسی فعل کی نسبت حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف ہے:

”قل یتوفٰیکم ملك الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون“

تم فرماؤ! تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔ (سورہ: السجدہ۔ آیت: ۱۱)

ابوزید! آپ کے قول کے مطابق تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے بارے میں موت دینے کا عقیدہ کھلا ہوا شرک ہوا!

(۲) حقیقت میں اولاد عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ ارشاد فرمایا:

”الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء“ (سورہ: ابراھیم۔ آیت: ۳۹)

سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحٰق دیے۔ بے شک میرا رب دعا سننے والا ہے۔

دوسرے مقام پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف بیٹا عطا کرنے کی نسبت ہے:

”قال انما انا رسول ربك لاھب لك غلٰما زکیا“

(سورہ: مریم۔ آیت: ۱۹)

بولا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

ابوزید دیکھیے! حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹا دینے کی بات کررہے ہیں۔ کیا وہ شرک کا فتویٰ یہاں بھی رنگ دکھائے گا؟

(۳) خالق حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے ارشاد فرمایا:

”اللہ خالق کل شیٔ وھو علی کل شیٔ وکیل“ (سورہ: الزمر۔ آیت: ۶۲)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

دوسرے مقام پر پیدا کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوئی:

”واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر“ (سورہ: مائدہ۔ آیت: ۱۱)

اور جب تو مٹی سے پرندے جیسی مورت میرے حکم سے بناتا ہے۔

(۴) زندگی رب عطا کرتا ہے مگر قرآن مجید میں زندگی دینے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے:

"واحی الموتی باذن الله" (سورہ: آل عمران۔ آیت: ۴۹)

اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

(۵) شفا رب دیتا ہے۔ ایک جگہ اس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے:

"وابرئ الاکمه والابرص" (سورہ: آل عمران۔ آیت: ۴۹)

اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو۔

خالق اللہ تعالیٰ ہے، شفا بھی وہی دیتا ہے، زندگی عطا کرنا بھی اس کے قبضہ واختیار میں ہے، مگر اس آیت کریمہ میں زندگی عطا کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ مردوں کو میں زندہ کرتا ہوں اور شفا دیتا ہوں۔

ابوزید! آپ کے طرز استدلال کی رو سے تو یہ کھلا شرک ہوا!!

(۶) حقیقی مولیٰ، اللہ تعالیٰ ہے، مگر ارشاد ہوا:

"فان الله هو مولٰه و جبریل و صالح المؤمنین والملئکة بعد ذلك ظهیر" (سورہ: تحریم ۶۶۔ آیت: ۴)

تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے، اور جبرئیل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

(۷) حرام وحلال کرنا رب کا فعل ہے مگر رب تعالیٰ نے اس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف فرمائی:

"ویحل لهم الطیبٰت و یحرم علیهم الخبٰئث"

(سورہ: اعراف، آیت: ۱۵۷)

اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(۸) حاکم حقیقی رب ہے۔ مگر ارشاد ہوا:

"فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم"

(سورہ: نساء، آیت: ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

(۹) غیب کا علم رب کو ہے۔ قرآن میں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا:

"وما هو علی الغیب بضنین" (سورہ: تکویر، آیت: ۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(۱۰) غنی کرنا رب کا فعل ہے۔ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کی گئی ہے:

"اغنٰهم الله و رسوله" (سورہ: التوبۃ، آیت: ۷۴)

اللہ اور رسول نے انہیں غنی کر دیا۔

(۱۱) عطا رب کرتا ہے۔ اس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف بھی قرآن میں موجود ہے:

"ولو انهم رضوا ما اٰتٰهم الله و رسوله" (سورہ: التوبۃ، آیت: ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا۔

(۱۲) نعمت رب کی طرف سے ملتی ہے۔ مگر نسبت نبی کی طرف کی گئی:

"انعم الله علیه و انعمت علیه" (سورہ: الاحزاب، آیت: ۳۷)

اللہ نے اس پر انعام کیا اور تم نے انعام کیا۔

ابوزید! یہاں آپ کا وہ شرک والا طاغوتی فتویٰ کیا ہوا؟

ان کے علاوہ کئی مقامات پر بعض صفات کی نسبت محبوبانِ بارگاہ کی طرف کی گئی ہے۔ شرک کا فتویٰ لگانے والے اہلِ حدیث کو کیا یہ نظر نہیں آتا کہ اہلِ سنّت یہ واضح کر چکے ہیں کہ باری تعالیٰ کے لیے یہ صفات ذاتی، غیر محدود، قدیم ہیں، جب ان امور کی نسبت

بندوں کی طرف ہوتی ہے تو مراد عطائی، محدود اور حادث ہیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل امور کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے:

روح قبض کرنا۔ اولاد عطا کرنا۔ تخلیق کرنا۔ زندگی دینا۔ شفا دینا۔ مددگار ہونا۔ حرام وحلال کرنا۔ حاکم ہونا۔ عالم غیب ہونا۔ غنی کرنا۔ نعمت دینا۔

نام نہاد اہلِ حدیث اگر مذکورہ بالا امور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ماننے سے انکار کریں تو قرآن کا انکار ہے اور اگر ان امور کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے تسلیم کریں تو ان کا جواب کیا ہوگا؟ ہمیں امید ہے کہ وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفات حقیقی ہیں اور بندوں کو اللہ نے عطا کی ہیں، اور بعطائے الٰہی بندوں کے لیے ان صفات کو ماننا شرک نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ابوزید نے علم غیب کے بارے میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایسی باتیں بتائیں جو غیب میں سے تھیں۔ جب بعطائے الٰہی ان امور کی بندوں کی طرف نسبت شرک نہ ہوئی تو بعطائے الٰہی اللہ والوں کا مددگار ہونا کیسے شرک ہوگیا؟

علامہ سید تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی علیہ الرحمہ شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

"لیس المراد نسبة النبی ﷺ الی الخلق، والاستقلال بالافعال، هذا لایقصده مسلم، فصرف الکلام الیه و منعه من باب التلبیس فی الدین والتشویش علی عوام الموحدین."

یعنی نبی کریم ﷺ سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق و فاعل مستقل ہیں، یہ تو کوئی مسلمان مراد نہیں لیتا، تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمین کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، باب ثامن، ص: ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اولیائے کرام بھی مدد کرتے ہیں

نام نہاد اہلِ حدیث کے شرک کے فتوؤں کی رو سے قرآن وحدیث بھی (معاذ اللہ) شرک کی تعلیم دیتے ہیں کیونکہ ان میں اللہ کے سوا کو بھی مددگار کہا گیا ہے، چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ (سورہ: مائدہ۔ آیت: ۵۵)

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، اپنے رسول ﷺ اور مومنین تینوں کو مددگار کہا۔ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی مددگار ہے اور باقی حضرات رب کی عطا سے مدد کرتے ہیں۔ کیا اہلِ حدیث کے یہاں یہ شرک نہیں ہے؟

اہلِ حدیث نے اپنی بدقسمتی سے رب کی اس عطا کا انکار کرنے کی جسارت کی اور اللہ والوں سے مانگنا مطلقاً شرک قرار دیا، جیسا کہ اسماعیل دہلوی نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ کا ایک اور ارشاد سنیے!

"والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیاء بعض" (سورہ: توبہ۔ آیت: ۷۱)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

(۳) حضور اکرم ﷺ نے وفد ہوازن سے جو فرمایا اسے بھی سن لیجیے:

"اذا صلیت الظهر فقوموا، فقولوا انا نستعین برسول الله ﷺ علی المؤمنین أو المسلمین فی نسائنا و أبنائنا"

(سنن نسائی، کتاب الھبۃ، حدیث: ۳۶۹۰، ص۱/۵۴۱، دار ابن حزم بیروت)

یعنی میں جب ظہر کی نماز پڑھ چکوں تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا: ہم رسول اللہ ﷺ سے اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں مومنوں پر مدد چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ یوں کہو: ”ہم رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتے ہیں“۔لطف کی بات یہ ہے کہ اہلِ حدیث کے متفق علیہ پیشوا ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۴) اور ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے:

”اللہ و رسوله مولیٰ من لا مولیٰ له“

اللہ ورسول اس کے مددگار ہیں جس کا کوئی مددگار نہیں۔

(سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب میراث الخال، حدیث: ۲۱۰۳ ص ر ۵۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی مددگار فرمایا۔

ان کے علاوہ کئی روایات اس حقیقت پر ناطق ہیں کہ رب کی عطا سے اس کے محبوبین مدد کرتے ہیں۔

صحیح بخاری اور بہت سی کتب حدیث میں یہ حدیث قدسی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به،وبصره الذی یبصربه،ویده التی یبطش بها،ورجله التی یمشی بها،وان سألنی لأعطینه ولئن استعاذنی لأعیذنه“.

میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں،اور جب میں محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے،اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے،اس کا ہاتھ بن

جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث: ۶۵۰۲ ص ر ۸۰۰، دار الکوثر، قاہرہ)

اس حدیث قدسی میں اللہ والوں کی قوت وطاقت کا بیان ہے جو رب تعالیٰ نے کمال تقویٰ کی بنیاد پر انھیں عطا فرمائی۔اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی اس کا بولنا اللہ تعالیٰ کا بولنا ہوجاتا ہے اگرچہ اللہ کے بندے کے منہ سے جاری ہوتا ہے۔

ان صالحین سے استمداد کرنا، گویا کہ عطاے ربانی کا طلبگار ہونا ہے۔اس میں شرک کیا، شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے!!

روضۂ اطہر پر صحابہ کرام کی حاجات طلبی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی اکرم ﷺ کے روضہ پاک پر حاضر ہوکر دینی و دنیوی حاجات طلب کرنا ثابت ومتیقن ہے مگر ابوزید نے اس کا انکار کرتے ہوئے لکھا:

> اہلِ حدیث کے نزدیک اللہ کے سوا قبروں سے یا قبروالوں سے حاجت روائی کرنے کی التجا کرنا شرک ہے یہ عمل نہ قرآن وسنت میں ہے، نہ صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اگر یہ واقعی اسلام میں جائز ہوتا تو صحابہ نبی ﷺ کی قبر پر جا کر اپنے دین و دنیا کے مسائل کا حل ضرور طلب کرتے۔ (ص:۳۸)

یہاں بھی ابوزید نے کذب وافترا سے پورے طور پر کام لیا اور ایک مسلمہ حقیقت کا بڑی بے حیائی کے ساتھ انکار کر دیا۔کتب اسلاف سے معمولی شغف رکھنے والا قاری بھی

جانتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی حاجات میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے وصال کے بعد بارہا انہوں نے اپنی حاجات بارگاہ آقائے کریم ﷺ میں پیش کیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے گزرا کہ بارگاہِ نبی اکرم ﷺ میں حاضر ہوئے اور مروان کے اعتراض پر ارشاد فرمایا:

"جئت رسول الله ﷺ ولم اٰت الحجر"

میں تو رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا۔
اور توسل کے باب میں صحابہ کرام کے روضہ رسول ﷺ پر آکر استغاثہ کرنے کی روایات گزریں۔ مگر ؎

مرغی کی ایک ٹانگ پہ ایسا وہ اڑ گیا
سمجھاؤ لاکھ پر وہ سمجھتا نہیں غبی

نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے نزول باراں

حضرت ابو الجوزاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک بار اہل مدینہ کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب قحط سے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو صحابہ کرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کر دو تا کہ روضہ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو زبردست بارش ہوئی، یہاں تک کہ ہر طرف سبزہ اگ آیا اور چارہ کھا کھا کر جانور موٹے ہو گئے اور ان کے جسم چربی سے بھر گئے، اس لیے اس سال کا نام "عام الفتق" یعنی خوشحالی و فراوانی کا سال پڑ گیا"

(سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ نبیہ بعد موتہ، حدیث: ۹۳، ص/۴۰، مکتبۃ العصریہ، قاہرہ)

اس حدیث کی شرح میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قحط سالی کے وقت جب بھی آقا کریم ﷺ سے شفاعت طلب کی جاتی تو بارش ہو جاتی اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طلب شفاعت اور توسل میں مبالغہ اور شدت پیدا کرنے کے لیے روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کرنے کا حکم دیا، تا کہ رحمت عالم ﷺ اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے"

(مرقاۃ المفاتیح، ج/۱۱، ص/۹۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

جناب! یہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا طلب بارش کے لیے روضہ رسول ﷺ کی طرف رہنمائی فرما رہی ہیں اور آپ کہتے ہیں، صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اگر یہ واقعی اسلام میں جائز ہوتا تو صحابہ نبی کی قبر پر جا کر اپنے دین و دنیا کے مسائل کا حل ضرور طلب کرتے!!!

وسیلۂ مصطفی ﷺ سے بارش کا نزول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص نے رسول معظم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمایئے! کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے اس شخص کو خواب میں حکم دیا، عمر کے پاس جاؤ اور میرا اسلام کہو اور بتا دو کہ لوگ جلد بارش سے سیراب کیے جائیں گے اور ان سے یہ بھی کہو کہ احتیاط کا دامن تھامے رکھیں۔

وہ شخص امیر المومنین کی خدمت میں پہنچا اور انہیں آقائے کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: "اے اللہ! میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، ہاں جس سے میں عاجز ہوں اسے معاف فرما دینا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۲۰۰۲، ج/۶، ص/۳۵۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح فرمایا ہے۔
(فتح الباری، ج ر ۲، ص ر ۴۹۵، دارالمعرفۃ، بیروت)

ابوزید! اگر قبر والوں سے حاجت روائی شرک ہے تو کیا آپ کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شرک کو روا رکھا۔ طلب باراں کے لیے جو شخص رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا، پھر جا کر اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کیا، مگر حضرت عمر نے اس شخص پر شرک کا حکم لگانے یا کسی طرح کی نکیر کرنے کے بجائے اس کے اس فعل کو درست جانا۔ اسی لیے آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں اپنے عجز کا اعتراف کیا۔

اب اگر نام نہاد اہلِ حدیث میں ہمت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شرک کا فتویٰ لگائیں۔ (معاذ اللہ)

روضۂ اطہر سے بخشش کی بشارت

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا، اور یوں عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے جو اللہ کا کلام ہمیں پہنچایا اس میں یہ آیت بھی ہے، پھر اس نے سورہ نساء کی آیت ۶۳ تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے، ''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

پھر اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے یعنی گناہ کیے ہیں، آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میری مغفرت فرمائیں۔ روضہ اقدس سے آواز آئی، ''قد غفر لک'' اے اعرابی! تجھے بخش دیا گیا۔
(تفسیر قرطبی، جلد ر ۵، ص ر ۲۶۶، دارالکتب المصریہ، قاہرہ)

یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس واقعہ میں اعرابی نے روضۂ اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر التجا کی ہے اور بقول ابوزید کے یہ شرک ہے۔ اب ان شرک کے ٹھیکے داروں سے کوئی پوچھے کہ معاذ اللہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موحد ہونے میں بھی کوئی کلام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیوں نہیں کیا؟ اس شرکیہ فعل کو بلانکیر کیوں روایت کیا؟

مگر ان لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام شرک کا کیا شکوہ، جن کا پیشوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان ہی کو معتبر نہیں مانتا!

چنانچہ ابن تیمیہ کے عقیدہ کو شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں:
''علی اسلم صبیا و الصبی لا یصح اسلامہ''
یعنی حضرت علی نے بچپن میں اسلام قبول کیا اور بچے کا اسلام قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔
(الدرر الکامنۃ، ج:۱، ص:۱۸۱، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد)

یادِ حبیب سے پاؤں صحیح ہو گیا

صحابہ کرام اور صالحین حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے روضۂ اقدس سے توسّل کرتے اور آقائے کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کرتے اور جو دوری کے باعث حاضر نہ ہو سکتے وہ دور ہی سے اللہ کے رسول ﷺ کو پکارتے اور طالب رحمت ہوتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا۔ کسی نے کہا، انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ انہوں نے بآواز بلند کہا: یا محمد ﷺ! تو ان کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔
(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث:۱۶۹، ص:۱۴۱، دارالقبلہ، بیروت۔ الادب المفرد، حدیث: ۹۶۴، ص:۳۳۵، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت)

اس کی شرح میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے ندا کی، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ محبوب سے محبت بھی ظاہر کی جائے اور ان سے مدد کی التجا بھی ہو جائے''۔

(شرح شفا از ملا علی قاری۔ج:۲،ص:۴۳،دار الکتب العلمیہ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی محفل میں کسی آدمی کا پاؤں سن ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اس کو یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے، اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسی وقت اس کا پاؤں اچھا ہو گیا۔'' (کتاب الاذکار،ص:۳۰۵۔دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ اور حضرات سے بھی ایسا ہی مروی ہے، بلکہ اہل مدینہ میں ایسا کرنے یعنی یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پکارنے کا رواج عام تھا''۔

(نسیم الریاض، شرح شفا قاضی عیاض، جلد ۳،ص:۳۵۵،مرکز اہل سنت، گجرات)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کرم

دورِ فاروقی ۱۸ھ میں شدید قحط پڑا۔انہیں ایام میں جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کے بیحد اصرار پر ایک بکری ذبح کی، جب کھال اتاری تو ہڈیاں بالکل سرخ نکلیں۔ یہ دیکھ کر بے بسی کے عالم میں بے ساختہ پکار اٹھے:

یا محمداہ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کرم فرمائیے! رات کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور زندگی کی بشارت دی۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ر ۷، ص ر ۱۴۰، دار احیاء التراث العربی بیروت۔تاریخ طبری)

یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ ابن عباس اور بلال ابن حارث مزنی اپنی حاجات برآری کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کر رہے ہیں، یہاں تو نہ صرف التجا بلکہ حاضر و ناظر کا اعتقاد، دور سے سننے کا عقیدہ وغیرہ ایسے اعتقادات موجود ہیں جنہیں اہلِ حدیث شرک قرار دیتے ہیں۔

یہ ابوزید کی وہ شرکیہ گن مشین ہے جس کی زد پر نہ صرف عام اہلِ سنّت بلکہ کبار صحابہ بھی ہیں۔

ع خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

امام مالک نے بارگاہِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب دلائی

عباسی خلیفہ منصور جب روضہ اقدس پر حاضر ہوا تو امام مالک رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ خلیفہ نے ان سے دریافت کیا: ''میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب؟ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنا چہرہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیوں پھیرتے ہو! حالانکہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بارگاہ الٰہی میں تمہارا اور تمہارے والد آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لیے تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف رخ کر کے آپ سے شفاعت کی درخواست کرو، اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا''

قبلہ سے رخ موڑ کر روضہ اقدس کے روبرو ہونا اور وہ بھی روضۂ اقدس سے اخروی حاجت یعنی طلب شفاعت کرنے کے لیے، یہ تو بڑا شرک ہونا چاہیے۔ مگر اس کے باوجود نام نہاد اہلِ حدیث امام مالک رضی اللہ عنہ کو مشرک نہیں قرار دیتے۔ اس چیستاں کا جواب شاید ابوزید کے پاس بھی نہیں ہوگا!

کاش! جائز معاملات اور صحیح اعتقادات پر شرک کا طاغوتی حکم اہلِ حدیث نے نہ دیا ہوتا تو صحابہ کرام اور ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشرک قرار دینے کا جرم ان کے سر عائد نہ ہوتا۔ مگر اس طرح کے جرائم کے ارتکاب کے باوجود اگر اہلِ حدیث یہ شور مچاتے

ہیں کہ ہم پر گستاخِ صحابہ واولیا ہونے کا الزام ہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

"چور مچائے شور"

دعا اور عبادت میں فرق

ضمیر نے آیت کریمہ: "ومن اضل ممن یدع من دون اللہ" لکھ کر اس پر تبصرہ کیا:

["اس آیت میں ہر اس شخص کو گمراہ قرار دیا گیا جو اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرے۔ آیت کا آخری حصہ بتا رہا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرنا دراصل اس کی عبادت کرنا ہے" (ص ۳۸)]

ضمیر صاحب! کیا قرآن کی معنوی تحریف کا گناہ آپ کو معلوم نہیں۔ کس قدر بے باکی اور خدا ناترسی کے ساتھ جو حکم غیر اللہ یعنی بتوں کی عبادت کا ہے، اسے دعا پر جما کر دعا کرنے والے کو گمراہ قرار دیا۔ آیئے مذکورہ آیت کی صحیح تفسیر کے لیے تفسیر ابن عباس دیکھیے! فرماتے ہیں:

"(ومن اضل) عن الحق والهدىٰ (ممن يدعو) يعبد (من دون الله) وهو الكافر (من لايستجيب له) ان دعاه (الىٰ يوم القيامة وهم) يعنى الاصنام (عن دعائهم) ان دعا من يعبدهم (غافلون) جاهلون (واذا حشر الناس) يوم القيامة (كانوا) يعنى الاصنام (لهم) لمن يعبدها (اعداء كانوا) يعنى (بعبادتهم) بعبادة من يعبد هم (كافرين) جاحدين."

یعنی اس سے بڑھ کر حق اور ہدایت سے بہکا ہوا کون، جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے کہ اگر قیامت تک اس کی عبادت کرے تو ان بتوں کو اپنے عابدوں کی خبر تک نہیں، اور جب

قیامت کے دن لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ بت اپنی پوجا کرنے والوں کے دشمن ہوں گے اور اپنی پوجا کرنے والوں کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے۔

(تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، سورۂ احقاف آیت ومن اضل ممن یدعومن دون اللہ، ص:۵۳۲۔ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اب ضمیر صاحب بتائیں! اپنے فاسد مقصد کو ثابت کرنے کے لیے من چاہی تفسیر کر کے جہنم کے کس طبقے کا سامان کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واضح کر دیا کہ یہ آیت کریمہ کافر کے بارے میں ہے، اور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے وہ یقیناً راہ حق سے بہک گیا ہے، لہٰذا اس کے مابعد والی آیت کریمہ میں تو صاف موجود ہے "وکانو بعبادتھم" پھر بھی آنکھیں بند کر کے کفار کے بارے میں وارد آیت کریمہ کا حکم مسلمانوں پر جاری کرنا کیا وہی خارجیوں والا کام نہیں ہے، جن کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا ہے:

"انهم انطلقوا الىٰ آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المومنين." (بخاری، باب قتل الخوارج، ج/۴، ص/۲۸۰، مطبعہ سلفیہ، قاہرہ)

یعنی خارجیوں نے کفار کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر تھوپ دیا۔

لفظ "دعا" قرآن پاک میں کئی معنوں کے لیے آیا ہے مثلاً پکارنا، مانگنا، دعا کرنا، پوجنا، وغیرہ۔ ہر جگہ اس کا وہ معنی کیا جائے جو تقاضائے مقام ہے، جسے مفسرین نے واضح کیا، مگر نام نہاد اہلِ حدیث مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کے لیے ہمیشہ اس معنی کی تلاش میں رہتے ہیں، جو ان کے جذبۂ شرک کی تسکین کا سامان کر سکے۔

دعا پوجنے اور معبود سمجھ کر مانگنے کے معنی میں کئی آیات میں وارد ہے، اور اسی دعا کو شرک قرار دیا گیا ہے مثلاً۔

"والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاوھم
یخلقون اموات غیر احیاء" (سورہ نحل۔آیت:۲۰۔۲۱)

اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں، مردے ہیں، زندہ نہیں۔

"ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم"

(سورہ:اعراف،آیت:۱۹۴)

بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں۔

"ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا" (سورہ:جن،آیت:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔

ان جیسی آیات میں غیر خدا سے دعا کو شرک وکفر کہا گیا، کیونکہ ان میں دعا کے معنی عبادت (پوجا) ہے۔مگر ان نام نہاد اہلِ حدیث نے ان کافروں کی عبادت اور اللہ والوں کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے میں فرق نہیں سمجھا اور جو آیت کریمہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے اس کا حکم مسلمانوں پر جڑ دیا۔ اہلِ حدیث جیسوں کی اس کم عقلی کا شکوہ کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں، یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں! جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ دعا کرنے والا اللہ کا محتاج ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے ولی ومقرب کا وسیلہ پیش کرتا ہے، وہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندۂ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف وکرم کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے

والا کریم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندۂ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے، اور میری حاجت برلائے، سو عطا کرنے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا ہر دو صورتوں میں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے جبکہ قادر، فاعل اور اشیا میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اولیاے کرام اللہ تعالیٰ کے فعل، سطوت، قدرت اور غلبہ میں فانی ہیں۔

(اشعۃ اللمعات، ج/۳، ص:۴۰۱، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۹۴۷، پوربندر)

کیا اہلِ سنّت نے قبروں کو عبادت گاہ بنایا ہے؟

ضمیر صاحب نے زیارت قبور اور اہل اللہ کی بارگاہ کی حاضری کو یہود ونصاریٰ کے فعل بد کے آئینہ میں دیکھتے ہوئے اہلِ سنّت کو قبر پرست قرار دیا اور لکھا:

["قبروں کو عبادت گاہ بنا لینا یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے۔ یہود ونصاریٰ کی پیروی ویسے بھی منع ہے لیکن اسلام میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے بارے میں صاف ممانعت موجود بھی ہے"۔]

افسوس! کہاں اہلِ سنّت کا اہل اللہ کے مزارات پر حاضر ہو کر کسب فیض کرنا اور کہاں یہود ونصاری کا فعل بد؟

مگر ابوزید نے تکفیر کے شوق میں اس واضح فرق کو بھی نظر انداز کر دیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہود ونصاری کا برا فعل کیا ہے؟ تا کہ اہلِ سنّت کے ایک فعل حسن کا موازنہ یہود و

نصاریٰ کے شرک سے کرنے کی قلعی کھل جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"ان ام حبیبة و ام سلمة ذکرتا کنیسة رأینها بالحبشة فیها تصاویر لرسول الله ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: ان اولئك اذا كان فيهم الرجل الصالح فمات، بنوا على قبره مسجدا و صوروا فيه تلك الصور فاولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة"

(بخاری، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب: ۳، حدیث: ۵۲۸، ص/۱۵۱، دار الکوثر، قاہرہ)

"حضرت ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں بت اور مورتیاں تھیں، انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس کی مورتی بنا لیتے۔ وہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

ملّا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

"کانت الیهود والنصاری یسجدون لقبور انبیائهم و یجعلونها قبلة و یتوجهون فی الصلوة نحوها، فقد اتخذوها اوثانا، فلذلك لعنهم و منع المسلمین عن مثل ذلك" (مرقاۃ المفاتیح، حدیث/۷۱۲، ج۲، ص:۳۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہود و نصاریٰ اپنے انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے مزاروں کو سجدہ کرتے اور انھیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منھ کرتے، تو انھوں نے ان کو بت بنا لیا۔ لہٰذا نبی ﷺ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

مجمع بحار الانوار میں ہے:

"کانوا یجعلونها قبلة، یسجدون الیها فی الصلوة کالوثن"

مزاراتِ انبیا کو قبلہ ٹھہرا کر نماز میں ان کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسے بت۔

(مجمع بحار الانوار، ج:۴، ص/۱۹۲، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد)

تیسیر نیز سراج منیر شروح جامع صغیر میں ہے: "اتخذوها جهة قبلتهم" مراد یہ ہے کہ انھوں نے مزارات کو سمتِ سجدہ بنا لیا۔

(التیسیر شرح الجامع الصغیر، ج/۲، ص:۱۸۱، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

زواجر امام ابن حجر مکی میں ہے:

"اتخاذ القبر مسجدا معناه الصلوة علیه و الیه".

قبروں کو محل سجدہ بنالینے کے یہ معنی ہیں کہ ان پر یا ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔

(الزواجر، ج/۱، ص:۲۴۶، دار الفکر، بیروت)

علامہ تورپشتی نے شرح مصابیح میں دو صورتیں لکھیں:

"احدهما کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیما لهم و قصد العبادة، ثانیهما التوجه الی قبورهم فی الصلوة".

ایک یہ کہ بقصد عبادت قبور انبیا کو سجدہ کرتے، دوسرے یہ کہ ان کی طرف سجدہ کرتے۔ پھر فرمایا:

"وکلا الطریقین غیر مرضیة" دونوں صورتیں ناپسند ہیں۔

(لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج/۳، ص:۵۲)

صحیح مسلم کی روایت "لاتصلوا الی القبور" کی تشریح میں امام قرطبی نے لکھا:

"ای لا تتخذوها قبلة" (تفسیر قرطبی، ج/۱۰، ص/۳۸۰، دار الکتب المصریہ قاہرہ)

یعنی قبور کو قبلہ نہ بناؤ۔

یہی معنی امام سیوطی تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک میں بیان کرتے ہیں:

"المعنی انهم کانو ا یسجدون الی قبورهم"

یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی قبور کو سجدہ کیا کرتے تھے۔

پھر فرمایا: "وقیل النهی عن السجود علی قبورا لانبیاء و قیل :نهی عن اتخاذها قبلة یصلی الیه"

(تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک ج:۱،ص:۱۴۳، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

ایک قول یہ ہے کہ نہی اس امر کی ہے کہ انبیا کے قبور کو سجدہ کیا جائے ، اور ایک قول یہ ہے کہ انھیں قبلۂ نماز نہ بنایا جائے یعنی ان کی سمت منہ کر کے نماز نہ پڑھی جائے۔

ملّا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

"سبب لعنهم اما لانهم کانو ا یسجدون لقبور انبیائهم تعظیما لهم......واما......التوجه الی قبورهم حالة الصلوة"

(مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص:۳۸۹، دار الکتب العلمیہ)

یعنی یہود و نصاری پر لعنت کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیا کی قبروں کو ان کی تعظیم کی غرض سے سجدہ کرتے تھے......اور یا یہ تھا کہ وہ حالت نماز میں ان کے قبور کی طرف چہرہ کرتے تھے۔

ابوزید نے جس حدیث کو پیش کر کے اہلِ سنّت و جماعت پر شرک کا الزام رکھنے کی ناروا کوشش کی اس حدیث کی تشریحات آپ کے سامنے موجود ہیں جن سے یہود و نصاریٰ پر لعنت اور ان کے فعل کی درج ذیل وجہیں سامنے آئیں:

(۱) یہود و نصاریٰ اپنے انبیائے کرام کے مزارات کو سجدہ کرتے تھے۔

(۲) انہیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تھے۔

(۳) انہوں نے بت تراش کر قبروں پر نصب کر رکھے تھے۔

(۴) وہ صالحین کی قبروں پر مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔

ابوزید کو اگر انصاف سے ذرا بھی مس ہے تو بتائیں! کیا اہلِ سنّت و جماعت انبیا و صالحین کے مزارات کو سجدہ کرتے ہیں؟

کیا انہیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے ہیں؟

کیا ان کے بت تراش کر قبروں پر نصب کرتے ہیں؟

کیا صالحین کی قبروں ہی پر مسجد تعمیر کرتے ہیں؟

کیا یہود و نصاری اور اہلِ سنّت کے افعال میں بعد المشرقین نہیں ہے؟؟؟

ابوزید کو تو اس حقیقت کا خوب ادراک ہوگا کیونکہ یہ بقول خود ایک درگاہ کے مجاور رہ چکے ہیں۔ مزارِ ولی کی مجاوری کرنے کے باوجود اگر وہ محض الزام تراشی اور فریب دہی سے کام لیں تو حساب کا ایک دن ہے!

بحمدہ تعالیٰ اہلِ سنّت و جماعت ان صالحین کے مزارات پر ان کے قرب الٰہی کے سبب جاتے ہیں۔ نہ وہاں سجدہ روا رکھتے ہیں، نہ انہیں قبلہ بنانا جائز سمجھتے ہیں، نہ قبروں پر بت نصب کر رکھے ہیں، اور نہ ہی کسی قبر پر مزار بنایا جاتا ہے۔

مزار صالحین کے قریب مسجد بنانا باعث برکت ہے

رہ گیا یہ کہ مسجد کے قریب مزارات کا وجود تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ مزارات نہ تو قبلہ ہوتے ہیں اور نہ ان کی طرف سجدہ۔ چنانچہ بخاری کی حدیثِ عائشہ کی تشریح میں امام عسقلانی اور امام عینی وغیرہ ائمہ نے فرمایا ہے:

"فاما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح، و قصد التبرک بالقرب منه، لا التعظیم له و لاا لتوجه نحوه،فلایدخل فی ذلك الوعید." (فتح الباری، کتاب الصلاۃ، ج:۱،ص ۶۱۵، دار الحدیث، قاہرہ)

یعنی اگرکسی نے اولیا وصالحین کے مزار کے قریب مسجد بنائی اور اس قرب سے حصول برکت کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ تعمیر مسجد قبر کی تعظیم یا اسے قبلۂ توجہ بنانے کے لیے نہ ہو، سوایسا عمل اس ممانعت میں داخل نہیں ہوتا۔

ملّا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں زیر حدیث " لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور و المتخذین علیھا المساجد "فرماتے ہیں:

"قال ابن الملك:اِنما حرم اتخاذ المساجد عليها لأن فی الصلوة فيهااستنانا بسنة اليهود.اھ وقيد "عليها "يفيد أن اتخاذ المساجد بجنبها لا بأس به، و يدل عليه قوله عليه السلام :لعن الله اليهود والنصارى الذين اتخذواقبور أنبيائهم و صالحيهم مساجد"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج:۲،ص ر ۴۱۴،دارالکتب العلمیہ)

ابن الملک نے کہا ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ ان میں نماز پڑھنا یہودیوں کے طریقے کی پیروی ہے۔ اور" قبروں پر" کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر "قبروں کے پاس" مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ اللہ یہود ونصاری پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیا اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

"اما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح، اوصلی فی مقبرة وقصد الاستظهار بروحه أووصول أثر ما من اثر عبادته اِليه،لا للتعظيم له والتوجه نحوه،فلا حرج عليه، ألا ترى أن مرقد اسمعيل عليه الصلوة والسلام

فی المسجد الحرام عند الحطيم.ثم اِن ذلك المسجد افضل مكان يتحرى المصلی لصلاته"۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج:۲،ص ر ۳۸۹،دارالکتب العلمیہ)

جوآدمی کسی صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائے یا مقبرے میں نماز پڑھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس صالح انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے، یا اس کی عبادت کے اثرات میں سے کچھ اثر اس تک بھی پہنچ جائے، اور قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے، اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام مقامات سے افضل ہے جنھیں کوئی نمازی نماز پڑھنے کے لیے تلاش کرتا ہے۔

علامہ طاہر حنفی مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں:

"و أما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح،أو صلى فی مقبرة قاصدا به الاستظهار بروحه،أووصول أثر ما من آثار عبادته اِليه،لاالتوجه نحو ه والتعظيم له، فلا حرج فيه، ألا يرى أن مرقد اِسمٰعيل فی الحجر فی المسجد الحرام، والصلاة فيه أفضل"

(مجمع بحارالانوار، ج:۴،حرف القاف،ص ر ۱۹۳،دائرۃ المعارف العثمانیہ)

ہاں اگر کسی نیک انسان کے پڑوس میں کوئی شخص مسجد بنائے یا ایسے ہی مقبرے میں نماز پڑھے اور مقصد یہ ہو کہ اس نیک انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے، یا اس کی عبادت کے اثرات سے کچھ اثر اس شخص تک پہنچ جائے، یہ مقصد نہ ہو کہ اس کی طرف منہ کرے اور اس کی تعظیم کرے، تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیا معلوم نہیں ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے، اس کے باوجود اس میں نماز افضل ہے۔

شیخ محقق نے لمعات شرح مشکوۃ شریف میں فرمایا:

”بل لحصول مدد منه حتی تکمل عبادته ببرکة مجادته
لتلك الروح الطاهرة فلا حرج فی ذلك“

(لمعات التنقیح، ج:۳،ص:۵۲)

اگر غرض یہ ہو کہ صاحب قبر سے مدد حاصل کی جائے تا کہ اس پاک روح کے قرب کی وجہ سے عبادت مکمل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابو زید کے فاسد استدلال کی رو سے تو یہ سارے ائمہ کرام قبر پرست قرار پاتے ہیں، جنھوں نے صالحین کے قرب میں مسجد بنانے کو نہ صرف جائز بلکہ حصول برکت کا ذریعہ کہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس صالح انسان کی روح سے عبادت میں تقویت اور عبادت کی تکمیل ٹھہرائی ہے۔

خیال رہے کہ اہلِ سنّت و جماعت کے نزدیک سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں، غیر خدا کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک و کفر ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام و گناہ کبیرہ ہے۔ یوں ہی بہ نیت تعظیم قبر کا طواف بھی حرام ہے۔

اب اگر کوئی اپنی نادانی سے سجدۂ قبر اور طواف میں مبتلا ہوتا ہے تو مزارات اولیا سے کسب فیض کرنے والے تمام خوش عقیدہ مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانا کہاں کا انصاف ہے؟؟

مشرکین خدا کی قدر نہیں کرتے

اللہ والوں کے توسل سے دعا کرنا اہل اسلام کا طریقہ رہا ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اسلاف اس طریقے پر کاربند رہے ہیں۔ ابو زید نے امت کے اس متفقہ موقف کا رد کرتے ہوئے درج ذیل آیت کریمہ پیش کر کے اس سے غلط استدلال کیا۔

[”والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی ان الله یحکم بینهم فی ما هم فیه یختلفون ان الله لایهدی من هو کٰذب کفار“

عرب کے مشرکین اپنے بتوں کی عبادت اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے۔ ان کا مقصد اللہ تھا لیکن اس مقصد کے لیے جو طریقہ انھوں نے اپنایا تھا وہ غلط تھا۔ اللہ تک پہنچنے کے لیے شیطان نے انہیں وہ راہ سمجھائی جو اللہ سے مزید دور کرنے والی تھی۔ اپنے اس عمل کے نتیجے میں وہ اللہ پر جھوٹ گڑھنے کے مجرم اور ناشکرے کافر قرار پائے۔ (ص۳۹)]

اس آیت سے استدلال کر کے اہل ایمان کے عمل کو مشرکین عرب کے عمل کی طرح ٹھہرانا یہ وہی خارجیوں کا طریقۂ تکفیر ہے۔ اگر دوسری تفاسیر نہیں دیکھنا چاہتے تو اپنی ہی سات سو سال پرانی تفسیر ابن کثیر دیکھ لیتے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

”ثم اخبر الله تعالیٰ عن عباد الأصنام من المشرکین أنهم یقولون: (مانعبدهم اِلا لیقربونا اِلی الله زلفٰی) ای: اِنما یحملهم علی عبادتهم لهم أنهم عمدوا اِلی أصنام اتخذوها علی صور الملائکة المقربین فی زعمهم، فعبد واتلك الصور تنزیلالذلك منزلة عبادتهم الملائکة، لیشفعوا لهم عندالله فی نصرهم و رزقهم، وما ینوبهم من أمر الدنیا، فأما المعاد فکانوا جاحدین له کافرین به“.

قال قتادة،والسدی ومالك عن زید بن اسلم،وابن زید :(اِلا لیقربونا اِلی الله زلفٰی)ای: لیشفعوالنا، و

يقربونا عنده منزلة.ولهٰذاكانوا يقولون فى تلبيتهم اِذا حجوا فى جاهليتهم: "لبيك لا شريك لك اِلاشريكا هو لك،تملكه وما ملك".

یعنی پھر اللہ نے مشرکین بت پرستوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ کہتے ہیں ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں، یعنی مشرکین کو بتوں کی عبادت پر آمادہ کرنے والی بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے گمان میں بتوں کو ملائکہ مقربین کی صورت میں بنالیا تھا اور ان کی پرستش کی جیسے ملائکہ کی عبادت کیا کرتے تھے، تاکہ یہ اللہ کے ہاں ان کی مدد اور رزق اور اترنے والی آفات میں ان کی سفارش کریں۔ رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے وہ منکر تھے۔

حضرت قتادہ سدی، مالک رضی اللہ عنہم نے زید بن اسلم اور ابن زید سے روایت کرتے ہوئے کہا "الا ليقربونا الى الله زلفى" یعنی مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ سب ہماری شفاعت کریں اور اللہ کے ہاں ہمیں قریب کردیں، اسی لیے جاہلیت میں حج کے وقت وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے۔

"لبيك لاشريك الا شريكا هولك تملكه وما ملك"

(تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر آیت ۳/ج: ۱۲، ص/۱۱۱-۱۱۲، مکتبۃ اولاد الشیخ للتراث، جیزہ مصر)

اس آیت کی تفسیر جلالین میں یوں کی گئی ہے:

"(ان الله لا يهدى من هو كاذب.)فى نسبة الولد اِليه (كفار) بعبادته غير الله"

(تفسیر جلالین، سورہ: زمر، آیت: ۳، ص/ ۴۶۰، دار ابن کثیر)

بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اسے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت کرنے میں جھوٹا، اس کے سوا کی عبادت کرکے اس کا بڑا ناشکرا ہو۔

اس تفسیر اور روایت سے واضح ہوگیا:

(۱) مشرکین عرب ان بتوں کی عبادت کرتے تھے نہ کہ محض وسیلہ سمجھتے تھے۔

(۲) اس خود ساختہ عبادت کو وہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

(۳) آخرت کے منکر تھے۔

(۴) مشرکین قبور کو تعظیماً نہیں بلکہ انہیں معبود سمجھ کر ان کی طرف سجدہ کرتے تھے۔

(۵) بتوں کو اللہ کا شریک جانتے تھے۔

(۶) مشرکین نے صالحین کے مجسمے بنا کر رکھے تھے جن کو وہ پوجتے تھے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت کرتے تھے۔

اب ضمیر صاحب بتائیں! معاذ اللہ! کیا اہلِ سنّت و جماعت بھی اللہ والوں کو وسیلہ بنانے کے ساتھ انہیں خدا کا شریک جانتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کے مجسمے بنا کر انہیں پوجتے، انہیں معبود سمجھ کر انہیں سجدہ کرتے، اس خود ساختہ عبادت کو قرب الٰہی کا ذریعہ جانتے، اس کی طرف ولد کی نسبت کرتے، اور آخرت کے منکر ہیں؟؟؟ اگر آپ جیسوں کا مبلغ علم لے کر بات کی جائے تو شرک سے کون بچے گا۔

رہ گیا یہ کہ مشرکین کا یہ کہنا ہم ان بتوں کو صرف وسیلہ بناتے ہیں، سراسر جھوٹ ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو ان کے دلوں میں خدا کی محبت اور عزت بتوں سے زیادہ ہوتی حالانکہ وہ بتوں کی عزت اور محبت تو کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا دعوائے محبت محض زبانی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے بتوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے تو وہ غیرت میں آجاتے اور مسلمانوں کے رب کو برا بھلا کہنے لگتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ولاتسبوا الذ ين يد عون من دون الله فيسبوا الله عدوابغير علم". (سورہ: انعام، آیت: ۱۰۸)

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی

کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

اگر بتوں کی عبادت صرف تقرب کے لیے تھی تو اپنے معبودوں کا انتقام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو سب وشتم کیوں کرتے۔

اسی طرح وہ ہر بات میں بتوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے اور کھیتیوں میں جو حصہ مقرر کرتے اس میں ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جو حصہ بتوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا، اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ بتوں کو پہنچتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فما کان لشرکآئِھم فلا یصل اِلی اللہ وماکان للہ فھو یصل اِلی شرکائِھم" (سورہ:انعام،آیت:۱۳۶)

تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے۔

ان شواہد سے یہ واضح ہوگیا کہ مشرکین اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد اللہ تھا، یہ کہنا حقائق کا قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اگر ان کا مقصد اللہ تھا اور بت محض وسیلہ، تو اپنے بتوں کو ترجیح کیوں دیتے اور بتوں کی حمایت میں رب تعالیٰ کو برا کیوں کہتے۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصد کو چھوڑ کر وسیلہ کو اہم مقام دیا جائے؟

اولیاے کرام کو بتوں پر قیاس کرنا خارجی طریقہ

انبیاے کرام وصالحین کا وسیلہ اور مشرکین کی بتوں کی پوجا دونوں کو ایک ہی قرار دے کر مسلمانوں کو بھی مشرک ٹھہرانا، ابوزید نے خوارج اور برہمنوں سے مستعار لیا ہے۔

ایک عالم سے ایک برہمن نے یہی ابوزیدی سوال کیا تو اس عالم حق نے دونوں کے فرق کو واضح کردیا۔ اس سوال وجواب کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی میں نقل فرمایا۔ ملاحظہ کریں:

تم لوگ اہل قبور سے مدد اور شفاعت چاہتے ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ تم بھی شرک کرتے ہو۔ حاصل کلام تم لوگ اہل قبور کو جیسا جانتے ہو ویسا ہی ہم لوگ کنھیا اور کالکا کی تصویر کو سمجھتے ہیں۔ ظاہراً نہ اہل قبور میں کچھ قوت ہے، نہ بت میں ہے۔ اور اگر تمہارا کلام یہ ہے کہ اہل قبور میں باطنی قوت ہے، اس وجہ سے ان لوگوں سے حاجت روائی ہوتی ہے تو بتوں سے بھی اکثر حاجت روائی ہوجاتی ہے۔ اور اگر تم لوگ یہ کہو کہ ہم لوگ اہل قبور سے صرف یہی کہتے ہیں کہ خدا سے ہمارے واسطے شفاعت کرو تو میں بھی بتوں سے ایسی ہی شفاعت چاہتا ہوں۔

تو جب ثابت ہوا کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے تو بعض مسلمان ضعیف الاعتقاد ستیلا اور مسانی وغیرہ کی پرستش سے کیوں باز آئیں گے؟

جواب: اس سوال کے چند مقامات میں شبہ واقع ہوا ہے۔ ان مقامات سے خبردار ہونا چاہیے۔ اس وقت ان شاءاللہ تعالیٰ اس سوال کا جواب بفضلہٖ تعالیٰ واضح ہوجائے گا۔

(۱) اول یہ کہ مدد چاہنا دوسری چیز ہے اور پرستش دوسری چیز ہے۔ عوام مسلمانوں میں یہ نقصان ہے کہ وہ لوگ خلاف شرع طور سے اہل قبور سے مدد چاہتے ہیں۔ مگر وہ بھی پرستش نہیں کرتے۔ اور بت پرست لوگ بت سے مدد بھی چاہتے ہیں اور پرستش بھی کرتے ہیں۔ پرستش سے مراد یہ ہے کہ کسی کو سجدہ کرے، یا کسی چیز کی عبادت کی نیت سے اس چیز کا طواف کرے، یا بطریق تقرب کے کسی کے نام کا وظیفہ کرے، یا اس کے نام سے کوئی جانور ذبح کرے، یا اپنے کو کسی کا بندہ کہے۔ اور جو جاہل مسلمان اہل قبور کے ساتھ ایسا کوئی امر کرے یعنی مثلاً اہل قبور کو سجدہ کرے تو وہ فی الفور کافر ہوجائے گا۔ اور اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

(۲) دوسرا یہ امر اس سوال میں قابل لحاظ ہے کہ مدد چاہنا دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک طور یہ ہے کہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق سے مدد چاہے جیسے امیر اور بادشاہ سے نوکر اور فقیر اپنی

حاجتوں میں مدد چاہتے ہیں اور عوام الناس ایسا ہی اولیاء اللہ سے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا فلاں مطلب حاصل ہو جائے۔ اس طرح سے مدد چاہنا شرعاً زندہ اور مردہ سب سے جائز ہے۔

(۳) تیسرا طور پر مدد چاہنے کا یہ ہے کہ جو چیزیں خاص اللہ تعالیٰ کے قدرت میں ہیں مثلاً لڑکا دینا، یا پانی برسانا، یا بیماریوں کو دفع کرنا، یا عمر زیادہ کرنا، یا ایسی اور چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں، ایسی چیزوں کے لیے کسی مخلوق سے کوئی شخص التجا کرے اور اس شخص کی نیت یہ نہ ہو کہ وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا مطلب یہ حاصل ہو تو حرام مطلق ہے بلکہ کفر ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان اولیاء اللہ سے اس ناجائز طور سے مدد چاہے یعنی ان کو قادر مطلق سمجھے، خواہ وہ اولیاء اللہ زندہ ہوں یا وفات پائے تو وہ مسلمان اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

بت پرست لوگ بھی اسی ناجائز طور سے اپنے معبودان باطل سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اس امر ناجائز کو وہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس سوال میں جو مذکور ہے کہ بت پرست نے کہا کہ میں بھی اپنے بتوں سے صرف شفاعت چاہتا ہوں جیسا تم لوگ پیغمبروں اور اولیاء اللہ سے سفارش چاہتے ہو تو یہ کلام بھی مکر وفریب سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ بت پرست لوگ ہرگز شفاعت نہیں چاہتے، بلکہ بت پرست لوگ شفاعت کے معنی جانتے ہی نہیں اور نہ ان لوگوں کو شفاعت کا خیال ہوتا ہے۔ شفاعت سے مراد سفارش ہے۔ اور سفارش سے مقصود یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مطلب کے لیے کسی تیسرے سے کہے اور بت پرست لوگ ایسا نہیں سمجھتے اور نہ وہ لوگ بت سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہماری سفارش اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرو۔ اور ہمارا مطلب اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حاصل کرادو۔ بلکہ وہ لوگ خاص بتوں سے اپنا مطلب چاہتے ہیں۔

اور یہ جو اس بت پرست نے کہا کہ اہل قبور کہ جیسا کہ تم جانتے ہو ویسا ہی کنھیا اور

کالکا کی تصویر کو ہم بھی سمجھتے ہیں تو یہ بھی غلط در غلط ہے۔ اس واسطے کہ یہ ثابت ہے کہ اگرچہ بعد موت کے بدن قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے مگر اس بدن کے ساتھ روح کا تعلق ضرور رہتا ہے اس واسطے کہ ایک مدت دراز تک اس بدن میں روح رہ چکی ہے۔ اور بت پرست لوگ اپنے معبودوں کی قبر کی تعظیم نہیں کرتے، بلکہ خود تصویروں اور پتھروں اور درختوں اور دریاؤں کو قرار دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی تصویر ہے۔ حالانکہ اس کی روح کو اس چیز سے کوئی تعلق رہتا نہیں۔ اور ایسا بھی نہیں کہ وہ چیز وہاں جلائی گئی ہو تو ایسے محض فرضی قرارداد کا کچھ اعتبار نہیں۔ (فتاوی عزیزی، ص/۱۷۴-۱۷۶، سعید کمپنی، کراچی)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں بیان کیا ہے:

شرح مقاصد میں مذکور ہے کہ قبر کی زیارت میں نفع پایا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی صالحین اموات کے نفس سے استعانت کرنے میں بھی نفع پایا جاتا ہے اس واسطے کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی نفس کا تعلق بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے اور میت کے نفس کا تعلق اس تربت کے ساتھ بھی رہتا ہے کہ جس میں وہ دفن کیا جاتا ہے جب زندہ اس تربت کی زیارت کرتا ہے اور میت کے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس میں تلاقی حاصل ہوتی ہے اور استفاضہ ہوتا ہے۔ (فتاوی عزیزی، ص/۱۹۱، سعید کمپنی، کراچی)

ناظرین! برہمن نے اپنی ناسمجھی سے اہل اللہ اور اپنے بتوں سے استمداد کو ایک سمجھ لیا تو اس عالم برحق نے اس کے اس فاسد استدلال کا رد کر دیا۔ اسی برہمنی سوچ اور غلط استدلال کے سبب ابوزید نے اہل اللہ سے استمداد کو مشرکین کے فعل کی طرح ٹھہرایا۔ اچھا ہوتا کہ شاہ صاحب کا کلام دیکھ لیا ہوتا مگر کیوں دیکھتے؟ مقصد تو شرک کا کاروبار کرنا ہے!

مزاراتِ صالحین کے بارے میں ائمہ کرام کا موقف

اولیاے کرام کو وسیلہ بنانا اور ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعا کرنا تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی برکتوں سے ہماری حاجات پوری فرمائے، اس طرح کے عمل کو ابوزید نے گمراہی، شرک جیسے طاغوتی القاب سے بیان کیا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے اسلاف کا کچھ کلام پیش کر دیا جائے تاکہ ابوزیدی شرک کا قصہ تمام ہو جائے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود و برائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبر ایشاں رود از انجا انجذاب دریوزہ کند"

یعنی مشائخ کی پاک روحوں کی جانب متوجہ ہو اور ان کے لیے فاتحہ پڑھے یا ان کے مزارات پر جائے اور وہاں سے بھیک مانگے۔ (لمعات، ص/۳۴)

مرزا مظہر جان جاناں کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ ہند و عرب میں ایسا متبع کتاب و سنت نہیں ہے یہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ تک نسبت پہنچتی ہے اور فقیر کو اس جناب سے خاص نیاز حاصل ہے، جب کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو آنحضرت کی جانب میری توجہ ہوتی ہے اور شفایابی کا سبب بنتی ہے۔"

(مکاتب مرزا مظہر، ص/۸۷، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۶۸۸، پوربندر)

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"کرامات الأولیاء باقیة بعد موتهم أیضا کما أنها باقیة فی حال نومهم و من زعم خلاف ذلك فی الکرامات فهو جاهل متعصب"

"یعنی اولیاے کرام کی کرامتیں بعد انتقال بھی باقی رہتی ہیں جس طرح نیند کے عالم

میں باقی رہتی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے"۔

(الحدیقۃ الندیہ، ج:۱، ص/۱۹۷، دارالحدیقہ)

شیخ الاسلام شہاب رملی سے منقول ہے:

"معجزات الانبیاء و کرامات الاولیاء لا تنقطع بموتهم"

انبیا کے معجزے اور اولیا کی کرامتیں ان کے انتقال سے منقطع نہیں ہوتیں۔

(الانصاف فی حقیقۃ الاولیاء، ص/۱۰۴، دار ابن عفان)

امام علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

"ولهذا ینتفع بزیارة قبور الابرار والاستعانة من نفوس الاخیار."

اسی لیے قبور اولیا کی زیارت اور ارواح طیبہ سے استعانت نفع دیتی ہے۔

(شرح المقاصد، جلد:۲، ص/۴۳، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۳۷۷، پوربندر)

شیخ الاسلام امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جب زائر قبر کے پاس آتا ہے تو اسے قبر سے اور ایسے ہی صاحب قبر کو اس سے ایک خاص تعلق حاصل ہوتا ہے، اور ان دونوں تعلقات کی وجہ سے دونوں کے درمیان معنوی ملاقات اور ایک خاص ربط حاصل ہوتا ہے، اب اگر صاحب قبر زیادہ قوت والا ہوتا ہے تو زائر مستفیض ہوتا ہے اور برعکس ہے تو برعکس ہوتا ہے۔

(کشف الغطاء، ص/۸۰، بحوالہ سابق)

سید احمد بن زروق فرماتے ہیں:

ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا: زندہ کی امداد قوی ہے یا وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے؟ میں نے کہا: کچھ لوگ زندہ

کی امداد زیادہ بتاتے ہیں۔اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔اس شیخ نے فرمایا: ہاں، اس لیے کہ وہ حق کے دربار اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ (فرمایا) اس مضمون کا کلام ان بزرگوں سے اتنا زیادہ منقول ہے کہ حد وشمار سے باہر ہے اور کتاب و سنت اور سلف وصالحین کے اقوال میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اس کے منافی ومخالف اور اسے رد کرنے والی ہو۔

(اشعۃ اللمعات، جلد:۱، ص ر ۷۱۶، بحوالہ سابق)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اذا مات هذا البارع لا يفقد هو ولا براعته بل كل ذلك بحاله."

جب یہ بندہ کامل انتقال کرتا ہے تو نہ وہ گم ہوتا ہے نہ اس کا کمال، بلکہ بدستور اسی حال پر رہتا ہے۔ (فیوض الحرمین، ص ر ۱۱۳، مطبع احمد، دھلی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ دوستاں ومعتقدان را در دنیا وآخرت مددگاری می فرمائید، ودشمناں را ہلاک می نمایند، واز ارواح بطریق اولیت فیض باطنی می رسد۔

اولیاء اللہ اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کی دنیا وآخرت میں مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور روحوں سے اولیت کے طریقے پر باطنی فیض پہنچتا ہے۔

(تذکرۃ الموتی والقبور، ص:۷۶، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۸۱۰، پوربندر)

قبر میں مدفون صالحین کی برکات کے بارے میں اگر اکابر کا کلام جمع کیا جائے تو دفتر بھی ناکافی ہوگا۔اللہ والوں کے مزارات پر حاضر ہو کر کسب فیض کرنا اگر واقعی شرک ہوتا

تو یہ سب اکابرین امت ہرگز شرک کی تعلیم نہ دیتے۔شرک کے سد باب کے لیے ان کی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔اہل اللہ کی برکتوں کی طرف ان حضرات کی رہنمائی ہی اس کے حق وثابت ہونے کی دلیل کافی ہے۔

اس باب کو اہلِ حدیث کے پیشوا اسماعیل دہلوی کے قول پر بند کیا جاتا ہے:

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازع درمابین روحین مقدسین درحق حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ بسوئے خود مے فرمود تا ازینکہ بعد انقراض زمانۂ تنازع ووقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی وتاثیر زورآور مے فرمودند تا اینکہ در ہمان یک پاس حصول نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردید۔ (صراط مستقیم، ص ر ۱۶۶، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں اور قریب ایک ماہ تک دونوں مقدس روح کے درمیان حضرت کے حق میں تنازع رہا۔اس لیے دونوں اماموں میں سے ہر ایک حضرت کو پورے طور سے اپنے طرف کھینچنے کا تقاضا کر رہے تھے۔یہاں تک کہ زمانہ تنازع ختم ہونے اور شرکت پر مصالحت واقع ہو جانے کے بعد ایک دن دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں۔ایک پہر کے قریب دونوں امام حضرت کے نفس نفیس پر قوی توجہ اور پرزور تاثیر ڈالتے رہے، یہاں تک کہ اس ایک پہر کے اندر دونوں طریقتوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔

مزاراتِ اولیاے کرام کی برکات

پچھلے اوراق میں آپ مزارات سے کسب فیض کے بارے میں ائمہ دین کے

ارشادات پڑھ چکے ہیں۔اب آیئے! چند مسلمہ بزرگوں سے مروی واقعات کی روشنی میں مزارات کی برکتوں کو ملاحظہ کرتے ہیں:

مزار ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی برکت

سنہ ۵۲ھ میں اسلامی لشکر قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوا۔جس میں اکابر صحابہ کرام کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔آپ وہاں بیمار ہوئے اور وصال فرما گئے۔آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دشمن کی سرحد کے قریب قلعہ کے دامن میں دفن کیا گیا۔آپ کے مزار مبارک کے فیوض وبرکات جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہوگئے اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ آپ کے مزار مبارک پر جو دعا کی جائے ضرور قبول ہوتی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے اور سب لوگوں کو معلوم ہے،لوگ وہاں آکر بارش کے لیے دعا کرتے ہیں تو بارش ہوجاتی ہے''

(استیعاب، ج:۲،ص/۴۲۶، دارالجیل، بیروت)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے مزار کی برکت

۲۷ھ میں اسلامی لشکر نے قبرص پر حملہ کیا،حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ اس لشکر میں شامل تھیں۔آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہلے ہی یہ غیب کی خبر دے دی تھی کہ تم اس بحری جہاد میں شریک ہوگی۔چنانچہ قبرص فتح ہونے کے بعد آپ وہاں گھوڑے سے گر کر وفات پاگئیں اور قبرص ہی میں دفن کی گئیں۔آپ کے مزار مبارک کے فیوض وبرکات کے باعث لوگ وہاں زیارت کے لیے آنے لگے۔

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''عوام میں آپ کی قبر ''قبر **المرأة الصالحه**''یعنی ''صالحہ خاتون کی قبر'' کی نام سے مشہور ہوگئی اور لوگ وہاں جاکر جو دعا کرتے وہ قبول ہوتی''۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۷،ص/۱۵۳، دارالفکر بیروت)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر طلب حاجات

امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی برکتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمیشہ سے علمائے کرام اور حاجت مندوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنی حاجت روائی کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کے مزار پر جاتا ہوں اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری ہوجاتی ہے''۔

(الخیرات الحسان، ج:۱،ص/۲۷، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

یہی بات علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) نے بھی بیان فرمائی ہے۔

(تاریخ بغداد، ج/۱،ص:۴۴۵، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۴ھ) کا یہ ارشاد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۳ھ) نے بھی تحریر فرمایا ہے۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول نہیں تھا بلکہ ہمیشہ سے علمائے کرام اور حاجت مندوں کا یہی طریقہ رہا

ہے۔ (ردالمحتار، ج:۱، ص؍۳۸)

مزارِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مثل آفتاب

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے توسل کیا تو ان کے صاحبزادے نے تعجب کیا، اس پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہیں جیسے لوگوں کے لیے سورج اور بدن کے لیے صحت وتندرستی''۔

(شواہد الحق، ص؍۱۴۴، بحوالہ مزارات اولیا اور توسل)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''آپ کا مزار مبارک قرافہ (مصر) میں ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں''۔

(مقدمہ اشعۃ اللمعات، ص:۱۵۴، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی)

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے مزار کی برکت

محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک بغداد میں مشہور ومعروف ہے۔ لوگ آپ کے مزار شریف کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے وصال کے دوسو تیس سال بعد کسی مرد صالح کی تدفین کے وقت آپ کی قبر کھل گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا کفن بھی صحیح سالم ہے، پرانا نہیں ہوا اور آپ کا جسم مبارک بھی بالکل صحیح حالت میں ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج:۱، ص؍۲۴، دار الفکر، بیروت)

امام موسیٰ کاظم علیہ الرحمۃ کا مزار اور قبولیت دعا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے''۔

(اشعۃ اللمعات مترجم، ج:۲، ص:۹۲۳، مطبع، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دھلی)

امام علی رضا علیہ الرحمۃ کا مزار اور دفع مشکلات

محدث ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۷ھ) امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی برکتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''شہر طوس میں قیام کے دوران مجھے جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی پیش آئی، میں نے امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مشکل یا پریشانی دور ہو جائے، میری وہ دعا ضرور قبول ہوئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بار بار آزمایا''۔ (کتاب الثقات بحوالہ مزارات اولیا اور توسل)

حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کا مزار تریاق مجرب

عارف ربانی ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:

''حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۱ھ) بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے، آپ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ آپ کے مزار مبارک کے توسل سے لوگ شفا پاتے تھے۔ اہل بغداد کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تریاق مجرب ہے''۔

(رسالہ قشیریہ، ص؍۱۵۱، رضوی کتاب گھر، دہلی)

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ ''حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اکسیر مجرب ہے''۔

(صفۃ الصفوۃ، ج:۱، ص/۲۷۴، دارالحدیث، قاہرہ)

امام بخاری علیہ الرحمۃ کے مزار پاک کا فیضان

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کرنے کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو کافی مدت تک اس سے مشک کی خوشبو آتی رہی اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے''۔

(ہدی الساری مقدمہ، ص/۶۶۳، دارالحدیث، قاہرہ)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) نے تحریر کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دو سو سال بعد سمرقند میں قحط سالی ہوگئی، لوگوں نے کئی بار بارش کے لیے دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی۔ پھر ایک صالح بزرگ نے قاضی شہر کو کہا کہ لوگوں کو لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاؤ، اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، امید ہے اللہ تعالیٰ بارش عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ لوگوں نے جب امام بخاری کی قبر پر جا کر گریہ وزاری کی اور آپ کے وسیلے سے دعا مانگی اور آپ سے قبولیت دعا کی سفارش کی درخواست کی تو اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ بارش کی کثرت کے باعث سات دن تک سمرقند نہ پہنچ سکے۔

(ارشاد الساری، جلد:۱، ص/۳۹، بحوالہ مزارات اولیا اور توسل)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶ھ) کے مزار کی برکت کے متعلق ایک ایسا ہی واقعہ محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج:۱، ص:۱۷، دارالفکر، بیروت)

یہ تو ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے۔ نام نہاد اہلِ حدیث کے فاسد اصول کے مطابق یہ سارے ائمہ دین گور پرست ہوئے۔ کیوں کہ امام شافعی، حافظ ابن کثیر، خطیب بغدادی، ملّا علی قاری، محدث ابن جوزی، ابن حجر عسقلانی، الشیخ عبد الحق محدث دہلوی یہ سارے بزرگ فیوض مزارات کے قائل ہیں۔

اور اہلِ حدیث کے یہاں یہ شرک ہے۔ تو یہ سارے ائمہ ''ضلوا فاضلوا'' کے مصداق ہوئے۔ (معاذ اللہ)

ائمۂ دین پر یہ سارے حملے کرنے کے بعد اہلِ حدیث کے دامن پارسائی پر خون کا ایک دھبہ بھی نہ آیا اور بالکل بھولے بن کر کہہ رہے ہیں کہ ہم کہاں اولیا کے منکر ہیں۔ یہ تو ہمارے اوپر غلط الزام ہے۔

غیر مقلدین اور قبروں سے استمداد

ابوزید نے اہلِ حدیث کے بارے میں جو بلند بانگ دعوے کیے ہیں، ان کی حقیقت کو بھی طشت از بام کر دیا جائے تاکہ انصاف پسند طبقہ بخوبی فیصلہ کر سکے کہ نام نہاد اہلِ حدیث اپنے منھ بولے شرک اور تعبدی عمل میں گلے تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ ابوزید نے لکھا ہے:

> اہلِ حدیث کسی بھی تعبدی عمل میں اللہ کے ساتھ کسی شخصیت کو شریک نہیں کرتے۔ چاہے وہ شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ اہلِ حدیث اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے قبروں میں مدفون صالحین کو نہیں پکارتے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک ایسا کرنا شرک ہے۔ (ص/۳۷)
>
> اُاہلِ حدیث کے نزدیک اللہ کے سوا قبروں سے یا قبر والوں سے حاجت روائی کی التجا کرنا شرک ہے۔ (ص/۳۸)

نام نہاد اہلِ حدیث نے بارگاہ اولیا سے کسب فیض کو تعبدی عمل اور شرک قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اہلِ حدیث ان کاموں سے دور رہتے ہیں۔آیئے !اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا واقعی اہلِ حدیث قبر والوں سے حاجت روائی کی التجا نہیں کرتے اور قبروں میں مدفون صالحین کو نہیں پکارتے ؟

غیر مقلد نواب وحید الزماں حیدر آبادی نے اپنی مشہور کتاب ''نزل الابرار من فقہ النبی المختار'' میں لکھا ہے:

''حصول برکت کے لیے اولیا کی قبروں کی دربانی اور مجاوری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بہت سے صلحا اور فضلا سے منقول ہے۔''

(نزل الابرار، ج:۱،ص/۲۴۱، سعید المطابع، بنارس)

اور یہی غیر مقلدوں کے عالم لکھتے ہیں:

''کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ نبی یا غیر نبی کی قبر کی مجاوری اور خدمت شرک ہے۔'' (ھدیۃ المھدی،ص/۳۴،سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اور لکھتے ہیں:

''سلف و خلف کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ وہ لوگ صلحا کے تبرکات، مزارات، کنوؤں اور چشموں سے برکت حاصل کرتے تھے۔''

(ھدیۃ المھدی،ص/۳۴)

اور سنیے!''متبرک مقامات پر خاص طور سے نبی ﷺ کی قبر کے پاس دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔'' (ہدیۃ المھدی،ص/۳۲۔۳۴،سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اور علامہ جوزی کے حوالے سے لکھا:

''اگر نبی کی قبر کے پاس دعا قبول نہ ہو تو کہاں ہو۔'' (ایضاً:ص/۳۲۔۳۴)

دوسرے غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان اپنے والد کی قبر کے بارے میں

لکھتے ہیں:

''لایزال یری النور علی قبرہ الشریف ،والناس یتبرکون بہ.''

آپ کی قبر شریف پر ہر وقت نور برستا رہتا ہے اور لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ (التاج المکلل ،ص:۲۸۵، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ ،قطر)

اور ابوعوانہ کی قبر کے بارے میں لکھا:

''ان قبرہ باسفرائیین مزار العالم ،متبرك الخلق''

اسفرائین میں ان کی قبر زیارت گاہ خلائق اور مقام تبرک ہے۔

(التاج المکلل ،ص:۱۴۰، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ ،قطر)

اور نواب وحید الزماں ابوزید ضمیر کے موقف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس تقریر سے کم فہموں کا یہ شبہ دور ہو جاتا ہے کہ صلحا کی روحوں سے انوار و برکات اور قلوب کو بشاشت کیسے حاصل ہوتی ہے۔''

(ھدیۃ المھدی،ص/۶۳،سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

دیکھا ضمیر صاحب! قبر سے برکت حاصل کرنا اور مجاوری کرنا آپ کے بڑوں کا وطیرہ رہا اور آپ کہتے ہیں شرک ہے۔اب خدا ہی بہتر جانے کہ اہلِ حدیث لکھ کر سمجھتے ہیں یا سمجھ کر لکھتے ہیں۔

اہلِ حدیث عالم وحید الزماں لکھتے ہیں:

''چنانچہ اس سے بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ندا،توجہ یا غیر اللہ سے ان امور میں استغاثہ کرنا جن پر مخلوق قادر ہے، یا غیر اللہ کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اللہ کے حکم و ارادہ سے نفع و ضرر پہونچا سکتے ہیں،شرک اکبر نہیں''۔

اور حاشیہ پر نواب صاحب یہ نوٹ تحریر کرتے ہیں:

یہ شرک کیونکر ہوسکتا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وما هم بضارين به من احد الا باذن الله'' (اللہ کے حکم بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہونچا سکتے) دیکھیے صاحب ''جامع البیان،، نے آغاز تفسیر میں نبی سے استغاثہ کیا ہے، اگر غیر اللہ سے مطلق استغاثہ شرک ہوتا تو جامع البیان کے مصنف مشرک قرار پائے اور ان کی تفسیر پر اعتماد نہ کیا جاتا، حالانکہ تمام اہلِ حدیث نے ان کی تفسیر کو قبول کیا ہے۔''

(ہدیۃ المہدی، ص ر ۲۰، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اور فرماتے ہیں:

یا غلبۂ محبت واستغراق سے پکارے اور ندا دے، اور غائب کو حاضر مان کر یوں کہے: یا رسول اللہ، یا علی، یا حیدر، یا مدار، یا سالار، یا محبوب، یا غوث یا ایسے امور میں مدد چاہے جن پر انبیا، اولیا اور مردوں میں اللہ کے نیک بندے قدرت رکھتے ہیں .... یہ اور اس قسم کے تمام امور بندے کو اسلام سے خارج نہیں کرتے،،

(ہدیۃ المہدی، ص ر ۱۶، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

نواب صاحب ندا کے جواز پر راس الطائفہ کی ایک نظم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت علامہ نواب صدیق حسن خان اپنی ایک نظم میں عرض کرتے ہیں:

یاسیدی، یا عروتی، یا وسیلتی   و یا عدتی فی شدة و رخاء.

اے میرے آقا، اے میرے سہارے، اے میرے وسیلے اور اے تنگی اور فراخی میں میرے کام آنے والے۔

قد جئت بابك ضارعا متضرعا   متأوها بنفس الصعداء

میں آپ کے در پر روتا بلکتا   اور لمبی لمبی آہیں بھرتا ہوا آیا ہوں

مالی اراك مستغاث فارحمنی   یارحمة للعلمين بكائی

آپ کے علاوہ کوئی میرا فریاد رس نہیں ہے   اے سارے جہان پر رحم کرنیوالے میری آہ وبکا پر رحم کیجیے۔

نواب صاحب اس آہ وبکا کی وجہ جواز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ سوال مردوں سے نہیں بلکہ صلحا کی روحوں سے ہے اور روح کے لیے موت وفنا کہاں؟ وہ تو احساس وادراک کرتی رہتی ہے، خاص طور سے انبیا اور شہدا کی روحیں تو زندوں کا حکم رکھتی ہیں''۔

(ہدیۃ المہدی، ص ر ۲۰، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ عوام جو یہ کہتے ہیں: یا رسول اللہ! یا علی! یا غوث! تو محض اس ندا سے ان پر شرک کا حکم نہیں لگایا جاسکتا،، (ہدیۃ المہدی، ص ر ۲۴)

نواب صدیق حسن نے بعض تالیفات میں فرمایا ہے:

قبلۂ دیں مددے   کعبۂ ایماں مددے

ابن قیم مددے   قاضی شوکاں مددے

(ہدیۃ المہدی، ص ر ۲۳، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

نواب صدیق حسن خان نے التاج المکلل میں جن بزرگوں کے احوال قلمبند کیے ہیں، ان کے بارے میں مقدمے میں لکھا:

اگر چہ یہ لوگ کمیت میں کم ہیں، مگر کیفیت میں بہت زیادہ ہیں اس لیے کہ یہی لوگ مدد اور کامل مدد کا ذریعہ ہیں۔''

(التاج المکلل، ص: ۸، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، قطر)

دیکھا ضمیر صاحب! آپ کے منہ بولے شرک اور تعبدی عمل کا اہلِ حدیث کے یہاں کتنا چلن ہے۔ یہ فیصلہ قارئین کریں گے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں، یا آپ کے اکابر جو کر گئے وہ صحیح ہے۔ اگر ابوزید کا کہنا صحیح ہے کہ قبروں میں مدفون صالحین کو پکارنا اور ان کے یہاں جا کر دعا کرنا شرک ہے تو اکابر اہلِ حدیث مشرک ہوئے، اور اگر اکابر اہلِ حدیث جو کر گئے وہ صحیح ہے تو کیا مسلمان کو مشرک کہنے والے کی طرف اس کا یہ قول نہیں پلٹے گا اور کہنے والا خود (ابوزید) کافر نہیں ہے؟؟

میں آئینہ ہوں دکھاؤں گا داغ چہرے کا
جسے خراب لگے سامنے سے ہٹ جائے

غیر مقلدین اور قبروں کی بے حرمتی

ابوزید نے لکھا:

[اولیائے کرام بلکہ کسی بھی مسلمان کی قبر کی بے حرمتی اہلِ حدیث کے نزدیک گناہ ہے۔ (ص ۳۸)]

ایک مقام پر یوں خامہ فرسائی کی:

[مسلکی تعصب میں مبتلا بعض نادان مسلمان اس جھوٹے پروپیگنڈے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہی روش (دہشت گرد ٹھہرانا) اہلِ حدیث کے خلاف اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ (ص ۶۴)]

اہلِ حدیث کو دہشت گرد قرار دینا یہ الزام ہے یا حقیقت ہے؟ اہلِ حدیث مسلمانوں کی قبر کا احترام کرتے ہیں۔ یہ جھوٹ ہے یا سچ؟

ان دونوں باتوں کو جاننے کے لیے تاریخ کے جھروکے میں جھانک کر دیکھیے۔ صحیح اور غلط کا فیصلہ ازخود آسان ہو جائے گا۔

اہلِ حدیث عام مسلمانوں کی قبر کا احترام تو کیا کریں گے حضور اکرم ﷺ کی قبر

انور کی بے حرمتی ان کا عین منشا ہے۔ علامہ احمد بن علی بصری کتاب "فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبد الوهاب" میں فرماتے ہیں:

"منها انه صح انه يقول: لو اقدر على حجرة الرسول ﷺ لهدمتها."

یعنی ان میں سے ایک یہ بات صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے: میں اگر قدرت پاؤں تو روضۂ رسول ﷺ کو توڑ دوں۔

اور صحابہ کرام و اولیائے عظام کی قبروں کی جو بے حرمتی نجدی خبیثوں نے کی ہے وہ تاریخ کا خونچکاں باب ہے۔ چند جھلکیاں ملاحظہ کریں:

شیر خوار بچوں کو ماؤں کے سینوں پر ذبح کر دینا

علامہ احمد بن زینی اور علامہ جمیل آفندی علیہما الرحمۃ نجدیوں کے ظلم و ستم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذیقعدہ ۱۲۱۷ھ میں نجدیوں نے طائف شریف پر قبضہ کرلیا۔
و قتلوا الكبير و الصغير و المامور والآمر لم ينج الا من طال عمره وكانوا يذبحون الصغير على صدر امه و نهبوا الاموال و سبوا النساء و فعلوا اشياء يطول الكلام بذكرها"

اور بڑے چھوٹے محکوم اور حاکم سب کو قتل کر ڈالا، صرف وہی بچا جو عمر دراز تھا۔ شیر خوار بچے کو ماں کے سینے پر ہی ذبح کر دیتے تھے۔ مال لوٹ لیے عورتوں کو قید کرلیا۔ بہت سی ایسی حرکات کیں، جن کا ذکر طویل ہے۔

(الدرر السنیہ، ص ۴۸، مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول۔ الفجر الصادق، ص ۲۲، استنبول)

عورتوں کو ننگے جسم برف پر چھوڑنا

علامہ جمیل آفندی علیہ الرحمۃ نے نجدیوں کے ظلم و بربریت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

وجدوا جماعة يتدا رسون القرآن فقتلوهم عن آخرهم، ولما أبادوا من فى البيوت جميعا خرجوا الى الحوانيت والمساجد وقتلوا من فيها، وقتلوا الرجل فى المسجد وهو راكع او ساجد، حتى افنوا المسلمين فى ذلك البلد، ولم يبق فيه الا قدر نيف وعشرين رجلا، تمنعوا فى بيت الفتنى بالرصاص ان يصلوهم، وجماعة فى بيت الفعر قدر الماتين وسبعين، قاتلوهم يومهم، ثم قاتلوهم فى اليوم الثانى والثالث، حتىٰ راسلوهم بالامان مكرا وخديعة. فلما دخلوا عليهم و اخذوا منهم السلاح قتلوهم جميعا، واخرجوا غيرهم ايضا بالامان، والعهود الى وادى وج وتركوهم هنالك فى البرد و الثلج، حفاة عراة مكشو فى السوآت، هم و نساءهم من مخدرات المسلمين، ونهبوا الاموال والنقود والاثاث، وطرحوا الكتب على البطاح، وفى الازقة والاسواق تعصف بها الرياح، وكان فيها كثير من المصاحف ومن نسخ البخارى ومسلم، وبقية كتب الحديث والفقة وغير ذالك تبلغ الوفا...... ثم اخرجوا لبيوت وجعلوها قاعا صفصفا وكان ذالك سنة ۱۲۱۷"

ایک جماعت کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے پایا تو ان سب کو قتل کر دیا، پھر وہ دکانوں اور مسجدوں کی طرف نکلے اور وہاں موجود لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ مسجد میں ایک آدمی کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں ہی قتل کر دیا۔ بیس سے کچھ زائد لوگوں کے سوا، جنہوں نے ایک قلعہ میں پناہ لے رکھی تھی؛ اس شہر کے تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

دوسوستر افراد پر مشتمل ایک جماعت نے ایک گھر میں پناہ لی تھی، انہوں نے ان کے ساتھ لڑائی کی، دوسرے اور تیسرے دن بھی لڑائی جاری رہی، آخر انہوں نے امان دینے کا فریب دیا اور جوان کے پاس آئے انہیں ہتھیار لے کر قتل کر دیا۔ اور باقی لوگوں کو بھی امان دینے کا فریب دے کر وادی وج کی طرف نکال دیا پھر انہیں اور پردہ نشین عورتوں کو وہاں برف اور سردی میں ننگے جسم چھوڑ دیا۔ ان کے مال نقدی اور دیگر اثاثے لوٹ لیے۔ اور کتابوں کو نالیوں، گلیوں اور بازاروں میں پھینک دیا۔ ان کتابوں میں بہت سے قرآن پاک اور بخاری شریف و مسلم شریف کے نسخے بھی تھے۔ ان کے علاوہ احادیث اور فقہ کی ہزاروں کتابیں بھی تھیں۔ یہ ۱۲۱۷ھ کا واقعہ ہے پھر انہوں نے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الفجر الصادق، ص ۱۹-۲۰، دارالصدیق الاکبر، مصر)

طائف کی تباہی کی داستان

طائف میں نجدیوں نے انسانیت سوز اور وحشیانہ طریقہ اختیار کیا تھا، اس کی مکہ مکرمہ سے ہندوستان میں **سینٹرل خلافت کمیٹی** کو جو رپورٹ آئی وہ بھی لرزہ خیز ہے۔

کچھ کا تذکرہ کرتے ہوئے وہابیوں کے سردار نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

"عبدالعزیز نے دوسرے سال ایک لشکر تیار کر کے طائف کو بھیجا اور انہوں نے وہاں قتل و قمع کے بعد فتح پائی، اور کربلا کی طرح وہاں بھی قتل عام کیا۔ اموال ان کے لوٹ لیے اور اسی سال میں قنفذہ کو جو سات دن کی راہ پر جدّہ سے جنوب کی جانب واقع ہے، فتح کیا، اور

۱۸۰۴ء میں عبدالعزیز نے ایک لشکر وہابیوں کا تیار کرکے اپنے بیٹے سعود کو اس کا مقدمۃ الجیش بنایا۔ اور مکّہ معظّمہ کو روانہ کیا۔ وہ لشکر مکّہ میں پہنچا، اس نے اہل مکّہ کو زیر و زبر کرکے تین مہینے تک اس کا محاصرہ کیا۔ اہل مکّہ کا توشہ تمام ہوا۔ ناچار انہوں نے اس کی اطاعت قبول کی، بعضوں نے لکھا ہے کہ وہاں کے سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو برہنہ کردیا۔ اور دعوت وہابیّت قبول کرنے کو لوگوں پر جبر کیا۔"

(ترجمان وہابیہ، ص ر ۵۰-۵۱، مطبع مفید عام، آگرہ)

مکّہ مکرمہ پر حملہ

سردار محمد حسن بی اے مؤرخ لکھتے ہیں:

"سعود اس وقت رسوائے عام ہو چکا تھا۔ حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طائف پر قابض ہوگیا۔ اور وہاں سے گرد و نواح میں افواج بھیجنے لگا، شریف کے پاس کوئی قابل فوج نہ تھی، مقابلہ کی تاب نہ لاکر جدّہ چلا گیا، اپریل ۱۸۵۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکّہ مکرمہ میں داخل ہوگیا۔ وہابی مدّت سے ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکّہ سے کی جائے گی۔ اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو فنا کردی جائے گی۔ چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیے گئے۔ زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی۔ حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیے گئے، وہابیوں کے معتقدات کے مطابق جس قدر شعائر رسومات قرآن وسنت کے خلاف تھیں یکلخت ممنوع قرار دی گئیں"

(سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ر ۴۸، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

حرم شریف میں تباہی

سردار محمد حسن بی اے حرم کی تباہی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں :

"یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابن سعود کے احکام اس وقت اہالیان مکہ کے کام آئے، شہر میں قتل و غارت نہ ہوا۔ طائف کے کُشت و خُون کے متعلق انگریزوں نے زبردست احتجاج کیا تھا اور سلطان ابن سعود نے ارادہ کرلیا تھا کہ حجاز کے متعلق بقیہ کارروائیاں اس کی ذاتی نگرانی کے ماتحت ہوں۔ چنانچہ شہر میں امن و امان کا اعلان کردیا گیا۔ اور سلطان ابن بجاد شیخ عظ عظ نے عارضی طور پر شہری نظم ونسق سنبھال لیا، لیکن امن و امان قائم ہوجانے کے باوجود جوان بپھرے ہوئے تھے، انہیں اصرار تھا کہ مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں، لیکن مقابر و مزارات ضرور منہدم کردیئے جائیں گے، اور مساجد کی آرائشیں ضائع کردی جائیں گی، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ان چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حرم کے تمام مقدس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے آن کی آن میں تباہ و برباد کردیئے گئے، اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں غصہ و اضطراب کی لہر اُٹھی۔"

(سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ر ۱۵۵، بحوالہ سابق)

مدینہ منورہ پر حملہ

وہابیہ نجدیہ کے مؤرخ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب حیات طیبہ میں لکھتے ہے:

"سعود بن عبد العزیز نجدی ۱۸۰۳ء کے آخر میں مدینہ منورہ پر

قابض ہوا۔تو اس نے مدینہ منورہ کے اور مقبروں سے گزر کر خود نبیٔ اکرم ﷺ کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی۔" (حیات طیبہ،ص؍٣٨٥،مطبوعہ لاہور)

گنبد خضریٰ پر گولہ باری

سردار محمد حسن بی۔اے مؤرخ لکھتے ہیں:

"اگست میں نجدی افواج مدینہ کی طرف بڑھیں۔اسی مہینے کی پچیس تاریخ کو امیر علی کے حکام نے اقصائے عالم میں یہ خبر مشہور کر دی کہ نعوذ باللہ حضور علیہ السلام کے مقدس مرقد پر نجدی گولہ باری کر رہے ہیں۔نجدیوں کی طرف سے تردید تو شائع ہوئی لیکن بعد از وقت پہنچی، مسلمانوں میں پھر غیظ وغضب بر پا ہوا۔مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے۔فرداً فرداً مسلمان بھی روضۂ صلعم (ﷺ) کے تحفظ کے لیے کوشش کرتے رہے۔ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا، ١٩٢٥ء کے اواخر میں اس وفد نے یہ بیان شائع کیا کہ واقعی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضے کے گنبد میں پانچ گولیاں لگی ہیں"

(سوانح حیات سلطان ابن سعود،ص؍١٥٧،بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا خود قبروں کو مسمار کرنا

شیخ الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے خود بھی قبروں کو مسمار کیا۔لوگوں کو پیسے کا بھی لالچ دیا۔چنانچہ وہابیہ کے پروفیسر محمد شریف اشرف رقمطراز ہیں:

"شیخ (محمد بن عبدالوہاب نجدی) حریملا چھوڑ کر جب عینیہ میں داخل ہوا تو امیر عینیہ عثمان بن معمر نے ان کا بہت زیادہ اکرام کیا۔اور آپ کے ساتھ پورا تعاون اور مدد کا وعدہ دیا۔اس صلہ اور رابطہ کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لیے امیر عثمان بن معمر نے اپنے بھائی کی بیٹی جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے ان کی شادی کر دی۔شیخ نے پورے زور سے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

شیخ کے ساتھ ستر آدمیوں کی ایک جماعت تھی جس میں امیر عثمان بن معمر بھی تھے۔انہوں نے چند ہی دنوں میں تمام درختوں اور قبروں کا صفایا کر دیا۔(بحوالہ سابق)

جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کا انہدام

وفد خلافت کی رپورٹ میں "جنت البقیع کے مزارات کا انہدام" کی سرخی دے کر لکھا ہے:

"٢٦ مئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا، اس وقت سب سے پہلی جو وحشت ناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا اس لیے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منوّرہ میں تمام مبانی آثر کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھیں گے۔اور ان میں کسی قسم کا تغیّر روانہ نہ رکھیں گے، جب تک کہ مؤتمر اسلامی کوئی آخری فیصلہ نہ کر دے۔

لیکن جدّہ پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکنِ حکومت شیخ

عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے مزارات کے منہدم کرنے کی تصدیق کی اور فرمایا: ''اس مسئلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے، خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض'' مکہ پہنچ کر جب ہم نے سلطان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا اور نہ دنیائے اسلام کی اکثریت کو مطمئن کر سکتا ہے۔''

(مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ر ۸۴۔۸۵، بحوالہ سابق)

کربلا معلیٰ اور نجف اشرف پر حملہ

وہابیوں کے ممدوح سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

''۱۲۱۶ھ کو سعود بن عبدالعزیز نجدی تمام نجد جنوب حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور بلد الحسین کے باشندوں پر حملہ کیا۔ ان پر دھاوا بول دیا۔ اس کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہہ تیغ کر دیا۔ اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بنایا گیا تھا منہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا۔ اور اس کے علاوہ ہزار آدمی قتل کیے گئے۔'' (محمد بن عبدالوہاب، ص ر ۶۹، بحوالہ سابق)

کربلا کے مزارات کا انہدام اور لوٹ مار و قتل

سردار محمد حسنی بی اے، وہابیہ نجدیہ کی کربلا معلیٰ میں بے اعتدالیوں اور گستاخیوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

''محمد بن سعود کا انتقال ۱۷۶۴ء میں ہوا۔ اور اس کا بیٹا عبدالعزیز، جانشین ہوا۔ باپ کے وقت میں یہ بڑا مستعد مجاہد تھا، خود امیر ہونے پر سال میں چھ چھ مرتبہ غزوات کرتا رہا۔ لیکن اس کا بیٹا سعود باپ سے بھی زیادہ گرمجوش ثابت ہوا۔ اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر نجف اشرف اور کربلا معلیٰ پر حملے کیے اور وہاں مزارات مقدسہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ لوٹ وغارت کا تو کچھ حساب ہی نہ تھا۔ ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بداعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں ایک شیعہ درعیہ میں آیا اور جب کہ سلطان عبدالعزیز مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اس کو قتل کر دیا۔''

(سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ر ۴۳۔۴۴، بحوالہ سابق)

پیشوائے اہلِ حدیث کی شہادت

پیشوائے اہلِ حدیث نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

''۱۷۹۲ء میں فرقہ وہابیہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ پر غالب ہو گیا اور وہاں کے لوگوں کو قتل کیا۔ وہابی دیار بصرہ اور اس کے اطراف میں قبائل عرب کو لوٹتے تھے، اور ۱۷۹۷ء تک ان کی یہی کیفیت رہی۔''

(ترجمان وہابیہ، ملخصا، ص ر ۵۰، مطبع مفید عام، آگرہ)

دہشت گردی اور قبروں کی بے حرمتی کا اعتراف

نام نہاد اہلِ حدیث از راہ فریب لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان نجدی مظالم سے اہلِ حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس حقیقت کو بھی

واضح کر دیا جائے کہ یہ سارے مظالم اہلِ حدیث ہی کی طرف سے ڈھائے گئے ہیں۔
کیونکہ محمد ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ہمنواؤں نے اس دہشت گردی کو انجام دیا، اور
محمد بن عبدالوہاب نجدی کو اہلِ حدیث اپنی ''نظریاتی شخصیت''، تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ ان
تمام مظالم کو بھی اہلِ حدیث نے اپنے عظیم کارناموں میں شمار کیا ہے۔

جیسا کہ مشہور اہلِ حدیث عالم قاضی محمد اسلم سیف نے ''تحریک اہلِ حدیث تاریخ
کے آئینے میں'' میں اہلِ حدیث کی خدمات کا تذکرہ کیا اور محمد بن عبدالوہاب کی ابلیسی
توحید کا چرچا کرتے ہوئے لکھا:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت وتبلیغ کی صدائے بازگشت عینیہ،
درعیہ، منفوحہ اور ریاض تک پہنچ گئی...... شیخ صاحب نے لسانی
دعوت کے ساتھ ساتھ عملی اقدام کا بھی پروگرام بنایا...... حضرت
زید بن خطاب کی قبر پر بہت بڑا قبہ تھا جو شرک کا مرکز بنا ہوا تھا
...... جب قبہ توڑنے کا وقت آیا تو امیر عثمان نے اس کے توڑنے
سے انکار کر دیا۔ شیخ صاحب نے خود کدال لے کر توڑنا شروع کیا تا
آنکہ وہ پیوند خاک ہو گیا......

آپ کی دعوت کی صدائے بازگشت امیر محمد بن سعود تک پہنچ گئی۔ وہ
خود شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شرح صدر سے
شیخ صاحب کی دعوت قبول کی......

امیر محمد بن سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہاب سے معاہدہ اور بیعت کے
بعد منظم طریقہ سے نجد اور اس کے ملحقات کو کفر وشرک اور بدعات و
منکرات سے پاک کرنا شروع کیا۔ جو قبائل ان کی اس تحریک میں
مزاحم ہوئے ان سے مسلح جنگ کی، اور بہت جلد پورا نجد اور مشرقی

عرب شرک کی آلودگیوں اور کفر کی نجاستوں سے پاک ہو گیا۔''

(تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ر ۲۱۴ تا ۲۱۷ ملخصا، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

ناظرین! ایک طرف صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اہل ایمان کی قبروں کی بے حرمتی
کی تفصیلات پر نظر کریں اور دوسری طرف اہلِ حدیث کے اعتراف پر نگاہ ڈالیں کہ محمد بن
سعود نے جو کچھ کیا وہ اہلِ حدیث کی ''نظریاتی شخصیت'' محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک
اور معاہدہ پر کیا۔ اب اس حقیقت کے ادراک میں کوئی دورائے نہیں رہ جاتی کہ ماقبل میں
نجدیوں کے جن مظالم کے تذکرہ ہوا وہ سب اہلِ حدیث کی کارستانی ہے۔

پھر بھی ابوزید کا یہ کہنا کہ اہلِ حدیث اولیائے کرام بلکہ کسی بھی مسلمان کی قبر کی بے
حرمتی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اور اہلِ حدیث دہشت گرد نہیں ہیں۔ اس بیان میں کتنی سچائی ہے
اور کتنا فریب، یہ خوب عیاں ہے۔

مزارات و مقابر کو منہدم کرنا، قبوں اور قبروں کا صفایا کرنا اور گنبد خضریٰ پر گولیاں
چلانا، اس کا نام قبور کی بے حرمتی نہیں تو پھر آخر بے حرمتی کسے کہتے ہیں؟

شیر خوار بچوں کو ماؤں کے سینوں پر ذبح کرنا، عورتوں کو ننگے بدن برف پر چھوڑ
دینا، مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنا، اس کا نام دہشت گردی نہیں تو پھر دہشت گردی کس کا نام ہے؟

مگر اس کے باوجود بھی دعوائے پارسائی!

بادۂ عصیاں سے دامن تر بہ تر ہے شیخ کا
پھر بھی یہ دعویٰ کہ اصلاح دوعالم ہم سے ہے

باب (۵)

اہلِ حدیث گستاخ ائمہ ہیں

اہلِ حدیث نے ائمہ عظام کو بھی سب وشتم کا نشانہ بنایا اور ان کی شان رفیع میں نازیبا اور غیر شائستہ الفاظ اور تبصرے لکھے ہیں، خصوصاً امام المحدثین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تو انہیں قلبی عداوت اور شدید بغض ہے، اپنے اس غلط رویے کی وجہ سے اہلِ حدیث بہت بدنام ہیں، اپنی جماعت کے چہرے سے اسی داغ کو دھلنے کے لیے ابو زید نے از راہ فریب ائمہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے لکھا:

[اہلِ حدیث کے نزدیک ائمۂ اربعہ معصوم عن الخطاء نہیں لیکن قابلِ احترام ضرور ہیں۔ ان حضرات کی علمی خدمات کا اعتراف نہ کرنا خود اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے، کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت محمدیہ کے لیے ایک نعمت ہیں، یہی وہ اکابرین ہیں جنہوں نے اپنے دور میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کیا، پیش آنے والے متعدد پیچیدہ مسائل میں قرآن وسنت کے نصوص میں غور کر کے امت کی رہنمائی کی۔ ان حضرات کی تحقیق اور علمی خدمات کا فائدہ صرف ان کے اپنے دور کے لیے محدود نہ تھا بلکہ بعد کے ادوار میں بھی امت کے لیے مسائل میں غور وفکر اور طرز اجتہاد میں مشعل راہ ہے۔ ان حضرات کی خدمات کی ناقدری واقعی اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ (ص/۴۱)]

اور ائمہ کی شان میں اہلِ حدیث کی گستاخیوں پر پردہ ڈالتے ہوئے لکھا:

[اہلِ حدیث کے بارے میں ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ اہلِ حدیث ائمہ اربعہ کو نہیں مانتے بلکہ ان کی شان میں گستاخی کرتے اور انہیں گمراہ قرار دیتے ہیں۔ (ص/۴۰)]

اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اہلِ حدیث ائمہ کرام کو قابل احترام جانتے ہیں؟ انہیں نعمت الٰہیہ سمجھتے ہیں؟ انہیں رہنمائے امت تسلیم کرتے ہیں؟ ان کی علمی خدمات کو لائق استفادہ مانتے ہیں؟ ان کی علمی خدمات کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کرتے؟ ان کی شان میں گستاخی نہیں کرتے؟

ابو زید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے اور کتنا فریب؟ آیئے! اس حقیقت سے روشناس ہونے کے لیے خود اہلِ حدیث علما کی کتابوں کی چھان بین کی جائے:

کتب اہلِ حدیث سے گستاخی ائمہ کا ثبوت

مشہور اہلِ حدیث عالم مولوی داؤد غزنوی لکھتے ہیں:

''دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ اہلِ حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلاوجہ نہیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن وخطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے''۔

(سوانح مولانا داؤد غزنوی، ص/۸۷۔۸۸، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت:۱)

اسی طرح اپنی جماعت کے اختلاف اور انتشار کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا داؤد غزنوی نے بڑے کرب کے ساتھ لکھا:

''مولوی اسحاق جماعت اہلِ حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ کی روحانی

بد دعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہ، ابو حنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت احسان کرے تو انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں یکجہتی و اتحاد کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟

”یا غربة الاسلام انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ“

(سوانح مولانا داؤد غزنوی، ص/۱۳۶، بحوالہ سابق)

نواب وحید الزماں نے اہلِ حدیث کی بدزبانی کا شکوہ کرتے ہوئے لکھا:

”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی...... ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے بارے میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پہ لاتے ہیں۔ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ بات بات پر ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں“۔

(لغات الحدیث، جلد: ۲، ص/۹۱، بحوالہ فرقہ اہل حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ)

مشہور اہلِ حدیث عالم قاضی عبد الاحد خانپوری اپنی جماعت کی دریدہ دہنی اور بدزبانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دے دیں

اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اس طرح ان جہال، بدعتی، کاذب، اہلِ حدیثوں میں جو ایک دفع رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابو حنیفہ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے“ اور پھر جس قدر کفر، الحاد و زندیقیت ان میں پھیلائے، بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ بھی چیں بہ جبیں نہیں ہوتے“۔

(کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ، ص/۲۶۲، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت، ۱/۱۶۱)

اور غیر مقلدین کے شیخ الکل نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

”اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے رد و قدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدبختی اور صریح گمراہی ہے، چند لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے منہ کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں (ونعوذ باللہ من الخذلان) اگر کوئی متبع کسی امام یا عالم پر بالتعیین طعن و قدح کرتا ہے تو وہ مغتاب ہے، اور غیبت زنا سے بدتر ہے۔ جب احاد امت کی غیبت کرنا حرام ہے تو پھر جو ائمہ و علماء آخرت ہیں، جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے تو اس کا لعن طعن اس مغتاب پر لوٹتا ہے۔ (مآثر صدیقی، جلد: ۴، ص/۲۲-۲۳)

ایک طرف یہ اکابر علمائے اہلِ حدیث صاف اقرار اور کھلا اعتراف کر رہے ہیں کہ:

☆ اہلِ حدیث پر توہین ائمہ کا الزام بلاوجہ نہیں۔

☆ اہلِ حدیث ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں۔

☆ ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات کہتے ہیں، کوئی اگر بہت عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے اور انہیں صرف تین یا گیارہ یا سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔

☆ ائمہ عظام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔

اور ابوزید نے اس کو مغالطہ قرار دیا، اب فیصلہ غیر مقلدین کریں کہ اکابر اہلِ حدیث سچے ہیں یا ابوزید!!! بہرحال دونوں میں ایک غلط ضرور ہے۔

ائمہ کرام کی گستاخی کے چند نمونے

آنے والی سطور میں ائمہ کرام کی شان میں اہلِ حدیث کی بدزبانی کے کچھ عملی نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن سے منکشف ہوگا کہ ابوزید کا قول سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔

ایک غیر مقلد حکیم فیض عالم نے امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں بدزبانی کرتے ہوئے لکھا:

''امام ابوحنیفہ کے فرضی اور مزعومہ فضائل کی داستانیں شیعیت کے مزعومہ ائمہ سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں، مگر اس بات کو اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ فقہ حنفیہ کے اس ناگفتہ بہ پلندہ میں بار بار ان الفاظ کی جو تکرار کی گئی ہے '' عند ابی حنیفة '''' ھذا مذھب ابی حنیفة '' وغیرہ وہ کون سے ابوحنیفہ ہیں، ابوحنیفہ نعمان، جو ثابت کوفی کے ہاں ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، مجوسی النسل تھے، کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں، آپ کے دادا مسلمان ہوئے تھے، چہ عجب کہ باقی مجوسی النسل نومسلموں کی طرح عصبیت ورثہ میں پائی ہو اور '' بال عمر کینۂ قدیم است عجم را '' کے زمرہ میں شمار ہوتے ہوں۔''

(اختلاف امت کا المیہ، ص/۳۷۔۳۸، بحوالہ فرقہ اہل حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ)

دوسری جگہ بدتمیزی کی حدوں کو پار کرتے ہوئے حکیم فیض عالم لکھتا ہے:

''الغرض ہزاروں من گھڑت، وضعی اور دوراز کار تاویلات پر مبنی جھوٹ کے پلندے گڑھ گڑھ کر اللہ کی عاجز مخلوق کو الوہیت کے مقام پر سرفراز کرنے کی کوشش میں تمام حنفی اور شیعہ طابق النعل نظر آتے ہیں۔ شرک و بدعت کے تمام شعبے ان لوگوں میں پورے طور پر قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں...... حضرت ابوحنیفہ نے جس عقلیت اور قیاس کا بیج بویا تھا، مامون کے زمانہ میں جس عقلیت کو عروج ملا تھا، عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی نے جن نظریات کی ابتدا کی تھی اور عروج دیا تھا، ان سب کا مرکزی نقطہ قرآن و سنت سے دوری تھا اور آخر ان لوگوں کے نظریات نے امت کو سینکڑوں فرقوں میں بانٹ دیا۔''

(اختلاف امت کا المیہ، ص/۳۵۴، بحوالہ سابق)

غیر مقلد ابوالاقبال سلفی، مذہب حنفی اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدزبانی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اور اسی طرح ہمارے مذہب اسلام کا مقابلہ مذہب حنفی کیسے کر سکتا ہے؟ قرآن و حدیث کا مقابلہ فقہ حنفی کیا کر سکتا ہے۔ جو ایک قسم کا کوک شاستر ہے، بے شمار گندگیوں کا مجموعہ ہے، مختلف خیال لوگوں کی گپ شپ کا ایک پلندہ ہے، متضاد خیالات کا ایک چوں چوں کا مربہ ہے''۔

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۸، مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی)

''یہ تمہارا مذہب سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ان تمام گندگیوں کو چھوڑ دو اور فقہ کی گندی کتابوں کو چھوڑ دو۔''

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۱۹، مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی)

''یہودی وہ قوم ہے جو اسلام کی دشمن اور قرآن وحدیث کی دشمن ہے، یہ حنفی اسی سانچے میں فٹ ہوتے ہیں، ان کو حدیث رسول سے چڑ ہے، قرآن سے دشمنی ہے، محمدی نام سے چڑ ہے، حنفی نام سے محبت ہے، جو امام ابوحنیفہ کی بیٹی حنیفہ کی نسبت ہے۔''

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۲۲ مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی)

''ہاں حنفیوں کے رب ابوحنیفہ اور ان کے نبیوں علمائے احناف نے شریعت حنفیہ کی طرف سے حکم دیا ہے۔''

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۲۵)

''رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اس طریقہ پر نماز نہیں پڑھتے کیونکہ ان کا مذہب اسلام نہیں، حنفی ہے۔ ان کا رب اللہ نہیں، ابو حنیفہ ہے اور ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، بلکہ علمائے احناف ہیں۔'' (مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۲۶)

''حنفیہ ان تمام حدیثوں کو نہیں مانتے۔ آخر سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں مانتے؟ صرف اس لیے نہیں مانتے کہ ان کے رب ابوحنیفہ نے اس کا حکم نہیں دیا۔'' (مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۴۵)

''مذہب حنفی میں شریعت سازی کا حق امام ابوحنیفہ اور علمائے احناف کو ہے، یہ ہے فرق اسلام اور مذہب حنفی میں۔ جب کہ حنفی مذہب بالکل علیٰحدہ مذہب ہے۔'' (مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۴۲)

''حنفی مذہب کی بنیاد ساری کی ساری من گھڑت، ضعیف اور جھوٹی بے بنیاد حدیثوں پر ہے۔'' (مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۴۰)

''حنفی منافق ہیں۔ حنفی مذہب کی نماز کیا ہے، ایک مذاق ہے۔''

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۴۵)

''حنفیہ حضرات بظاہر تو کلمہ '' لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتے ہیں، لیکن عملاً ان کا کلمہ '' لاالٰہ الا ابوحنیفۃ و علماء الاحناف اربابا من دون اللہ '' ہے۔''

(مذہب حنفی کا دین اسلام سے اختلاف، ص/۶۹)

کراچی سے غیر مقلدین نے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ رحمھم اللہ کے خلاف ایک کتاب شائع کی۔ اس کے اقتباسات کے بجائے عنوانات کو پیش کیا جاتا ہے، جن سے غیر مقلدین کی بدزبانی کا اندازا ہو جائے گا:

☆ ابوحنیفہ کے مثالب (زخم جو انہوں نے امت کو دیے)

(امام ابوحنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں، ص/۲۳ بحوالہ تلخیص ادلہ، ص/۳۱۔۳۲)

☆ ابوحنیفہ کے فضول اور قبیح اقوال کے بیان میں (ص/۳۸)

☆ ابوحنیفہ کی رائے کی مذمت اور اس سے بچنے کے بیان میں (ص/۴۵)

☆ ابوحنیفہ اور ہوسِ جاہ (ص/۵۵)

☆ ابوحنیفہ اور اس کا نسب (ص/۵۸)

ان عنوانات کے تحت جو ذکر کیا گیا ہے، وہ بالکل عیاں ہے۔

غیر مقلدین کو ائمہ کرام سے جو بغض وعناد ہے، اس کے صرف چند حوالے بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کیے گئے ہیں۔ ناظرین! اس سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ابو زید کا ائمہ کی تعریف کرنا دھوکے کی ٹٹی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ائمہ کرام کی شان مین ان تعریفی کلمات کو دیکھ کر ائمہ کرام کے مقلدین ان سے قریب ہوں اور وہ انہیں گمراہ کرسکیں۔ کیا یہی ائمہ کی خدمات کا اعتراف اور ان کا احترام ہے؟ اور کیا یہی ان کی قدر اور شکر الٰہی کا انداز ہے؟

کوئی بھی عاقل ان گستاخانہ الفاظ کو پڑھ کر فیصلہ کردے گا کہ یہ لوگ ائمہ کرام کی

شان میں کس قدر گستاخ اور بے باک واقع ہوئے ہیں۔ اور انہیں گستاخ ائمہ کہنا مغالطہ نہیں بلکہ عین حقیقت ہے ؎

شکوے ہمارے سارے غلط بھی سہی مگر
لو تم ہی اب بتاؤ کہ کس کا قصور تھا

اہلِ حدیث کو گستاخ ائمہ کیوں کہا جاتا ہے؟

اپنی خودساختہ مظلومیت کی کہانی سناتے ہوئے ابوزید نے لکھا:

> عجیب بات تو یہ ہے کہ اگر اہلِ حدیث نبی ﷺ کی بات کے مقابلہ میں کسی امام کی کوئی ایک بات تسلیم نہ کریں تو انہیں اماموں کا مخالف و منکر بلکہ دشمن و گستاخ قرار دیا جاتا ہے، لیکن ایک غیر اہلِ حدیث محض اپنے امام کی تقلید میں ایک ساتھ تین تین اماموں کی باتوں کو بے جھجک چھوڑ دیتا ہے لیکن نہ وہ اماموں کا گستاخ کہلاتا ہے نہ منکر۔ بلکہ اگر وہ اپنے امام کے قول کی وجہ سے نبی ﷺ کی بات کو بھی نظر انداز کر دے تب بھی اس کے دین و ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
> (ص ۴۱۔۴۲)

یہ بھی ایک مغالطہ ہے، جس کے ذریعہ عوام کو گمراہ کرنا مقصود ہے۔ ائمہ کرام کی تقلید سے انحراف کر کے خواہش نفس کی پیروی کے سبب اہلِ حدیث کو گستاخ ائمہ نہیں بلکہ گمراہ کہا جاتا ہے۔ گستاخ ائمہ کہنے کی وجہ وہ عباراتِ ناشائستہ اور کلماتِ نازیبا ہیں، جو انھوں نے دریدہ دہنی کرتے ہوئے ائمہ کی شانِ رفیع میں زبان و قلم سے نکالے ہیں۔

مقلدین حضرات اگر کسی ایک امام کی پیروی کرتے اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ باقی ائمہ

کرام کا مقام و رتبہ کم جانتے ہیں، اور اپنے امام سے ان ائمہ کا اختلاف دیکھ کر ان کی شان میں غیر مقلدین کی طرح طعن و تشنیع کی زبان کھولتے ہیں۔ بلکہ بڑے ادب کے ساتھ ان کے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔

اگر غیر مقلدین بھی صرف ائمہ مجتہدین کی تقلید کا انکار کر کے اجماع سے راہ فرار پر اکتفا کرتے تو انہیں گمراہ تو کہا جاتا مگر صرف اتنی بات پر گستاخ ائمہ نہیں کہا جاتا۔ لیکن اجماع کی مخالفت کے ساتھ غیر مقلدین نے ان پاکیزہ ہستیوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو اب ان کے گستاخ ائمہ ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ اسی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے خود علمائے اہلِ حدیث نے گزشتہ عبارات میں غیر مقلدین کو گستاخ ائمہ کہا ہے۔ اور یہی ہم بھی کہتے ہیں۔

ناظرین کرام! اب تو جان گئے ہوں گے کہ غیر مقلدین کو گستاخ کہنے کی وجہ وہ نہیں جو ابوزید نے بیان کی، بلکہ ان کی گستاخانہ عبارات اصل وجہ ہے۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ کی محبت، سنیت کی پہچان

علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"وقال الحافظ عبد العزیز بن ابی رواد: من احب ابا حنیفة فهو سني ومن ابغضه فهو مبتدع"

"قال ابراهیم بن معاویه الضریر: من تمام السنة حب ابی حنیفة."

اور حافظ عبدالعزیز بن رواد کا بیان ہے کہ جس نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے محبت کی وہ سنّی ہے۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ گمراہ ہے۔

ابراہیم بن معاویہ فرماتے ہیں: سنت کی تکمیل میں یہ داخل ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ

الرحمۃ سے محبت کی جائے۔ (الخیرات الحسان ص ۳۶، مطبوعہ السعادۃ مصر)

اور صدر الائمہ عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں:

"بيننا و بين الناس أبو حنيفة، فمن أحبه و تولاه علمنا أنه من أهل السنة و من أبغضه علمنا أنه من أهل البدعة."

ہمارے اور لوگوں کے درمیان حد فاصل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں۔ جو ان سے محبت اور انسیت رکھتا ہے تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ وہ گمراہ ہے۔

(مناقب موفق ج ۲، ص ۳۲، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد)

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی شان میں ہرزہ سرائی کر کے اہلحدیث کس زمرے میں شامل ہو گئے ہیں!!!

ایک امام کی تقلید کے وجوب پر اجماع

کسی امامِ معین کی تقلید کا وجوب بھی واضح مسئلہ ہے۔ سلف صالحین میں سے کوئی بھی بے حصول مرتبۂ اجتہاد تارکِ تقلید نہیں ہوا، اور نہ ہی ایک سے زیادہ امام کا مقلد رہا، بلکہ سب کسی نہ کسی امامِ معین کے مقلد رہے۔ اس اجماعی موقف کا انکار کرتے ہوئے ابوزید نے لکھا:

[یہاں بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مجتہد کی باتوں کو اس لیے نہیں چھوڑ سکتے کہ ان کی تقلید پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ تو ان حضرات سے عرض ہے کہ ان کا یہ دعویٰ خود تضاد بیانی اور اختلاف کا شکار ہے۔ (ص ۴۴-۴۵)]

آگے لکھا:

[اب سوال یہ ہے کہ پھر یہ اجماع آخر کس دور میں ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ امت کے کسی فرد کو کسی غیرِ نبی کی تمام باتوں کا پابند کر دینا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، مسلمان نہ اس پر کبھی جمع ہوئے، اور نہ جمع ہو سکتے ہیں، یہ محض دعوے ہیں، جن کے پیچھے مسلکی تعصب اور خود ساختہ مذہبی تفوق کے سوا اور کوئی دلیل نہیں بلکہ اجماع تو اس کے بر خلاف ہوا ہے۔ (ص ۴۵)]

ابوزید نے اس باب میں جو گل افشانیاں کیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ کسی ایک امام کی تقلید کے وجوب پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔ ہوا ہے تو کس دور میں؟

☆ امت کے کسی فرد کو کسی غیر نبی کی تمام باتوں کا پابند کر دینا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

☆ کسی ایک امام کی تقلید کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہوا ہے۔

آیئے! اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ ابوزید نے مذکورہ باتیں عالم بیداری میں کہی ہیں یا پھر کسی اور عالم میں!!

امامِ معین کی تقلید پر اجماع کس دور میں ہوا، اس کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بیان فرماتے ہیں:

"بعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم و قل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان."

"ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا دوصدی کے بعد شائع ہوا اور ایسے اشخاص کم تھے جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔ اور اس وقت سے یہ واجب ہے"

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص ۷۰، دار النفائس، بیروت)

سید احمد طحطاوی مصری فرماتے ہیں:

"فعليكم يا معشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة

باھل السنة والجماعة فان نصرا لله تعالیٰ و حفظه
وتوفيقه فی موافقهم و خذ لانه و سخطه فی مخالفتهم و
هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی مذاهب
اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون
والحنبليون رحمهم الله تعالیٰ و من كان خارجا عن هذه
الاربعةفی هذاالزمان فهو من اهل البدعةوالنار."

(حاشیۂ درمختار للطحطاوی، ج: ۴، ص ر ۵۳)

اے گروہِ مسلمین! تم پر فرقہ ناجیہ ''اہلِ سنّت و جماعت'' کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد، حفاظت اور توفیق موافقتِ اہلِ سنّت میں ہے۔اور اللہ کا غضب اور اس کی ناراضگی سنیوں کی مخالفت میں ہے۔اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے، احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ رحمھم اللہ تعالیٰ۔اس زمانے میں جو ان سے خارج ہے وہ بدعتی وجہنمی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"أن هذ ه المذاهب الأ ربعة المدونة المحررة قد
اجتمعت الأمة أومن يعتد به منها علیٰ جواز تقليد ها
اِلی يومنا هذا." (حجۃ اللہ البالغۃ، جلد:۱، ص ر ۲۶۳، دارالجیل بیروت)

یعنی تمام اُمت یا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کرلیا ہے جو آج تک جاری ہے۔

شاہ صاحب اپنی کتاب " عقد الجيد فی احكام الا جتهادو التقليد" میں باب سوم کا یہ عنوان مقرر کرتے ہیں:

"تاكيد الأخذ بهذه المذا هب الاربعة والتشديد فی تركها

والخروج عنها."

ان چاروں مسالک کو اختیار کرنے کی تاکید اور انہیں چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت۔

اس باب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں: ''جان لو کہ ان چاروں مذاہب کو اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے روگردانی کرنے میں بڑی خرابی ہے جسے ہم بچند وجوہ بیان کریں گے۔'' (عقدالجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، ص ر ۴۰، دارالفتح)

اور فرماتے ہیں:

"ولما اندرست المذاهب الحقة الاهذه الاربعة كان
اتباعها اتباعاللسواد الاعظم والخروج عنها خروجا
عن السوادالاعظم." (عقدالجید، ص ر ۴۱، دارالفتح)

بجز مذاہب اربعہ اور سارے مذاہب ختم ہوئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع لازم قرار پایا اور ان چاروں مذاہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مترادف ٹھہرا۔

(عقدالجید، ص ر ۳۸، دارالفتح)

ابوزید نے جو یہ مغالطہ دیا کہ امام معین کی تقلید کا دعویٰ، تضاد بیانی اور اختلاف کا شکار ہے۔شاہ صاحب اس مغالطہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لا ن الناس لم يز الوامن زمن الصحابة رضی الله
عنهم الیٰ ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من
اتفق من العلماء من غيرنكير من أحد يعتبر انكاره،
ولوكان ذلك باطلا لا نكروه" (عقدالجید، ص ر ۳۸، دارالفتح)

یعنی اس لیے کہ لوگ زمانۂ صحابہ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک کسی معتبر انکار کے بغیر ہمیشہ کسی نہ کسی عالم کی تقلید کرتے رہے ہیں۔اگر یہ باطل ہوتا تو اس کا انکار کرتے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ کسی ایک امام کی تقلید پر اجماع نہیں ہوا تو وہ اسی غیر معتبر اختلاف کو پیش کرے گا، اور شاہ صاحب نے پہلے ہی اس اختلاف کو غیر معتد بہ قرار دیا اور بتا دیا کہ جب سے مذاہب اربعہ کا ظہور ہوا کسی قابل اعتبار اہل حق نے اس کا انکار نہ کیا۔ اب اگر کوئی انکار کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ان عبارات کی روشنی میں معلوم ہو گیا کہ تقلید شخصی پر اجماع کس دور سے ہوا ہے، اور غیر نبی کی باتوں کا امت کو پابند کرنا سلف صالحین نے پسند فرمایا ہے، کیونکہ ائمہ کرام کی یہ باتیں قرآن وسنت ہی کے معانی ومفاہیم سے ماخوذ اور انہیں کی تفسیر وتشریح ہیں، نہ کہ اپنی خود ساختہ۔ ابوزید نے تقلید کے واجب نہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اگر ذرہ برابر بھی جذبۂ صداقت موجود ہے تو ثابت کریں کہ تقلید شخصی واجب نہ ہونے پر اجماع ہوا ہے۔ اور کس دور میں ہوا ہے؟ اگر وہ ایسی مذبوحی حرکت کرتے ہیں تو ان کے دعویٰ کے ڈھول کا پول ظاہر ہو جائے گا۔

اگر تقلید شخصی کے وجوب پر اجماع نہیں ہوا، بلکہ اس کے خلاف پر اجماع ہوا ہوتا تو سلف صالحین تقلید شخصی نہ کرتے، بلکہ تقلید شخصی کرنے والے کا رد کرتے۔ کیونکہ جو اجماع کی مخالفت کرے وہ گمراہ یا کافر ہوتا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین رحمہم اللہ خود تقلید شخصی کے زریں سلسلہ میں پیوست نظر آتے ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو طبقات کا مطالعہ کر لیجیے۔ علما، فقہا، محدثین، اولیا سب کے سب بے حصول مرتبۂ اجتہاد کسی امام معین کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں۔ اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہلاتے ہیں۔ اسی لیے طبقات حنفیہ، شافعیہ وغیرہ تو دیکھنے میں آتے ہیں، مگر طبقات غیر مقلدین کا روئے زمین پر نام ونشان نظر نہیں آتا۔ یہ کیسا اجماع ہے کہ سلف صالحین میں کوئی اس پر عامل نہیں رہا۔ اس ٹیڑھے راستے پر اگر کوئی نظر آتا ہے تو وہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار غیر مقلدین ہیں اور بس۔

غیر مقلدین کی ہرزہ سرائی

اہلِ حدیث کی تقلید بیزاری ہر شخص پر عیاں ہے، مگر اپنی اس غلط روش کے نتیجے میں اہل حق کو اپنی ہرزہ سرائی کا نشانہ بنانا اور اپنی آزادروی کی ستائش کرنا تعجب خیز امر ہے چنانچہ غیر مقلد مولوی محمد صاحب جونا گڑھی نے لکھا:

’’......آپ قرآن کریم پر سرسری نظر ڈالیے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ انبیا کی تعلیم کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ مقلدین تھے، وحی الٰہی کو سب سے زیادہ دھکا دینے والی چیز تقلید ہی ہے‘‘۔ (طریق محمدی، ص ر ۱۴، بحوالہ الکلام المفید)

غیر مقلد مولوی عبدالشکور، ناظم دارالعلوم اہلِ حدیث شکراوہ، ومدیر معاون اخبار اہلِ حدیث دہلی نے لکھا:

’’تقلید کے حقیقی معنی اور مفہوم آزادیٔ رائے، آزادی خیال، آزادی عقیدہ سے بہت دور ہیں۔ حتی کہ لفظ تقلید کا وجود کتاب اللہ الحمید اور دفتر احادیث میں قطعا موجود نہیں۔‘‘

(نتائج التقلید، ص ر ۵ بحوالہ سابق)

اور لکھا:

پیروی اور اتباع صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی فرض ہے، غیر نبی کی تقلید اور اتباع کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں‘‘۔ (نتائج التقلید، بحوالہ سابق)

غیر مقلد مولوی عبدالجلیل دہلوی مدیر صحیفہ اہلِ حدیث کراچی نے لکھا:

’’تقلید کے ایسے بدنتائج، ایسے زہریلے اثرات، سریع اور دور تک پھیلانے والے جراثیم ہیں کہ ان کی تعدی، ان کے حملوں اور ان کی لپیٹ سے کلام اللہ، احادیث رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین

عظام، محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بڑے بڑے ارباب
علم وفضل محفوظ و مامون اور سلامت نہ رہ سکے۔‘‘

(نتائج التقلید، بحوالہ سابق)

تقلید کے سلسلۂ زریں سے پیوست سینکڑوں اسلاف کی تاریخ کے باوصف اسے مذموم اور ممنوع قرار دینا اور اس کا موازنہ احبار ورھبان کی ناجائز پیروی سے کرنا، یہ غیر مقلدین کا وہ مذموم اقدام ہے، جس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے ؎

صاف وشفاف تھی پانی کی طرح نیت دل کی
دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے

ایک بات اور: رجال حدیث کے سلسلہ میں امام بخاری علیہ الرحمۃ وغیرہ کی بات تسلیم کرنا اگر شرک نہیں ہے تو معانی حدیث کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی بات ماننا آخر کیوں شرک قرار پاتا ہے؟

تقلید اسلاف کی نظر میں

مذاہبِ اربعہ سے غیر مقلدین کی تقلید بیزاری کا تو یہ حال ہے، دوسری طرف سلف صالحین کا نظریہ تقلید کے بارے میں کیا ہے، اس کو جاننے کے لیے یہاں تقلید کے بارے میں محدثین، فقہا وعلما علیہم الرحمۃ والرضوان کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، جن سے تقلید کے بارے میں اہلِ سنّت کا نظریہ واضح ہوگا۔ اور نام نہاد اہلِ حدیث کی لن ترانیوں کا پردہ چاک ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’و من زعم انه لا يرى التقليد ولا يقلد دينه أحدا فهو قول فاسق عند الله ورسوله إنما يريد بذلك ابطال الاثرو تعطيل العلم والسنة والتفرد بالرأى والكلام

والبدعة والخلاف‘‘.

اور جو شخص یہ گمان رکھے کہ تقلید کوئی چیز نہیں، اور کسی کی تقلید نہ کرے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یہ ایک فاسق کا قول ہے۔ وہ شخص اپنے اس قول کے ذریعہ سے اثر (اقوال صحابہ وتابعین) کو باطل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور علم وسنت کو اپنی منفرد رائے، کلام، بدعت اور مخالفت سے معطل کرنا چاہتا ہے۔

(طبقات الحنابلۃ، ج:۱ص/۶۵، مکتبۃ الملک فھد، سعودیہ)

علامہ خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

’’لو منعنا التقليد في هذه المسائل التي هي من فروع الدين لاحتاج كل احد ان يتعلم ذلك،وفي ايجاب ذلك قطع عن المعايش و هلاك الحرث والماشية فوجب ان يسقط.‘‘

(الفقیہ والمتفقہ ج:۲ص/۱۳۲، دارابن الجوزی، سعودیہ)

اگر ہم ان فروعی مسائل میں تقلید کا انکار کریں تو پھر ہر ایک پر ان کا سیکھنا ضروری ہوگا۔ اور ہر ایک کے لیے اسے ضروری قرار دینے میں امور معاش، کھیتی باڑی اور مویشی سب برباد ہوجائیں گے۔

حافظ ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’ولم يختلف العلماء ان العامة عليها تقليد علمائها‘‘

علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عامی پر علما کی تقلید لازم ہے۔

(جامع بیان العلم، ص/۹۸۹، دارابن الجوزی)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’العامى يجب عليه الاستفتاء واتباع العلماء وقال قوم

من القدرية يلزمهم النظر فى الدليل أو اتباع الامام المعصوم، وهذا باطل بمسلكين: أحدهما: اجماع الصحابة، فانهم كانوا يفتون العوام، ولا يأمرونهم بنيل درجة الاجتهاد. وذلك معلوم على الضرورة والتواتر، من علمائهم وعوامهم"

عامی پر پوچھنا اور علما کا اتباع کرنا واجب ہے۔اور بعض قدریہ دلیل معلوم کرنے اور امام معصوم کی پیروی کو لازم ٹھہراتے ہیں مگر یہ دو طریقوں سے باطل ہے۔ایک اجماع صحابہ سے کہ یہ حضرات عوام کو فتویٰ دینے اور انہیں خود اجتہاد کرنے کا حکم نہیں دیتے اور یہ بات ان کے علماء اور عوام سے ضرورت اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

(المستصفیٰ، ج:۲،ص/۴۶۶، مؤسسۃ الرسالۃ)

امام محمد بن عمر الرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث"

نئے پیش آمدہ مسائل میں عامی پر علما کی تقلید لازم ہے۔

(تفسیر کبیر، ج:۱۰،ص/۲۰۰، المطبعۃ البہیۃ المصریہ)

حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ہمیں اصول وفروع میں انہی (امام احمد بن حنبل) کے مذہب پر موت عطا کرے۔ (غنیۃ الطالبین، ص/۵۲۹)

حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمہ خود بھی مقلد تھے۔ایک غیر مقلد عالم فیض عالم صدیقی لکھتے ہیں:

''حضرت عبدالقادر جیلانی فقہ حنبلی کے مقلد تھے۔''

(اختلاف امت کا المیہ، ص/۳۳۰)

شارح مسلم یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لو جاز اتباع ای مذهب شاء لأفضى اِلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعاهواه،...... فعلى هذا يلزمه أن يجتهد فى اختيار مذهب يقلده على التعيين"

اگر یہ جائز ہو کہ انسان جس مذہب کی چاہے پیروی کرے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اپنی خواہش نفس کے مطابق مذاہب کی آسان باتوں کو لے گا۔اس لیے ہر شخص پر لازم ہے کہ ایک معین مذہب اختیار کرے اور اس کی تقلید کرے۔

(المجموع شرح المہذب، ج:۱،ص/۹۳، مکتبۃ الارشاد سعودیہ)

علامہ ابن قدامہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"حكم التقليد فى الفروع بالنسبةللعامة وقد وقع الاتفاق على انه صحيح."

عامی (غیر مجتہد) کے لیے فروع میں تقلید صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔

(شرح مختصر روضۃ الناظر، ج:۲،ص/۶۸۲)

امام ذہبی علیہ الرحمۃ ایک سوال نقل کر کے جواب میں فرماتے ہیں:

"والأخذ بالحديث أولىٰ من الأخذ بقول الشافعى و أبى حنيفة. قلت: هذا جيد، لكن بشرط أن يكون قد قال بذلك الحديث امام من نظراء هٰذين الامامين مثل مالك او سفيان او الاوزاعى."

''حدیث پر عمل کرنا امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے قول پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔''

(اس کا رد کرتے ہوئے امام ذہبی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ عمدہ بات ہے مگر اس شرط پر کہ حدیث پر عمل کا قائل ان دونوں اماموں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہمسر کوئی

امام ہو جیسے امام مالک، یا امام سفیان یا امام اوزاعی رحمہم اللہ۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱۶، ص/۴۰۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"لان العوام یجوز لهم التقلید بالاجماع"

(عوام کو تقلید سے روکنا ممکن نہیں) اس لیے کہ ان کے لیے تقلید کے جائز ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (کتاب الرد علی من اخلد الی الارض، ص/۳، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)

اور فرماتے ہیں:

"یجب علی العامی وغیره ممن لم یبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین."

عام لوگ اور وہ حضرات جو اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچیں ان پر مذاہب مجتہدین میں سے کسی ایک معین امام کی تقلید واجب ہے۔ (حاشیۃ العطار، ج:۲، ص/۴۰۰، دار الفکر بیروت)

یہی امام رفیع الشان ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"اعلم ان اختلاف المذاهب فی هذه الملة نعمة کبیرة، وفضیلة عظیمة، وله سر ادرکه العالمون، وعمی عنه الجاهلون، حتی سمعت بعض الجهال یقول: النبی ﷺ جاء بشرع واحد فمن این مذاهب اربعة"

جان لو! اختلاف مذاہب ملت اسلام میں بہت بڑی نعمت اور فضل عظیم ہے، اور اس میں ایک لطیف راز ہے جس کو علما ہی جانتے ہیں، اور جاہل لوگ اس راز سے غافل ہیں حتی کہ میں نے بعض جہلا کو یہ کہتے سنا ہے کہ نبی ﷺ تو ایک شریعت لے کر آئے، یہ مذاہب اربعہ کہاں سے آ گئے؟" (ادب الاختلاف، ص/۲۵)

تقلید کا ثبوت غیر مقلدین علما کے اقوال سے

تقلید کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ جمہور علمائے اہلِ سنّت کے نظریہ کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یعنی جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، وہ نہ تو ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں، بلکہ جو اجتہاد کی استطاعت رکھتا ہے اس کے لیے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے اس کے لیے تقلید جائز ہے، لیکن جو شخص اجتہاد پر قادر ہے اس کے لیے تقلید جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ جہاں وہ اجتہاد سے عاجز ہو، وہاں اس کے لیے بھی تقلید جائز ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی، ج:۲۰، ص:۲۰۲-۲۰۳، مجمع الملک فہد، سعودیہ)

ابن قیم صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ خدائے قدوس نے اس شخص کی مذمت کی ہے جس نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی ہے اور اس کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کی ہے۔ اس تقلید کی حرمت و مذمت پر ائمہ کرام و سلف صالحین متفق ہیں۔ البتہ جس نے احکام خداوندی کی تحقیق اور تلاش میں پوری زندگی صرف کر دی اور صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکے اس نے اپنے سے زیادہ علم و فضل والے کی تقلید کر لی تو یہ محمود ہے مذموم نہیں، اس پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا نہ کہ گناہ کا۔"

(اعلام الموقعین، ج:۲، ص/۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ابن قیم صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ سلف صالحین اور ائمہ کرام نے جس تقلید کی مذمت وحرمت پر اتفاق اور اجماع کیا ہے، اس سے انسان کا خدائے کریم کے احکام سے چشم پوشی کر کے اپنے آباء واجداد کی تقلید کرنا مراد ہے نہ کہ مجتہدین عظام کی پیروی کرنا۔

ایک اور مقام پر غیر مقلدین پر بجلی گراتے ہوئے لکھا:

فقہائے اسلام اور جن کے فتاوی لوگوں کے درمیان شائع اور ذائع ہیں اور جنھوں نے احکام کا استنباط کیا اور حلال وحرام کے اصول و قواعد وضع کیے، وہ اس زمین پر آسمان کے تاروں کی مانند ہیں، جس طرح تیرگی شب میں بحری مسافران تاروں سے منزل مقصود کی صحیح سمت کا تعین کرتے ہیں اسی طرح گمراہی کی تاریکی میں زندگی بسر کرنے والے ان علمائے کرام سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور لوگ کھانے پینے سے زیادہ ان کے حاجت مند ہیں، ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔

(اعلام الموقعین، ج:۱،ص/۸، دارالکتب العلمیہ)

حرام وحلال کے اصول وضع کرنے والے کون ائمہ ہیں، یہ اہل علم خوب جانتے ہیں، اوران کی اطاعت کو ابن قیم نے والدین کی اطاعت سے بھی برتر قرار دیا۔ پھر بھی غیر مقلدین کو اس میں نہ جانے شرک کیوں نظر آتا ہے۔

غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں حیدرآبادی لکھتے ہیں:

"لابدللعامی من تقلید مجتهد او مفت"

(نزل الابرار، ج:۱،ص/۷، سعید المطابع، بنارس)

عوام کے لیے کسی مجتہد یا مفتی کی تقلید ضروری ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"وجب علی العامی تقلیده والاخذ بفتواه" (لقطۃ العجلان، ص/۱۳۷)

عامی پر مجتہد کی تقلید اور اس کے فتوی پر عمل واجب ہے۔

ابن تیمیہ نے تقلید شخصی کے اثبات میں لکھا:

"یکونون فی وقت یقلدون من یفسده، وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی،و مثل هذالا یجوز باتفاق الأُمة."

لوگ خواہش اور غرض کی خاطر کبھی ایک امام کی تقلید کریں جو عمل کو فاسد قرار دیتا ہے اور کبھی دوسرے امام کی تقلید کریں جو اسے صحیح قرار دیتا ہے تو یہ باتفاق ائمہ جائز نہیں۔

(فتاوی کبریٰ، ج:۳،ص/۲۰۴، دارالکتب العلمیہ)

مشہور غیر مقلد مولوی محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی کا قول دیکھیے:

"وهذا کله یودی الی تمکن العامی من عدم وجوب الرجوع الی العلماء لکن المعلوم وجوب ذلك علی العوام من اجماع الصحابة فبطل ما ادی الی مخالفة اجماعهم."

اور (تمہاری) یہ سب بات یہاں تک پہنچاتی ہے کہ عامی کے لیے علما کی طرف رجوع واجب نہ ہونے کی بھی وسعت ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام کے اجماع سے یہ معلوم ہے کہ عامی پر علما کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو چیز صحابہ کرام کے اجماع کے خلاف ہو وہ خود باطل ہے۔

پھر آگے لکھا:

"واجماع الصحابة علی تقریر العوام علی التقلید فلانه

اجماع فعلی لا لفظی ‘‘

اور حضرات صحابہ کرام کے اجماع فعلی سے نہ کہ لفظی سے یہ ثابت ہے کہ عوام کو تقلید پر برقرار رکھا جائے گا۔ (الروض الباسم، ج:۱ص/۱۰۹)

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد محدث گوندلوی لکھتے ہیں:

’’بعض دفع تقلید جائز اور بعض دفع واجب ہوتی ہے۔‘‘

(الاصلاح، ج:۱،ص/۱۵۹، ام القری پبلکیشنز گوجرانوالہ)

البانی اور سعودی مفتی کی گواہی

فرقۂ اہلِ حدیث کے نام نہاد محدث ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

’’تقلید کی حرمت کی دلیل مجھے معلوم نہیں، البتہ جس کے پاس علم نہیں ہے۔اس کا تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔‘‘ (فتاوی البانیہ،ص/۱۲۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

’’اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید اس بندے کے لیے واجب ہے۔‘‘

(فتاویٰ البانیہ،ص/۱۲۶)

سلفیوں کے ’’امام ربانی‘‘ شیخ محمد بن صالح العثیمین ہیں، جن کا مقام سعودی علما میں ابن باز کے بعد سب سے بڑا ہے، یہ لکھتے ہیں:

’’التقليد فی الواقع حاصل من عهد الصحابة رضی الله عنهم فان الله تعالىٰ يقول: فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون، ولا شك ان من الناس فی عهد الصحابة رضی الله عنهم والى عهدنا هذا من لا يستطيع الوصول الى الحكم بنفسه، لجهله وقصوره،ووظيفة

هذا أن يسأل اهل العلم،وسؤال اهل العلم يستلزم الاخذ بما قالوا،والأخذ بما قالوا هو التقليد.‘‘

حقیقت یہ ہے کہ تقلید عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے موجود ہے۔ارشاد خداوندی ہے: ’’جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو‘‘ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کے دور سے لے کر آج تک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جو از خود حکم شرع تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ علم نہیں رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کا فریضہ یہی ہے کہ اہل علم سے پوچھ کر عمل کریں۔اور یہی تقلید ہے۔ (فتاویٰ نور علی الدرب، ج:۲،ص/۶۴۱، مکتبہ الملک فھد، سعودیہ)

یہ بڑے بڑے محدثین وفقہاے کرام اور ان کے ساتھ خود ان کی مستند شخصیات بابانگ دہل تقلید کو لازم وضروری قرار دے رہے ہیں، مگر دوسری طرف انہیں غیر مقلدین کے بقول تقلید وحی الٰہی کو دھکا دینے والی ہے، نبی ﷺ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، قرآن وسنت سے ثابت نہیں اور مقلدین سب گمراہ ومشرک ہیں۔ (معاذ اللہ)

مجھے ملال نہیں اپنی بے نگاہی کا
جو دیدہ ور ہیں انہیں بھی نظر نہیں آتا

تقلید شخصی کا ثبوت

تقلید کے بارے میں قرآن وسنت اور اسلاف کے دلائل سے جب غیر مقلد عاجز رہ جاتے ہیں تو مطلق تقلید کو تسلیم کر کے تقلید شخصی کے منکر بن جاتے ہیں، چنانچہ ابو زید نے لکھا:

[پھر یہ کہاں کا اصول ہے کہ ایک کے مقابلہ میں باقی تین اماموں کی باتوں کو بلا دلیل ترک کر دیا جائے؟ (ص/۴۱)]

دوسری جگہ لکھا:

[حقیقت یہ ہے کہ امت کے کسی فرد کو کسی غیر نبی کی تمام باتوں کا پابند کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ مسلمان نہ اس پر کبھی جمع ہوئے اور نہ جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ محض دعوے ہیں جن کے پیچھے مسلکی تعصب اور خود ساختہ مذہبی تفوق کے سوا اور کوئی دلیل نہیں بلکہ اجماع تو اس کے برخلاف پر ہوا ہے۔ (ص/۴۵)]

ابو زید نے تقلید شخصی کے خلاف پر اجماع کا قول کیا، اس کا رد پچھلے صفحات میں ہو چکا۔ اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ غیر نبی کی باتوں کا پابند ہونا اور چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی پیروی و تقلید کرنا یہ دعوی بلا دلیل ہے اور محض مسلکی تعصب و مذہبی تفوق ہے یا پھر اس کی پشت پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیا جائے!

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر."

(ترمذی ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر، حدیث: ۳۶۷۱، ص/۸۳۵، دار الکتب العلمیہ)

تم میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا۔

حدیث پاک سے ظاہر ہوا نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابۂ کرام کو حضرت ابوبکر و عمر کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور "من بعدی" سے ان کا زمانۂ خلافت مراد ہے، کیونکہ ابھی تو یہ دونوں حضرات سامنے موجود تھے، اور ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا مسلمانوں پر ایک ہی امام کی اطاعت لازم ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اذا بو یع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منہما"

(مسلم شریف، کتاب الامارۃ، باب اذا بویع لخلیفتین، حدیث: ۱۸۵۳، ص/۷۶۹، دار الکوثر قاہرہ)

جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔

لہٰذا زمانۂ عمر میں حضرت عمر کی اور زمانۂ ابوبکر میں حضرت ابوبکر کی پیروی کا حکم ہوا

اور یہی تقلید شخصی ہے۔

(۲) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام معبد"

(مستدرک علی الصحیحین، ذکر مناقب ابن مسعود، حدیث: ۵۳۹۴، ج:۳، ص/۳۶۰ دار الکتب العلمیہ)

میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پسند کرتے ہیں۔

غور کریں! اگر تقلید شخصی جائز نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ عبداللہ بن مسعود کی پیروی پر آمادہ نہ کرتے۔

واضح رہے کہ فقۂ حنفی کی بنیاد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال و افعال پر رکھی گئی ہے جو رضائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ

"لا تسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم"

(بخاری شریف، کتاب کفارات الایمان، حدیث: ۶۷۳۶، ص/۸۲۴، دار الکوثر قاہرہ)

یعنی جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے مجھ سے سوال نہ کرو۔

اگر تقلید شخصی ناجائز ہوتی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کسی ایک امام کے پیروی پر ہم لوگوں کو آمادہ نہ کرتے۔

(۴) حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک عورت آئی اور آپ سے کچھ دریافت کیا، فرمایا: پھر کسی وقت آنا، عورت نے عرض کیا: اگر میں پھر کسی وقت آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو پھر کیا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"فان لم تجدینی فاتی أبا بکر".

ابوبکر کے پاس آنا۔

(بخاری شریف، کتاب فضائل الصحابہ، باب ۵/حدیث: ۳۶۵۹، ص/۷۵۴، دارالکوثر قاہرہ)

اگر تقلید شخصی جائز نہ ہوتی تو آپ یوں ارشاد فرماتے: جس سے تمہارا جی چاہے پوچھ لینا، لہٰذا ایک ہی شخص کو امام بنالینا اور مسائل شرعیہ میں اسی کی طرف رجوع لانا جائز و ثابت ہے۔

(۵) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من أتاكم و أمركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فاقتلوه."

یعنی کسی ایک شخص پر مجتمع ہو، کوئی آکر تمہاری (اتفاق کی) لاٹھی توڑنا چاہے، تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کرنا چاہے تو اسے قتل کردو۔

(مسلم شریف، باب حکم من فرق امر المسلمین، حدیث: ۱۸۵۲، ص/۵۷۹، دارالکوثر قاہرہ)

اس حدیث پاک میں بھی تقلید شخصی کا حکم ہو رہا ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ ملکی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے خلیفہ وقت کے ہاتھوں پر بیعت کے بارے میں ہے، کیونکہ امام وقت کے ہاتھ پر بیعت بھی دین کے لیے ہوتی ہے اور دنیا اس کے تابع ہوتی ہے، جب دنیا کے معاملے میں ایک امام کے اتباع کا حکم ہے تو دین جو دنیا سے اہم ہے اس میں یہ کیسے ممکن ہے کہ چند لوگوں کے اتباع کا حکم ہو۔

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلالت علمی اور علو شان ظاہر ہے خود آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام خوب جانتے ہیں کہ۔

"أني من اعلمهم بكتاب الله". (بخاری شریف،، حدیث: ۵۰۰۰)

میں کتاب اللہ کو ان سب سے زیادہ جانتا ہوں۔

اور علامہ ذہبی اور امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"ثم انتهى علم الستة الى علي و عبد الله ابن مسعود"

پھر ان چھ حضرات (حضرت عمر، حضرت ابی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو درداء، حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے علم کا منتہی فقط دو پر ہے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ (تدریب الراوی، ج ۳، ص/۴۳۱، دارالعاصمۃ ریاض)

اس قدر علمی جلالت کے باوصف فرماتے ہیں:

"لو ان الناس سلكوا واديا و شعبا و سلك عمر واديا و شعبا سلكت وادي عمر و شعبه لو قنت عمر قنت عبد الله."

(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان لایقنت ۔۔، حدیث: ۶۹۸۴، ج: ۲، ص: ۱۰۳، مکتبۃ الرشد)

اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وادی اور گھاٹی میں ہی چلوں گا۔۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت (نماز صبح میں) پڑھتے تو میں (عبداللہ) بھی پڑھتا۔

(۷) بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف تھا۔ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وہ مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب دیا۔ مگر اہل مدینہ نے کہا:

"لا ناخذ بقولك و ندع قول زيد"

(بخاری شریف، کتاب الحج، حدیث: ۱۷۵۸، ص/۲۱۸، دارالکوثر قاہرہ)

ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے۔

اہلِ مدینہ حدیث کا حوالہ (جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث پیش کی) ملنے کے باوجود اپنے عالم زید بن ثابت رضی اللہ

عنہ سے رابطہ کرنا ضروری سمجھا کہ ان کے پاس اور مضبوط دلیل موجود ہو یا ان کے نزدیک حدیث کا مطلب کچھ اور ہو۔ بالآخر اہل مدینہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بات کی اور جب تحقیق سے حضرت عبداللہ بن عباس کی بات صحیح ثابت ہوئی تو حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ نے اسے قبول کیا۔

یہاں اہلِ مدینہ کا یہ جواب کہ ''ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے'' اس سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور یہ تقلید شخصی ہے کہ حدیث سننے کے باوجود اپنے مقتدا کی طرف رجوع کا فیصلہ کیا گیا۔

ضمیر صاحب! ان دلائل کو پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ کسی ایک امام کی پیروی وتقلید کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور محض مسلکی تعصب اور خود ساختہ مذہبی تفوق ہے یا پھر دلائل سے بھرپور؟؟؟

تقلید شخصی اور اسلاف کرام

تقلید شخصی کے بارے میں 'محدثین' مفسرین، فقہا اور دیگر سلف صالحین کیا کہتے ہیں! اسے جاننے کے لیے کتب اسلاف سے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) حافظ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمۃ تقلید شخصی ضروری ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فان قیل :نحن نسلم منع عموم الناس من طریق سلوك الاجتهاد، لما یفضی ذلك الی اعظم الفساد، لکن لا نسلم منع تقلید امام متبع من ائمة المجتهدین غیر هٰؤلاء الائمة المشهورین؟''

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ عوام الناس کو اجتہاد کی راہ چلنے سے منع کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بڑے فساد کا باعث ہوگا، مگر ہم یہ بات تسلیم نہیں

کرتے کہ صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کی جائے، کسی اور امام مجتہد کی نہیں؟

''قیل :قد نبهنا علی علة المنع من ذلك، وهو ان مذاهب غیر هٰؤلاء لم تشتهر ولم تنضبط، فربما نسب الیهم مالم یقولوه، او فهم عنهم مالم یریدوه، ولیس لمذاهبهم من یذب عنها، و ینبه علی ما وقع من الخلل فیها بخلاف هذه المذاهب المشهورة.''

(مجموعہ رسائل حافظ ابن رجب حنبلی، ج۲/، رسالہ نمبر ۲۶، الفاروق الحدیثہ)

عوام کو ائمۂ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے امام مجتہد کی تقلید سے منع کرنے کی وجہ اور علت پر ہم نے تنبیہ کردی اور وہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور امام مجتہد کا مذہب مشہور و منضبط نہیں ہوا، تو بہت دفع ان کی طرف وہ بات منسوب کی جائے گی جو انہوں نے نہیں کہی، یا ان سے کسی بات کو سمجھا جائے جو ان کی مراد نہ ہو، اور ان کے مذاہب کا دفاع کرنے والا بھی کوئی نہیں رہا، جو ان کے مذاہب میں واقع ہونے والے خلل ونقص پر تنبیہ کرے برخلاف ان مذاہب مشہورہ کے۔

(۲) امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وعلی هذا ما ذکر بعض المتاخرین منع تقلید غیر الأربعة لِا نضباط مذاهبهم ، وتقیید مسائلهم ، و تخصیص عمو مها ، و لم یُدْرَ مثله فی غیر هم الآن لِانقراض أتباعهم و هو صحیح.''

اور اسی بنیاد پر ائمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہے نہ کہ دوسرے ائمہ کی، کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مکمل منضبط ہو گئے ہیں، اور ان مذاہب میں مسائل تحریر میں آچکے ہیں۔ اور دوسرے ائمہ کے مذاہب میں یہ چیز نہیں، نیز ان کے متبعین بھی ختم ہو چکے ہیں۔ اور ان

چار اماموں میں تقلید کا انحصار صحیح ہے۔

(التحریر فی اصول الفقہ، ص/ ۵۵۲، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر)

(۳) علامہ ابن حجر ہیتمی مکی فرماتے ہیں:

"اما فی زماننا فقال بعض أئمتنا : لایجوز تقلید غیر الائمة الاربعة :الشافعی، ومالك،وابی حنیفة، واحمد رضوان الله علیهم اجمعین"

ہمارے زمانے میں مشائخ کا یہی قول ہے کہ ائمہ اربعہ یعنی امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ کسی اور امام کی تقلید جائز نہیں۔

(فتح المبین، ص/ ۴۷۴، دار المنہاج، سعودیہ)

(۴) حضرت امام شعرانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"فان قلت فهل یجب علی المحجوب عن الاطلاع علی العین الاولیٰ التقیید بمذهب معین ؟فالجواب: نعم یجب علیه ذلك لئلا یضل فی نفسه و یضل غیره."

اگر تم یہ سوال کروگے کہ اصل چشمۂ شریعت کی اطلاع سے محروم شخص مذہب معین کا پابند ہے۔تو جواب یہی ہے کہ ہاں واجب ہے۔اور یہ اس لیے تا کہ نہ وہ خود گمراہ ہو اور نہ کسی کو گمراہ کر سکے۔

(الفتح العلی المالک فی الفتویٰ علی مذہب الامام مالک، ج/۱،ص/ ۱۰۴، دار المعرفۃ، بیروت)

(۵) محدث عظیم حضرت علامہ مناوی فرماتے ہیں:

"وعلی غیر المجتهد ان یقلد مذهبا معینا.......لکن لا یجوز تقلید الصحابة وکذا التابعین کما قاله امام الحرمین من کل من لم یدون مذهبه، فیمتنع تقلید غیر

الأربعة فی القضاء والا فتاء،لان المذاهب الاربعة انتشرت و تحررت حتی ظهر تقیید مطلقها و تخصیص عامها بخلاف غیر هم لا نقراض اتبا عهم وقدنقل الامام الرازی رحمه الله تعالیٰ اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید أعیان الصحابة واکابرهم."

اور غیر مجتہد پر کسی معین امام کی تقلید کرنا لازم ہے......لیکن صحابہ کی تقلید جائز نہیں، نہ تابعین کی، جیسا کہ امام الحرمین کی تحقیق سے واضح ہے کہ جس امام کا مذہب مدون نہ ہو، اس کی تقلید جائز نہیں۔لہٰذا قضاء اور افتاء میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ مذاہب اربعہ اس طور پر مشہور ہوئے اور پھیل گئے ہیں کہ ان میں مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص واضح ہے، برخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان میں یہ چیز نہیں، کیونکہ ان کے پیروکار ختم ہوگئے، اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اکابر صحابہ کی تقلید سے منع کیا جائے گا۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج/۱،ص/ ۲۱۰، دار المعرفۃ، بیروت)

(۶) مفسر قرآن امام صاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز تقلید ماعدا المذاهب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحدیث الصحیح والایة، فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذلك للکفر لان الأخذ بظو اهر الکتاب والسنة من اصول الکفر."

چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں، اگر چہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث و آیت کے موافق ہی ہو۔جو ان چار مذاہب سے خارج ہے، وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے، اور یہ کفر تک مؤدی ہوسکتا ہے، کیونکہ قرآن وحدیث کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔

(تفسیر صاوی، ج/ ۳،ص/۹، مصطفی البابی الحلبی)

قارئین کرام! ان ائمہ عظام کے چمکتے ہوئے اقوال مطالعہ کرنے سے واضح ہوگیا کہ

☆ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام مجتہد کی تقلید کرنا ناجائز وممنوع ہے۔

☆ ائمہ اربعہ کے علاوہ کی تقلید گمراہی اور گمراہ گری ہے۔

☆ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام مجتہد کا مذہب منضبط نہیں، لہٰذا ان کی پیروی نہ کی جائے۔

معاذ اللہ! ابوزید نے ''اندھے کی لاٹھی'' چلاتے ہوئے ان سب ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو محض دعوی بلا دلیل ٹھونسنے والا، بلا دلیل غیر نبی کی باتوں کا پابند کرنے والا اور مستزاد یہ کہ مسلکی تعصب اور خودساختہ مذہبی تفوق کا مجرم قرار دیا!!!

تقلیدِ شخصی اور اہلِ حدیث

(۱) آنے والی سطور پڑھ کر ابوزید پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، دیکھیے یہ اہلِ حدیث کے ''سرتاج'' ابن تیمیہ کیا لکھتے ہیں:

''فمن ترجح عنده تقليد الشافعي لم ينكر على من ترجح عنده تقليد مالك، ومن ترجح عنده تقليد احمد لم ينكر على من ترجح عنده تقليد الشافعي و نحو ذلك''

(الفتاوی الکبری، ج ۴، ص ۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جس کے نزدیک امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تقلید بہتر ہے، وہ اس پر اعتراض نہ کرے جس کے نزدیک امام مالک علیہ الرحمۃ کی تقلید بہتر ہے۔ اور اسی طرح جس کے نزدیک امام احمد علیہ الرحمۃ کی تقلید بہتر ہے، وہ امام شافعی علیہ الرحمۃ یا کسی اور امام کی تقلید کرنے والے پر اعتراض نہ کرے۔

(۲) اور یہ دیکھیے: فرقۂ اہلِ حدیث کے ''سردار'' محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بیٹے لکھتے ہیں:

''و نحن ايضا فى الفروع على مذهب الامام احمد بن

حنبل ولا ننكر على من قلد احد الائمة الاربعة، دون غيرهم، لعدم ضبط مذاهب الغير الرافضة، والزيدية، والامامية، و نحوهم، ولا نقرهم ظاهرا على شئ من مذاهبهم الفاسدة، بل نجبرهم على تقليد احد الائمة الاربعة.''

(الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، ج ۱، ص ۲۲۷، الطبعۃ السادسۃ)

ہم فقہی مسائل میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ اور ائمۂ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والے پر تنقید بھی نہیں کرتے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے مذاہب مثلاً روافض، زیدی، اور امامی وغیرہ مذاہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بلکہ ان لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔

(۳) اور مشہور سلفی سعودی عالم صالح الفوزان لکھتے ہیں:

''هاهم الائمة من المحدثين الكبار كانوا مذهبيين، فشيخ الاسلام ابن تيميه وابن القيم كانا حنبليين، والامام النووى و ابن حجر كانا شافعيين، والامام الطحاوى كان حنفيا وابن عبد البر كان مالكيا.''

(اعانۃ المستفید شرح کتاب التوحید، ج ۱، ص ۱۰، موسسۃ الرسالۃ)

غور کیجیے! یہ بڑے بڑے ائمہ محدثین ہیں، جو مسالک کو مانتے ہیں۔ مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم حنبلی تھے۔ امام نووی اور ابن حجر شافعی تھے۔ امام طحاوی حنفی تھے اور ابن عبد البر مالکی تھے۔

(۴) شیخ محمد ابن صالح العثیمین جو سعودی عرب کے شیخ الکل رہ چکے ہیں اور اہلِ حدیث کے سرخیل ہیں، یہ اہلِ حدیث کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''عوام کا مسلک وہی ہونا چاہیے جو اُن کے علما کا ہو، اگر کوئی کہے کہ میں جس کی چاہے تقلید کروں، کوئی ٹوکنے والا کون ہوتا ہے؟ تو ہم کہیں گے:

''لا يسوغ لك هٰذا،لأن فرضك انت هوالتقليد، واحق من تقلد علماؤك،ولو قلدت من كان خارج بلادك ادّىٰ ذلك الى الفوضىٰ فى امرليس عليه دليل شرعى.......

فالعامى يجب عليه ان يقلد علماء بلده الذين يثق بهم، وقد ذكر هذا شيخنا عبد الرحمن بن سعدى رحمه الله، وقال: العامة لا يمكن ان يقلد واعلماء من خارج بلدهم، لان هذا يؤدى الى الفوضى والنزاع،ولو قال: انا لا اتوضأ من لحم الابل،لانه يوجد من علماء الامصار من يقول: لايجب الوضوء منه، ولقلنا لا يمكن، يجب عليك ان تتوضأ لان هذامذهب علماءك وانت مقلدلهم.'' (لقاءات الباب المفتوح،ج/۳۲،ص/۲۰)

یہ تمہارے لیے جائز نہیں، کیونکہ تم پر تقلید فرض ہے اور تمہارے علما اس کے زیادہ حقدار ہیں، اور جس مسئلہ میں کوئی دلیل شرعی معلوم نہ ہو اس میں اگر تم نے اپنے شہر کے علاوہ علما کی تقلید کی تو یہ انتشار کا سبب ہوگا۔

عوام پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہم وطن معتمد علما کی تقلید کریں، شیخ عبدالرحمن سعدی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عوام کے لیے اپنے شہر کے علاوہ علما کی تقلید کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ انتشار واختلاف کا سبب ہے۔

اگر کوئی کہے: میں اونٹ کا گوشت کھا کر وضو نہیں کروں گا کیونکہ کچھ علما اس میں وضو

کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ہم کہیں گے یہ درست نہیں تم پر واجب ہے کہ وضو کرو کیونکہ یہی تمہارے علما کا مذہب ہے اور تم کو ان کی تقلید کرنی ہے۔

اب ذرا ابوزید یہ بتائیں کہ ''اُمت کے کسی فرد کو کسی غیر نبی کی باتوں کا پابند کرنا اگر دلیل سے ثابت نہیں ہے اور محض دعوے ہیں اور محض مسلکی تعصب اور خوساختہ مذہبی تفوق ہے۔''

تو جناب، یہ ابن تیمیہ تو آپ ہی کے ہیں!

یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بیٹے تو آپ کے سرتاج ہیں!

یہ سلفی سعودی عالم صالح الفوزان تو آپ کے گھر کے ہیں!

اور یہ محمد بن صالح العثیمین اور عبدالرحمن بن سعدی بھی کوئی دوسرے نہیں ہیں!

کیا ان کی بات بھی بلا دلیل ہے؟ کیا انہوں نے بھی فضول دعویٰ کیا ہے؟ کیا یہ حضرات بھی مسلکی تعصب کے مارے ہوئے اور خودساختہ مذہبی تفوق کا شکار ہیں؟؟؟

اگر برصغیر ہندو پاک کے مسلمان تقلید کریں تو مشرک اور سعودی کریں تو پکے مسلمان!!!

اللہ رے نیرنگی افکار کا عالم
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

ان روایات کو ایک بار اور پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ امام معین کی پیروی محض خودساختہ مذہبی تفوق ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ یا عین منشا نبوی اور طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ البتہ خیرالقرون میں چونکہ نفس پرستی کا غلبہ نہیں تھا اس لیے تقلید شخصی پر اجماع کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، لیکن بعد کے دور میں نفس پرستی کا غلبہ ہوا اور بہت سے لوگ خواہش نفس کے مطابق حکم شرع کے طلبگار ہوئے تو امت کے اکابر نے غیر شخصی تقلید کو مضر جانتے ہوئے تقلید شخصی پر اجماع کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا صحیح مطلب

ابوزید نے مجتہد کی اجتہادی خطا کو آڑ بنا کر تقلید شخصی کے خلاف مغالطہ آرائی کرتے ہوئے لکھا:

> یہاں کسی شخص کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ جس مسئلہ میں خطا کے باوجود مجتہد کو اجر مل رہا ہے اس مسئلہ پر عمل کر کے ہمیں بھی اجر وثواب ملے گا۔

پھر تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا:

> السنة ما سنه الله ورسوله، لا تجعلوا خطأ الرأى سنة للامة. سنت طریقہ وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جاری کیا ہے تم کسی کی (اجتہادی) غلطی کو امت کے لیے سنت نہ بنا دو۔
>
> ....خود مجتہدین اپنی خطا کے واضح ہو جانے کے بعد اس سے رجوع کر لیا کرتے تھے لہٰذا جو شخص ان مجتہدین کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کر رہا ہے اسے انہیں کی طرح خطا سے رجوع کر کے حق کی طرف آنے کا ثبوت بھی دینا چاہیے۔
>
> مثال کے طور پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول دیکھ لیجیے۔ اپنے شاگرد امام ابو یوسف سے فرماتے ہیں:
>
> "ويحك يا يعقوب، لاتكتب كل ماتسمع منى، فانى قد أرى الرأى اليوم و اتركه غدا وارى الرأى غدا واتركه بعد غد"
>
> اے یعقوب تمہارا برا ہو مجھ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ نہ لیا کرو کیونکہ آج میری ایک رائے ہوتی ہے، تو کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل میری ایک رائے ہو تو پرسوں اسے چھوڑ دیتا۔ (ص ر ۴۳-۴۴)

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

☆ کیا مجتہدین کی آراء کا اعتبار نہیں ہے؟

☆ جس طرح مجتہدین اپنی اجتہادی خطا سے رجوع کر لیتے تھے کیا اسی طرح ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ کسی عالم کی بات پر مجتہد کے بیان کردہ مسئلہ سے رجوع کرے؟

☆ کیا غیر نبی کا طریقہ سنت نہیں ہوسکتا؟

☆ امام اعظم نے امام ابو یوسف کو لکھنے سے منع کیوں کیا؟

آیئے! ان باتوں کو سمجھ لیا جائے تا کہ ابوزید کی فریب کاری طشت از بام ہو جائے۔

احکام شرع میں رائے کا مقام

یہ بات اہلِ علم کہ یہاں مسلم ہے کہ شرع میں رائے کا بھی ایک مقام ہے چنانچہ اسلاف نے صراحت کی ہے کہ احکام کے اثبات کے لیے شرع کے چار اصول ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے غیر مقلد نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

> "وذهب الجمهور من الصحابة والتابعين والفقهاء والمتكلمين ان القياس الشرعى اصل من اصول الشريعة يستدل بها على الاحكام التى يرد بها السمع وليس فيه نص و لا اجماع. قال ابن عبد البر: لاخلاف بين فقهاء الامصار وسائراهل السنة فى نفى القياس فى التوحيد و اثباته فى الاحكام الاداؤد فانه نفاه فيهما جميعا" (الجنۃ ص ۱۲)

جمہور حضرات صحابہ کرام، تابعین، فقہا اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اصول شرع میں سے ایک اصل قیاس شرعی ہے، جس سے احکام سمعی پر استدلال کیا جاتا ہے، جب کہ ان کے اثبات کے لیے نص اور اجماع نہ ہو۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ شہروں کے فقہائے کرام اور اہلِ سنّت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ توحید (وعقائد) میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ہاں احکام کا اثبات قیاس سے ہوسکتا ہے۔ ابو داود ظاہری نے دونوں میں قیاس کی نفی کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اچھی رائے کو پسند فرماتے اور اسے اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ چنانچہ آپ نے قاضی شریح کو ایک خط لکھا، جس کا مضمون یہ ہے:

جب تمہارے پاس کوئی مسئلہ پیش ہو تو سب سے پہلے اسے قرآن مقدس کی روشنی میں حل کرو اور قرآن کریم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی آرا کی کوئی پرواہ نہ کرنا۔ اگر اس کا حل قرآن کریم میں نہ ملے تو پھر حدیث شریف سے حل کرنا، اور اگر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو جس چیز پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہے اس کو لینا، اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر دو باتوں میں سے جو بھی تمہیں پسند آئے کرنا، ایک یہ کہ خاموش رہنا اور خاموشی میں بھی کوئی حرج نہیں، یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے، اور دوسری یہ کہ

"اِن شئت أن تجتهد برأيك ثم تتقدم فتقدم"

اگر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرنا چاہو تو اس میں تم جتنی بھی مسابقت کرسکتے ہو کرو۔

(سنن الدارمی، باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ، حدیث:۱۶۹، ص/۴۹، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں اصول اربعہ کو بیان فرمایا یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال سئل رسول الله ﷺ عن العزم؟ فقال مشاورة

أهل الرأي ثم اتباعهم."

حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عزم کیا ہے؟ فرمایا: اصحاب رائے سے مشورہ کرنا پھر ان کی بات کی پیروی کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج/۲، ص/۱۵۱، دار طیبۃ مصر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو قاضی اور جج بنایا جائے تو اس کو پہلے قرآن کریم پر پھر حدیث شریف پر پھر (اکابر) نیک لوگوں کے فیصلہ پر اپنے فیصلے اور حکم کی بنیاد رکھنی چاہیے اور اگر قرآن وحدیث اور نیک لوگوں کے فیصلہ سے کچھ نہ مل سکے تو فلیجتهد برایه۔ اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث:۲۲۹۹۱، ج/۴، ص/۵۴۴، مکتبۃ الرشد)

اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے، اگر کامیاب نہ ہوتے تو حدیث شریف میں جستجو کرتے، اگر حدیث میں جواب نہ ملتا تو پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال دیکھتے، اگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوتی تو قال فيه برايه. یعنی اپنی رائے سے جواب دیتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث/۲۲۹۹۴، ج/۴، ص/۵۴۴، مکتبۃ الرشد، ریاض)

غور فرمائیں! ان روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن و سنت کے بعد اجماع اور رائے کی طرف رجوع کرتے، اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے اگر رائے پر فیصلہ کرنا اور لوگوں سے اس پر عمل کرانا جائز نہ تھا تو صحابہ کرام بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز ایسا نہیں کرتے۔

غلط رائے سے مراد کیا ہے؟

جب یہ ثابت ہوگیا کہ رائے بھی شرع میں حجت ہے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس غلط رائے سے اجتناب کا حکم دیا اس سے مراد کیا ہے؟

غلط رائے کے حوالے سے امام ابن عبدالبر نے متعدد روایات نقل کیں ہیں، آخر میں فرماتے ہیں:

"اختلف العلماء فی الرأی المقصود اِلیه بالذم و العیب فی هذه الأثار المذکورة فی هذا الباب عن النبی ﷺ وعن أصحابه رضی الله تعالیٰ عنهم وعن التابعین لهم باحسان، فقالت طائفة: الرأی المذموم هو البدع المخالفة للسنن فی الاعتقاد،کرأی جهم وسائر مذاهب أهل الکلام، لأنهم قوم استعملوا اقیاسهم و اٰرائهم فی رد الاحادیث" (جامع بیان العلم، ج/۲،ص/۱۰۵۲،دارابن الجوزی)

حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار میں جس رائے کو مذموم و معیوب قرار دیا گیا ہے، اس کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ایک جماعت کے نزدیک مذموم رائے سے مراد وہ اعتقادی بدعات ہیں، جو مخالف سنن ہیں جیسے جہم ابن صفوان اور دیگر متکلمین کے مذاہب، کیونکہ ان لوگوں کے قیاس وآراء احادیث کے رد ہی کے لیے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

"وقال أکثر أهل العلم: اِنما الرأی المذموم المعیب المهجور الذی لایحل النظر فیه ولاالاشتغال به، هو الرأی المبتدع و شبهه من ضروب البدع."

(جامع بیان العلم، ج/۲،ص/۱۰۵۳،دارابن الجوزی)

بیشتر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ مذموم ومعیوب اور متروک رائے جس کی طرف توجہ کرنا اور اس میں مشغول ہونا جائز نہیں، وہ گڑھی ہوئی رائے اور اس کی مثل بدعات کی اقسام ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس غلط رائے کا رد فرمایا ہے، اس کا پتا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال میں موجود ہے۔ چنانچہ غلط رائے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أصبح اهل الرأی اعداء السنن أعیتهم الاحادیث أن یعوها، وتفلتت منهم ان یرووها فاستبقوابالرأی .....
أن عمر بن الخطاب قال: اتقواالرأی فی دینکم قال سحنون یعنی البدع."

(جامع بیان العلم، ج/۲،ص/۱۰۰۹۔۱۰۴۱،دارابن الجوزی،سعودیہ)

اصحابِ رائے احادیث کے دشمن ہیں، احادیث کے یاد کرنے نے ان کو تھکا دیا اور احادیث کا روایت کرنا ان سے چھوٹ گیا تو انھوں نے رائے گڑھ لی......اور فرمایا: دین کے بارے میں رائے سے بچو۔ امام سحنون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یعنی بدعت کی آرا سے بچو۔

اور فرمایا:

"ان عمر بن الخطاب کان یقول: اِن أصحاب الرأی اَعداء السنن أعیتهم ان یحفظوها وتفلتت منهم أن یعوها،و استحیو ا حین سئلوا أن یقولوا :لانعلم، فعارضوا السنن برأیهم فایاکم واِیاهم"

(جامع بیان العلم، ج/۲،ص/۱۰۴۲،دارابن الجوزی،سعودیہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل رائے احادیث کے دشمن ہیں، احادیث کے یاد کرنے نے انھیں تھکا دیا اور ان کی حفاظت ان سے چھوٹ گئی اور جب ان سے مسائل پوچھے گئے تو یہ کہنے میں شرم محسوس کی کہ ہم نہیں جانتے۔تو انھوں نے احادیث

کے خلاف اپنی رائے سے جواب دیا تو تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

ان عبارات سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی رائے کی تردید کرتے جو نص کے مقابل ہو، جن سے نصوص کا رد ہو۔ اور بدعات کی ترویج و اشاعت لازم آتی ہو۔ اور احادیث سے بے پروائی کر کے اختیار کی گئی ہو۔

ابو زید سے کوئی پوچھے کیا ائمہ کرام بھی نصوص کے مقابل رائے دیتے تھے؟ اور ان کی رائے بدعات کی ترویج و اشاعت کے لیے ہوتی تھی؟ اور کیا وہ احادیث کو چھوڑ کر رائے کو اختیار کرتے تھے؟

جس نے ائمہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ ائمہ کرام احادیث کے حافظ، ان میں کامل نظر رکھنے والے اور انہیں کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرنے والے ہیں۔ ان کی آرا نصوص کی مخالفت کے لیے نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے معانی و مفاہیم کی وضاحت کے لیے ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود ائمہ حق کی آرا کا انکار عناد و سرکشی ہے مگر غیر مقلدین سے یہ شکوہ کرنا بے جا ہے کہ ان کے یہاں تو نبی ﷺ کی رائے بھی حجت نہیں، اور کا تو ذکر ہی کیا! غیر مقلد محمد جونا گڑھی لکھتا ہے:

تعجب ہے جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو، اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل اور حجت سمجھنے لگے۔ (طریق محمدی، ص/۴)

کیا غیر نبی کا طریقہ سنّت ہو سکتا ہے؟

غیر مقلدین یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ پیروی صرف نبی کی کی جاتی ہے۔ غیر نبی کی پیروی کرنا اور اس کو سنت سمجھنا غلط ہے چنانچہ نتائج التقلید کے مؤلف نے لکھا:

''پیروی اور اتباع صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی فرض ہے۔ غیر نبی کی تقلید اور اتباع کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔'' (بحوالہ الکلام المفید، ص ۲۴)

ابو زید نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہی تاثر پیش کیا۔ لہٰذا یہاں کچھ روایات پیش کی جاتی ہیں، جن سے واضح ہوگا کہ غیر نبی کی پیروی جائز بھی ہے اور ان کے طریقے پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یآایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم'' (سورہ: نساء، آیت: ۵۹)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا حکم ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (۳) اولی الامر کی اطاعت۔ پہلی دو اطاعتوں کے بارے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ تیسری اطاعت سے مراد کیا ہے اس کی تشریح کی جاتی ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ''اُولی الامر'' کی توضیح میں فرماتے ہیں:

''قال أولی الفقہ والخیر''

(مستدرک، حدیث: ۴۲۲، ج/۱، ص/۲۱۱، دار الکتب العلمیہ)

اولی الامر سے اصحاب فقہ اور ارباب خیر مراد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''یعنی أھل الفقہ والدین (الی ان قال) فاوجب اللہ طاعتھم.''

(مستدرک، ج/۱، ص/۲۱۱، دار الکتب العلمیہ)

اولی الامر سے فقہا اور دین دار لوگ مراد ہیں...... اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت واجب کر دی۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ ''اولی الامر'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اولوا العلم و الفقه"

(سنن دارمی، باب الاقتداء بالعلماء، حدیث/۲۲۴ ص/۵۷، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

اولوالامر سے اہل علم اور اصحاب فقہ مراد ہیں:

طویل عبارات سے بچتے ہوئے خود غیر مقلدین کے پیشوا کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"قال ابن عباس وجابر والحسن وابوالعالية و عطاء والضحاك و مجاهد والامام احمد هم العلماء."

(الجنۃ ص ۴، بحوالہ طائفہ منصورہ)

حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت حسن بصری، حضرت ابو العالیۃ، حضرت عطا، حضرت ضحاک، حضرت مجاہد اور امام احمد رضی اللہ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علما ہیں۔

ان عبارات سے عیاں ہوا کہ اولی الامر سے مراد علمائے کرام، فقہائے عظام وغیرہم ہیں اور ان کی اطاعت لازم ہے، لہٰذا غیر مقلدین کا ان حضرات علمائے کرام وغیرہم کی پیروی سے انکار حکم رب کا انکار ہے۔ اب آیئے! یہ دیکھا جائے کہ کیا ان کا طریقہ سنت ہوتا ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين."

(شرح معانی الاثار، حدیث/۴۹۹، ج:۱ ص/۸۰، دار عالم الکتب، یمن)

اس حدیث پاک میں خلفائے راشدین کے طریقہ پر سنت کا اطلاق ہوا۔ پتا چلا کہ غیر نبی کا طریقہ بھی سنت کہلاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"جلد النبی ﷺ أربعين، و جلد أبو بكر أربعين، وعمر ثمانين، وكل سنة."

(مسلم شریف، کتاب الحدود، باب حد الخمر، حدیث/۱۷۰۷، ص/۵۲۶، دار الکوثر قاہرہ)

نبی ﷺ نے شرابی کو چالیس کوڑے لگوائے اور حضرت ابوبکر نے بھی چالیس لگوائے اور حضرت عمر نے اسی کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

ملاحظہ کریں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل جو بظاہر حضور اکرم ﷺ کے فعل کے موافق نہیں ہے، حضرت علی اسے سنت سے تعبیر کرتے ہیں، حضرت علی، خلفائے راشدین سے ہیں، جن کی پیروی ہم پر لازم ہے لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے سنت ہوئی۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی طریقۂ عمر رضی اللہ عنہ پر عمل کیا چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں:

"ثم اتمها عثمان ثمانين و كل سنة" (معرفۃ علوم الحدیث، ص/۱۸۱، حاکم)

پھر حضرت عثمان نے بھی اسی کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

پیشوائے غیر مقلدین نواب صدیق حسن خاں کے حوالے پر اس بات کو ختم کیا جاتا ہے تاکہ کسی غیر مقلد کو مجال دم زدن نہ رہے اس لیے کہ یہ لوگ اپنے گھر کی ہر بات کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

"ان ماسنه الخلفاء الراشدون من بعده فالأخذ به ليس الا لأمره ﷺ بالاقتداء بمافعلوه هو لامره ﷺ لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدين والاقتداء بابى بكر و عمر."

حضور اکرم ﷺ کے بعد جو امور خلفائے راشدین نے جاری کیے ان امور میں ان کی اقتدا اور پیروی صرف اس لیے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خلفائے راشدین کی

سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔خصوصاً حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کا حکم دیا۔

(الدین الخالص،ص/۴۳۵،مطبع احمد،ہند)

یہاں نواب صاحب نے ”ان ماسنه الخلفاء الراشدون“ کہہ کر حضرات خلفاء راشدین کے طریق کو صریح الفاظ میں ’’سنت‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔

مجتہدین کے رجوع سے استدلال کا جواب

غیر مقلدین کا یہ طریقہ ہے کہ مجتہد کی خطاء اجتہادی کے بہانے عوام کو تقلید سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنی ناسمجھی یا فریب کی وجہ سے ائمہ کرام کے بعض اقوال کو احادیث کے خلاف بتا کر ان کی تقلید سے بیزار کرنا چاہتے ہیں۔ابوزید نے بھی اپنے احبار ورھبان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی حربہ آزمایا اور لکھا:

> خود مجتہدین اپنی خطا کے واضح ہو جانے کے بعد اس سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔لہٰذا جو شخص ان مجتہدین کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کر رہا ہے،اسے انہیں کی طرح خطا سے رجوع کر کے حق کی طرف آنے کا ثبوت بھی دینا چاہیے۔ (ص/۴۴)

مجتہد سے خطا ہو سکتی ہے۔اور مجتہدین کے خطا سے رجوع کی مثالیں بھی موجود ہیں۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر ’’ایرا غیرا‘‘ اپنی چند ورقی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ائمہ کرام، مجتہدین عظام کی رائے کو غلط قرار دے،اور اسے قرآن وسنت سے متصادم ٹھہرائے۔کیونکہ جس حدیث کی بنیاد پر مجتہد کے قول کو غلط قرار دینے کا دعویٰ کیا جاتا، مجتہد اس سے آگاہ ہوتا ہے،مگر متعدد اسباب کی بنیاد پر دوسری دلیل کو ترجیح دیتا ہے۔محض حدیث کے ظاہر سے استدلال کر کے مجتہدین کے قول کو ترک کرنے کا مشورہ دینے والوں کے لیے حضرت سفیان بن عیینہ کا قول تازیانہ ہے،فرماتے ہیں:

”الحديث مضلة الا للفقهاء“ حدیث سخت گمراہ کرنے والی

ہے مگر مجتہدوں کو۔ (المدخل لابن الحاج،ج/۱،ص/۱۲۸،دارالتراث)

یہ سفیان بن عیینہ،امام شافعی علیہ الرحمہ اور امام احمد علیہ الرحمہ کے استاذ ہیں اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ ہیں۔علامہ ابن الحاج مکی اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”يريد أن غيرهم قد يحمل الشئ على ظاهره، وله تاويل من حديث غيره،اودليل يخفى عليه،اومتروك او جب تركه غير شئ مما لايقوم به الا من استبحر وتفقه“

یعنی امام سفیان کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کو کبھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں،ان پر جم جاتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے،یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پر یہ شخص مطلع نہیں،یا متعدد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے ان پر عمل نہ کیا جائے گا۔ان باتوں پر قدرت نہیں پاتا مگر وہ جو علم کا دریا ہو یا منصب اجتہاد تک پہنچا ہو۔ (المدخل لابن الحاج،ج/۱،ص/۱۲۸،دارالتراث)

اور شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں:

”اياكم ان تبادروا الى الانكار على قول مجتهد او تخطئته الابعد احاطتكم بادلة الشريعة كلها ومعرفتكم بجميع لغات العرب التى احتوت عليها الشريعة و معرفتكم بمعانيها و طرقها.“

خبردار! مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا جب تک کہ شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کر لو،ان تمام لغات عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو اور جب تک ان کے معانی،ان کے راستے جان نہ لو۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ،ج/۱،ص/۳۹)

یہ ائمہ کرام صاف اعلان کررہے ہیں کہ مجتہدین کی اجتہادی خطا کی آڑ میں ہر کسی کو یہ حق نہیں کہ چند حدیثیں پڑھ کر ائمہ کی رائے کو غلط قرار دے۔ دلائل شرع کی پرکھ میں ان کے مقام تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ تم جس حدیث کا غوغہ کررہے ہو وہ ان کے سامنے نہ تھی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو حکم بیان کیا، اگروہ بظاہر کسی حدیث کے خلاف نظر آتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کے سامنے وہ حدیث نہیں تھی، کیونکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا پایہ علم حدیث میں بہت بلند ہے۔ اس کا اندازا کرنا ہو تو امام ابو یوسف کا یہ فرمان پڑھو! یہ امام ابو یوسف وہی ہیں جن کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

”لیس فی اصحاب الرأی اکثر حدیثا و لا اثبت من ابی یوسف“

اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ بڑھ کر کوئی محدث نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی ثابت الحدیث ہے۔

(میزان الاعتدال، ج۴/، ص/۴۴۷، دارالمعرفۃ۔ تذکرۃ الحفاظ طبقہ سادسہ، ج/۱، ص/۲۱۴، دارالکتب العلمیہ)

امام ابن عدی نے کامل میں کہا:

”لیس من اصحاب الرأی اکثر حدیثا منه“

اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ بڑا کوئی محدث نہیں۔

(الکامل، ج/۸، ص/۴۶۸، دارالکتب العلمیہ)

یہ امام ابو یوسف سیدنا امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں؛

”ماخالفته فی شئ قط فتدبرته الا رأیت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الأخرة و کنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منی“

یعنی کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا خلاف کرکے غور کیا ہو مگر یہ کہ انھیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجۂ نجات پایا اور بار بار ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو پتا چلتا کہ امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔ (الخیرات الحسان، ص/۶۹، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

عظیم محدث امام ابو یوسف کے اس بیان سے انکشاف ہوگیا کہ احادیث پر امام اعظم کی کتنی گہری نظر ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے امام اعظم کی تقلید کی اور ان کے استخراج کردہ مسائل پر عمل کیا۔ اور کئی صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ جن محدثین کی بیان کردہ احادیث کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے قول کو غلط کہنے کی جسارت کی جاتی ہے اگر واقعی وہ غلط رائے وقول تھا تو ان محدثین نے خود ان پر عمل کیوں کیا۔ وجہ وہی ہے جو بیان ہوئی کہ تفقہ ہر ایک کا نصیب نہیں۔ اب اگر صدیوں کے بعد کوئی مادر و پدر آزاد ان ائمہ کرام کی آرا کو غلط کہہ کر ان سے رجوع کا مشورہ دے تو یہ اس کا دیوانہ پن ہے۔

یہ بات درست ہے کہ حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ معصوم نہیں۔

مگر کیا غیر مقلدین معصوم ہیں؟؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ائمہ کرام کے معصوم نہ ہونے کا فریب دے کر غیر مقلدیت اختیار کی جائے!!

اگر مجتہدین کرام سے خطا ممکن ہے تو کیا اہلِ حدیث سے خطا ناممکن ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ائمہ کرام کا دامن چھوڑ کر غیر مقلد علما کو اپنا امام بنایا جائے!!

ائمہ مجتہدین کی خطا کے باوصف اجر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کیا غیر مقلدین کی غلطیوں پر بھی اجر ملنے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے؟

واضح ہوا کہ ائمہ کرام کی تقلید تو عقل ونقل سے ثابت ہے، البتہ غیر مقلدین کا اپنے علماء کی پیروی کرنا ضرور اندھی تقلید ہے!!

علمیت کا غرور اے راہی سچ تو یہ ہے بڑی جہالت ہے

کیا ہر کوئی اجتہاد کر سکتا ہے؟

ابو زید نے لکھا:

[اہلِ حدیث اماموں کی وہ بات تسلیم کرتے ہیں۔جس پر قرآن وسنت سے دلیل موجود ہو اور ایسی بات کو ترک کر دیتے ہیں جو دلیل سے ٹکراتی ہو۔ (ص ر ۴۲)]

بحمدہٖ تعالیٰ ائمہ کرام علیہم الرضوان کے بیان کردہ احکام پر قوی دلائل موجود ہیں، ابھی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر محدث کا قول گزرا کہ بعد تحقیق یہی ثابت ہوتا کہ جو مسئلہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا وہی نجات کا باعث ہے۔اب اگر ایسی جلیل القدر ہستیوں کے اقوال بلا دلیل نظر آئیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ابو زید کا یہ کہنا کہ اماموں کی جو بات دلیل سے ٹکراتی ہے اسے اہلِ حدیث ترک کر دیتے ہیں، یہ وہ شیطانی جال ہے،جس میں وہ تقلید بیزاروں کو پھانستا ہے۔ورنہ طبقہ اہلِ علم خوب جانتا ہے کہ دلائل کی جانچ کے لیے جو شرائط درکار ہیں، وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”واذاجاء هم امر من الأمن أوالخوف أذاعوابه ولوردوه إلى الرسول وإلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم“. (سورہ:ال عمران،آیت:۸۳)

اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس

کی حقیقت جان لیتے یہ جو بات میں کاوش کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اولی الامر کی طرف رجوع کا حکم ہوا۔اگر چہ قرآن وسنت میں ساری چیزوں کا بیان موجود ہے،مگر ہر ایک اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ مسائل کا استخراج کر سکے۔یہ تو مجتہدین کا کام ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا استنباط کریں اور لوگوں کو آگاہ کریں۔اگر ہر کس و ناکس کو دلیل دلیل کا وظیفہ پڑھ کر ائمہ کرام کے اقوال مسترد کرنے کا اختیار دیا جائے تو امان اٹھ جائے گا۔نیز یہ تو اس صورت میں درست ہوتا کہ سارے احکام واضح طور پر قرآن وسنت میں موجود ہوتے۔غور وخوض کر کے استنباط و استخراج کی حاجت نہ ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔کچھ احکام واضح ہیں تو کچھ احکام مجمل وغیر ذالک۔

چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”فقد حوت هذه الآية معانی، منها أن فی أحكام الحوادث مالیس بمنصوص عليه بل مدلول عليه، و منها أن على العلماء استنباطه والتوصل الى معرفته برده الى نظائره من المنصوص، ومنها أن العامی عليه تقليد العلماء فی أحكام الحوادث.“

(احکام القرآن،ج ر ۳،ص ر ۱۸۳،دار احیاء التراث العربی)

بلاشبہ یہ آیت کریمہ متعدد معانی پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ پیش آمدہ مسائل کے احکام ایسے بھی ہیں جو صراحۃً ثابت نہیں، بلکہ دلیل سے ان کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔اور دوسرا یہ کہ علما پر ان کا استنباط اور منصوص نظائر کی طرف لوٹا کر ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔تیسرا یہ کہ عامی پر پیش آمدہ مسائل کے احکام میں علما کی تقلید لازم ہے۔

جس طرح آیات قرآن مختلف قسم کی ہیں یہی حال ان احادیث کا بھی ہے کہ ان پر

ہر ایک مطلع نہیں ہوسکتا۔ امام ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ونظير ذلك من الأخبار الموجبة لجواز الاجتهاد فى أمور الدين لاتوقيف فيها ولا اجماع اكثر من أن يحصىٰ، وفيما ذكرنا كفاية لمن وفق لرشده"

اوران کی مانند وہ احادیث جو امور دین میں اجتہاد کے جواز پر دال ہیں، جن پر وقوف اور اطلاع نہ مل سکی اور وہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا اور ہم نے جو بیان کیا، وہ اس کے لیے کافی ہے جسے بھلائی کی توفیق ملی ہے۔

(الفصول فی الاصول للجصاص الرازی، ج ۴، ص ۲۷۳، وزارۃ الاوقاف الکویتیۃ)

اس سے واضح ہوا کہ قرآن وسنت سے دلیل لینے کے لیے اجتہادی قوت درکار ہے۔ اور اجتہاد کی شرطیں بہت سخت ہیں۔ کچھ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ عبدالکریم شہرستانی لکھتے ہیں:

"شرائط الاجتهاد خمسة(١)معرفة قدر صالح من اللغة...... والتمييز بين الألفاظ الوضعية والاستعارية، والنص والظاهر، والعام والخاص، والمطلق والمقيد، والمجمل والمفصل، وفحوى الخطاب، ومفهوم الكلام. (٢)معرفة تفسير القرآن خصوصا مايتعلق بالأحكام (٣)ثم معرفة الاخبار بمتونها وأسانيد ها والاحاطة بأحوال النقلة والرواة عدولها و ثقاتها، ومطعونها ومردود ها،والا حاطةبالو قائع الخاصة فيها، وما هو عام ورد فى حادثة خاصة، وما هو خاص عمم فى الكل حكمه. ثم الفرق بين الواجب،

والندب، والا باحة، والحظر، و الكراهة. (٤)ثم معرفة مواقع اجماع الصحابة والتابعين و تابعى التابعين من السلف الصالحين حتى لا يقع اجتهاده فى مخالفة الاجماع، (٥) ثم التهدى إلى مواضع الأقيسة و كيفية النظر والتردد فيها." (الملل والنحل، ج ۲، ص ۵، مؤسسۃ الحلبی)

اجتہاد کی شرطیں پانچ ہیں: (۱) بقدر ضرورت لغت (عربیہ) کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص، عام، خاص، مطلق، مقید، اور مجمل ومفصل اور فحوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کی اہلیت ہو (۲) قرآن کریم کی تفسیر کی معرفت ہو خاص طور سے جو احکام سے متعلق ہے (۳) پھر اسانید اور متون کے ساتھ احادیث کی معرفت اور ناقلین اور رواۃ کے عادل، ثقہ، مطعون اور مردود ہونے اور ان احوال کی معرفت کا احاطہ، نیز ان احادیث کے حالات و واقعات کا احاطہ کرنا۔ اور اس بات کی معرفت کہ اس عام کا ورود خاص حادثہ میں ہے اور اس خاص کا حکم سب کو عام ہے۔ پھر وجوب، ندب کراہت اور حظر و اباحت کے مابین فرق کرنا۔ (۴) پھر حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت، تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ ہو (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استدلال کی کیفیت اور اس میں غور وخوض کے مواقع کی معرفت۔

قارئین کرام! فیصلہ کریں کہ اتنی شرطوں کا جو حامل ہو، وہی قرآن وسنت سے صحیح استدلال کرسکتا ہے اور ائمہ مجتہدین نے اپنی قوت اجتہادی اور علمی صلاحیتوں سے احکام کا استنباط کیا، وہ صلاحیتیں اب مفقود ہیں، پھر بھی اہلِ حدیث کا یہ دعویٰ کہ ہم دلیل کی روشنی میں ائمہ کا قول رد کردیتے ہیں، یہ نرا جنون ہے اور ہر عامی کو تقلید بیزار کرکے من مانی کا اختیار دینا شریعت کی بنیادوں کو گرانے کے مترادف ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

محض حدیث جان لینے سے کوئی مجتہد نہیں ہوجاتا۔اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نضر الله امرء أ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغ غيره،فرب حامل فقه اِلى من هو أفقه منه،ورب حامل فقه ليس بفقيهٍ ."

(جامع الترمذی،باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السامع،حدیث/۲۶۵۶،ص/۱۰۳۴،دارالمعرفۃ بیروت)

غیر مقلدین کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی اعتراف کیا اور کہا:

بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرعِ تحقیق ان کی کی ہے کیونکہ انہوں نے ان احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھا بدعویٰ نسخ یا بدعوی ضعف اور امثال اس کے۔

(معیار الحق،ص/۱۵۱،بحوالہ فتاوی رضویہ)

''اس کے امثال'' کہہ کر میاں صاحب نے بتا دیا کہ نسخ اور ضعف کے علاوہ بھی ائمہ بعض احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے۔اب اگر کوئی اسی متروک العمل حدیث کو دلیل بنا کر ائمہ کے قول کو رد کرے تو اسے خبط کے سوا اور کیا کہا جائے گا۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور مجتہد امام اس پر عمل نہیں کرتا اس کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں،غیر مجتہد ان وجوہات کو نہ سمجھ کر ائمہ کے قول کا رد ان احادیث کی روشنی میں کرنا چاہے تو علما اسے ہرگز روا نہیں رکھتے۔امام ذہبی علیہ الرحمۃ ایک سوال نقل کر کے جواب میں فرماتے ہیں:

"والأ خذ بالحديث اولىٰ من الأخذ بقول الشافعي و أبي حنيفة.قلت: هذا جيد، لكن بشرط أن يكون قد قال بذلك الحديث امام من نظراء هذين الا مامين مثل

مالك أو سفيان أو الأوزاعی"

''حدیث پر عمل کرنا امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے قول پر عمل کرنے سے بہتر ہے''

اس کا رد کرتے ہوئے امام ذہبی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں یہ عمدہ بات ہے مگر اس شرط پر کہ حدیث پر عمل کا قائل ان دونوں اماموں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہمسر کوئی امام ہو جیسے امام مالک، یا امام سفیان یا امام اوزاعی رحمہم اللہ۔ (سیر اعلام النبلاء،ج/۱۶،ص/۴۰۵،مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ ابن الصلاح کا قول

شیخ ابوعمرو یعنی حافظ ابن الصلاح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''امام شافعی علیہ الرحمۃ نے جو یہ فرمایا کہ''جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے''اس کے ظاہر پر عمل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔لہٰذا کسی فقیہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بطور خود جس حدیث کو حجت سمجھے اس پر عمل شروع کردے''

(المجموع شرح المهذب:ج:۱،ص:۱۰۵،مکتبۃ الارشاد،سعودیہ)

دیکھیے!یہ دونوں جلیل القدر محدثین کیا فرماتے ہیں!محض حدیث پاک کے نام پر ائمہ کے قول کو مسترد کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں اس کے لیے بھی اجتہادی صلاحیتیں درکار ہیں۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

قول امام "لا تكتب كل ماتسمع مني" کا مطلب

ابوزید نے مقلدین کو ورغلانے کے لیے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک قول نقل کیا کہ آپ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسف سے کہا: مجھ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ نہ لیا کرو کیونکہ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے تو کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔''

اور اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ائمہ خطا سے رجوع کر لیتے تھے اور آج بھی ائمہ کے کئی فتوے غلط ہیں لہٰذا مقلدین کو بھی ائمہ کے غلط فتوؤں سے رجوع کر کے حق کی طرف آنا چاہیے۔

ابو زید نے اس میں جو دجل اور تلبیس کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان: ”لا تكتب كل ماتسمع منی “مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو کا مطلب کیا ہے؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ خیال رکھا جائے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ افقہ ہونے کے باوصف مسائل شرعیہ میں بحث و تمحیص، مشورہ اور چھان بین کے بعد انہیں درج اور مرتب کرواتے تھے، چنانچہ علامہ صیمری اور حافظ بغدادی فقہ حنفی کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”كان أصحاب أبی حنيفة يخوضون فی المسئلة فان لم يحضر عافية (ابن يزيد الاودی) قال ابو حنيفة: لا ترفعوا المسئلة حتی يحضر العا فية، فاذا حضر عافية، فان وافقهم قال ابو حنيفة، اثبتوها، وان لم يوافقهم قال أبو حنيفة لا تثبتو ها،“

(تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ص ۲۵۵، دار الغرب الاسلامی)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد فقہی مسائل میں ان سے بحث و مباحثہ کرتے تھے، اگر امام عافیۃ حاضر نہ ہوتے تو امام اعظم فرماتے جب تک عافیہ حاضر نہ ہو مسئلہ پیش نہ کرو! جب امام عافیہ آجاتے اور مسئلہ میں ان سے موافقت کرتے تو امام اعظم فرماتے کہ اب مسئلہ کو درج کر دو اور اگر امام عافیہ ان سے موافقت نہ کرتے تو امام اعظم فرماتے کہ مسئلہ کو کتاب میں درج نہ کرو۔

ملاحظہ کریں! امام اعظم علیہ الرحمۃ استنباط احکام میں کس قدر احتیاط فرماتے۔

ایک فقیہ کے بحث سے رہ جانے پر مسئلہ درج نہ کیا جاتا اور آپ کے تلامذہ فقہ میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے، اسی لیے علامہ سبکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”فقه ابی حنيفة دقيق“

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۹۶، دار احیاء الکتب العربیہ)

یعنی امام ابوحنیفہ کی فقہ بڑی دقیق فقہ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس شوریٰ کے اراکین اپنے وقت میں بڑے بلند پایہ محدث و فقیہ تھے جو اپنی تمام علمی صلاحیتوں کے ساتھ مجلس شوریٰ میں مسائل پر بحث کرتے ، چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اپنی سند سے اسحاق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں:

”كان أصحاب أبی حنيفة الذين يذاكرو نه أبو يوسف، وز فر، و داؤد الطائی ، و اسد بن عمرو، وعافية الاودی والقاسم بن معن، وعلی بن مسهر، و مندل وحبان ابنا علی.“

اصحاب ابوحنیفہ جو ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ کیا کرتے تھے۔وہ یہ ہیں امام ابو یوسف، امام زفر، امام داؤد طائی، امام اسد بن عمرو، امام عافیہ اودی، امام قاسم بن معن، امام علی بن مسہر، امام مندل بن علی اور امام حبان بن علی۔

(تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۲۵۵، دار الغرب الاسلامی)

اس سے واضح ہوا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ ان حضرات سے بحث و تمحیص کے بعد مسائل طے فرماتے، محض اپنی ذاتی رائے کا کسی کو پابند نہیں بناتے۔امام صدر الائمہ لکھتے ہیں:

”فوضع ابو حنيفه رحمه الله مذهبه شوریٰ بينهم، لم يستبد فيه بنفسه دو نهم، اجتهاد امنه فی الدين و مبالغة فی النصيحة لله و رسوله والمو منين، فكان يلقی مسئلة

مسئلة، يقلبهم و يسمع ما عند هم، و يقول ما عنده، و
ينا ظر هم شهرا او اكثر من ذلك حتى يستقر احد
الاقوا ل فيها، ثم يثبتها القاضى ابو يوسف فى
الاصول، حتى اثبت الاصول كلها.“

امام اعظم نے اپنا مذہب ان میں بطور شوریٰ رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا، چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان کرتے، اور ایک ایک مہینہ بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک اس میں مباحثہ کرتے رہتے، یہاں تک کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسف اس کو اصول میں درج کر دیتے، حتیٰ کہ سب اصول انہوں نے منضبط کر دیے۔

(مناقب موفق، جلد/ ۲، ص/ ۱۳۳، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد)

اب اس مقام پر اگر امام ابو یوسف کچھ جلدی کرتے اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کی رائے بغیر تنقیح و تحقیق کے لکھ دیتے یا لکھنا چاہتے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے:

”مجھ سے سنی ہوئی ہر بات مت لکھا کرو کیونکہ اگر میں آج کوئی رائے قائم کرتا ہوں تو کل اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل کی رائے پرسوں ترک کر دیتا ہوں“۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ مجلس شوریٰ میں ایک مسئلہ در پیش ہوا۔

”فخا ضوا فيها ثلاثة أيام بالغداة و العشى “

تو ارکان مجلس تین دن تک صبح و شام اس میں غور و خوض کرتے رہے۔

(مناقب موفق، جلد/ ۲، ص/ ۵۴، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد)

اس طرح بحث و تمحیص کے بعد جو مسائل طے اور حل کیے گئے انکی بڑی تعداد ہے۔

ملّا علی قاری لکھتے ہیں:

”انه وضع ثلاثة آلاف و ثمانين الف مسئلة، منها ثمانية
و ثلاثون الفافى العبادة، و الباقى فى المعاملات“

یعنی امام اعظم نے تراسی ہزار مسائل طے فرمائے ان میں سے اڑتیس ہزار عبادات سے متعلق اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔ (ذیل الجواہر، ج/ ۲، ص/ ۴۷۲)

ان تفصیلات سے امام اعظم علیہ الرحمہ کی مسائل میں احتیاط، بحث و تمحیص اور فقہ کا طریقہ معلوم ہو گیا تو اب امام اعظم کے فرمان ”لاتكتب كل ماتسمع منى “”مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو“ کا مطلب بھی آشکارا ہو گیا کہ یہ بھی بحث و تمحیص سے قبل لکھنے سے منع فرمایا نہ کہ جو مسئلہ جید فقہا و مجتہدین کے کامل غور و خوض کے بعد طے پایا اور صدیوں تک امت کا اس پر عمل رہا، اگر اب کوئی سر پھرا اپونا سے اٹھ کر کہے کہ جیسے اس وقت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی رائے بدلتی تھی ایسے ہی اب میں یہ سمجھا ہوں لہٰذا میری بات پر عمل ہونا چاہیے۔ اب تو عقلا ہی بتائیں کہ ایسے شخص کا مسکن کہاں ہونا چاہیے۔

امام اعظم علیہ الرحمہ کے اس قول کا مطلب نصب الرایۃ کی بحث بعنوان ”طر يقة ابى حنيفة فى التفقه“ کے مطالعہ سے بھی آشکارا ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:

”وقال يحيى بن معين فى ”التار يخ “ و ”العلل“ رواية
الدورى عنه فى . ظاهر ية دمشق: قال ابو نعيم ”الفضل
بن دكين “سمعت زفر يقول :كنا نختلف الى ابى حنيفة
و معنا ابو يوسف، و محمد بن الحسن، فكنا نكتب عنه،
قال زفر: فقال يوماً ابو حنيفة لابى يوسف: ”ويحك يا
يعقوب لا تكتب كل ما تسمع منى، فانى قدار ى الرأى
اليوم، و اتركه غداء، و ارى الرأى غداً، و اتركه فى غده“

انظر کیف کا ن ینھی اصحابه عن تدو ین المسائل، اذا
تعجل احدھم بکتابتھا قبل تمحیصھا کما یجب“

ابونعیم فرماتے ہیں: میں نے امام زفر سے سنا: ہم امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں جایا کرتے اور ہمارے ہمراہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ بھی ہوتے، (امام اعظم جو فرماتے) ہم اسے لکھ لیتے، امام زفر فرماتے ہیں: ایک دن امام اعظم نے امام ابو یوسف سے فرمایا: ”اے یعقوب اللہ تم پر رحم کرے مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو۔ کیونکہ آج میری کوئی رائے ہوتی ہے اور کل میں اسے ترک کر دیتا ہوں اور کل میری کوئی رائے ہوتی ہے تو پرسوں میں اسے ترک کر دیتا ہوں“ غور کرو جب امام اعظم کے اصحاب میں سے کوئی کما حقہ بحث وتمحیص سے پہلے مسئلہ لکھنے میں جلدی کرتا تو آپ انہیں تدوین مسائل سے کس طرح منع فرماتے۔ (نصب الرایہ، طریقۃ ابی حنیفۃ فی التفقیہ، مؤسسۃ الریان، بیروت)

اس تشریح سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) امام اعظم علیہ الرحمہ محض اپنی رائے سے مسائل بیان نہیں کرتے بلکہ فقہائے کرام کے بحث ومباحثہ کے بعد احکام طے ہوتے۔

(۲) کئی کئی روز تک مسئلہ پر گفتگو جاری رہتی۔ پھر کہیں جا کر فیصلہ ہوتا۔

(۳) امام اعظم علیہ الرحمہ کا اپنے شاگرد امام ابو یوسف کو مسئلہ لکھنے سے منع کرنا بحث وتمحیص سے پہلے ہے بعد بحث وتمحیص تو اسے درج کیا ہی جاتا تھا۔

(۴) ایک بات یہ بھی یادرکھی جائے کہ اب مسائل طے ہو چکے ہیں لہٰذا اگر کوئی کہے کہ امام اعظم کے اقوال بدل جائیں گے۔ یہ اس کی فریب دہی کے سوا کچھ نہیں۔

ضمیر صاحب! کہاں مجلس مباحثہ میں بحث سے پہلے لکھنے سے منع کرنا اور کہاں اب کتب مدونہ میں قرار شدہ مسئلہ درج ہونا۔ قبل بحث رائے بدلنے کی وجہ تو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے، مگر صدیوں تک علما کے اس پر عمل کے بعد کیا اب بھی رائے بدلنے کی کوئی سبیل رہ گئی

ہے، یہ فریب دہی نہیں تو اور کیا ہے۔ بحث وتمحیص کے بعد جو مسائل طے ہوئے، امت کے اولیائے کرام، علمائے دین، فقہائے عظام اور محدثین ان پر عمل پیرا رہے، کیا وہ سب غلط احکام پر عمل اور ان کی ترویج واشاعت کرتے رہے۔ کیا اب خواہش نفس کے پیروکار چند غیر مقلدین کو صحیح بات الہام ہوئی ہے؟؟

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب (۶)

اہلِ حدیث کی علما بیزاری

نام نہاد اہلِ حدیث کی علما بیزاری بھی مشہور ہے۔ ان کے چھوٹے بڑے سب ہمہ دانی کے مرض میں مبتلا اور علماے حق کو سب وشتم کرنے یا کمتر جاننے میں پیش پیش ہیں۔ ابو زید نے اس کی لیپا پوتی بھی ضروری سمجھی اور صفائی پیش کرتے ہوئے لکھا:

> اہلِ حدیث کے تقلیدِ شخصی سے احتراز کو بہت سے لوگ علما بیزاری کے مترادف بنا دیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہلِ حدیث ائمہ اربعہ ہی کی تقلید نہیں کرتے تو دوسرے علما کو کیا مانیں گے۔ حالانکہ یہ حقیقت واقعہ کے بالکل برخلاف ہے۔ اہلِ حدیث کسی عالم کی شخصیت یا اس کی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح واجب الاتباع نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود وہ علما کی قدر کرتے ہیں۔ (ص ۴۶)

اس پر کچھ تبصرہ کرنے سے بہتر ہے کہ صرف چند حوالے پیش کر دیے جائیں، جن سے انکشاف ہو جائے گا کہ اہلِ حدیث علما کی کتنی قدر کرتے ہیں اور ابو زید کی بات میں کتنی سچائی ہے؟؟؟

شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی توہین

غیر مقلد حکیم فیض عالم نے اپنی کتاب ''اختلاف امت کا المیہ'' میں ائمہ دین، فقہاے کرام اور اولیاے عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کو سب وشتم کا نشانہ بنایا ہے۔ ایک مقام پر شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہوئے لکھا:

> ''ہندوستان میں اس سلسلہ (نقشبندیہ) کے سب سے بڑے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جن کے مرید خواجہ احمد فاروقی سرہندی تھے، جنھوں نے اپنے لیے مجدد الف ثانی کا خطاب خود تجویز کیا، یا ان کے ''مریدان می پرانند'' کی طرف سے ان کے لیے تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا....... ہمیں آپ کے مکتوبات سے یہ ضرور نظر آتا ہے کہ آپ نے کتاب وسنت کے علی الرغم فقہ حنفی کے فرسودہ نظریات کو پھیلانے کی کوشش کی اور شیعوں کے تصور امامت سے متاثر ہو کر اپنے لیے ایک مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔''

(اختلاف امت کا المیہ ص: ۳۳۵، بحوالہ فرقہ اہل حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> ''حضرت خواجہ صاحب کو مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ کو اکبری دور کے الحاد اور بدعات کا قاطع کہا جاتا ہے، مگر معمولی بصیرت رکھنے والے تاریخ دان بھی جانتے ہیں کہ یہ سراسر اسی قسم کا بہتان حضرت خواجہ کی ذات کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جیسے شیعہ لوگ من گڑھت حدیثیں حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں''

(اختلاف امت کا المیہ ص ۳۳۸، بحوالہ سابق)

مزید رقم طراز ہیں:

> ''ورنہ حقیقت یہ کہ حضرت خواجہ شیعہ سنی عقائد کے الجھے ہوئے تصور امامت کی پیداوار تھے، خود تو ان کی جیسی گزری گزر گئی، مگر جہاں اولاد کے لیے تاج و بادشاہی چھوڑ گئے وہاں مرزا قادیانی جیسے لوگوں کے لیے نبوت کی راہیں بھی ہموار کر گئے''۔

(اختلاف امت کا المیہ ص: ۳۳۹، بحوالہ سابق)

امام بخاری علیہ الرحمۃ کی شان میں بے باکی

واقعہ افک سے متعلق امام بخاری علیہ الرحمۃ کی احادیث کی تردید کرتے ہوئے غیر مقلد حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

''ان محدثین، ان شارحینِ حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے، لیکن اس دینی و تحقیقی جرأت کے فقدان نے ہزاروں ایسے پیدا کیے اور پیدا ہوتے رہیں گے، ہمارے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لاریب ہے، خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، انبیائے کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کی فضائے بسیط میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں، کیا یہ امام بخاری کی اس طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔'' (صدیقہ کائنات، ص/۱۰۶، بحوالہ سابق)

حکیم فیض عالم کے نزدیک امام بخاری واقعہ افک کی روایت میں مرفوع القلم ہیں، لکھتے ہیں:

''دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں، داستان گو کی چابک دستی کے سامنے امام بخاری کی احادیث کے متعلق تمام چھان بین دھری کی دھری رہ گئی۔''
(صدیقہ کائنات، ص/۱۰۶، بحوالہ سابق)

یہ غیر مقلدین ہی بتائیں گے کہ جب اس عظیم واقعہ کے بارے میں امام بخاری کی چھان بین دھری کی دھری رہ گئی تو دیگر احادیث کے متعلق امام بخاری کتنے معتبر ہیں؟

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی توہین

حکیم فیض عالم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مذہب حنفی کی ترقی اور ترویج کی وجہ صرف امام ابو یوسف کی شخصیت تھی، موصوف کسی مفلوک الحال اور مجہول النسب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، حالات نے امام ابو حنیفہ کے مدرسہ میں پہنچا دیا، ذہین الطبع تھے اور فکر رسا پایا تھا، جلد ہی امام ابو حنیفہ کی توجہ مبذول کرانے پر قادر ہو گئے مگر تعلیم کے سلسلہ میں تواتر نہ تھا۔

امام صاحب کو ان کی تنگ دستی کا علم ہوا تو تمام ذمہ داری اٹھا کر ان کی تعلیم میں پوری کوشش سے کام لیا، جتنا عرصہ امام صاحب زندہ رہے۔ ابو یوسف کے لیے بس راوی چین لکھتا ہے۔ مگر امام صاحب کے انتقال کے بعد ابو یوسف کے پیٹ کے لالے پڑ گئے، بغداد کے کسی کنارے پر ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کے فرائض سنبھالنے کا موقع مل گیا اور پیٹ کا ایندھن بہم پہنچانے کی نعمت میسر آ گئی۔ آدمی ذہین اور دور اندیش تھے۔ امام صاحب جیسے علامۃ الدہر کے قیاسی معرکے دیکھے ہوئے تھے، امام صاحب کے اثر و رسوخ اور تجارتی لین دین کی وجہ سے حلقۂ شناسائی بھی کافی تھا۔ اب ان کی خوش نصیبی سمجھیے یا امت کے ایک کثیر گروہ کی بدبختی کہ ان ایام میں ہی ہارون الرشید خلیفہ عباسی نے اپنی آنکھوں سے اپنے گھر میں کسی کو زنا کے ارتکاب میں مشغول پایا اور کسی خادم کو کہا کسی فقیہ کو لے آ۔ خادم ابو یوسف کا شناسا تھا وہ ابو یوسف کو لے آیا۔'' (اختلاف امت کا المیہ، ص/۶۸، بحوالہ سابق)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی توہین

حکیم صاحب لکھتے ہیں:

’’غضب بالائے غضب کہ شاہ صاحب جیسے نابغہ عصر اور عبقری دوراں سے بھی اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بلکہ مخبوط الحواسانہ کلمات کا اظہار ہو رہا ہے۔‘‘ (خلافت راشدہ، ص ر ۹۳، بحوالہ سابق)

مؤرخین وسیرت نگاروں کی تنقیص

حکیم فیض عالم نے ارباب تاریخ وسیر کو دشنام طرازی کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا:

’’ہم نے یہاں کسی ابن اسحاق جیسے مسخرے، ابن ہشام جیسے تقیہ باز اور واقدی جیسے کذاب کو گھسنے نہیں دیا۔‘‘

(خلافت راشدہ، ص ر ۷۷، بحوالہ سابق)

امام ترمذی علیہ الرحمۃ پر تنقید

ترمذی شریف کی دو روایتوں پر جرح کرتے ہوئے حکیم فیض عالم نے لکھا:

امام مسلم سے تقریباً ۲۱ ر برس بعد ابو عیسیٰ محمد ترمذی نے یہ وضعی روایات اپنی کتاب میں درج کی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کی وفات کے بعد کسی سبائی ٹیکسٹائل میں انہیں گڑھا گیا ہے۔

(خلافت راشدہ، ص ر ۱۱۸، بحوالہ سابق)

امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی تنقیصِ شان

غیر مقلد مولوی عبدالعزیز ملتانی نے امام طحاوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھا:

آپ امام مزنی کے بھانجے اور شاگرد ہیں، اپنے ماموں سے کسی وجہ

سے ناراض ہو کر حنفی ہو گئے، پھر کیا تھا حنفی مذہب کی حمایت اور تائید میں ایک مستقل کتاب بنام ’’معانی الاثار‘‘ لکھ ماری، جس میں ضعیف حدیثوں کی تصحیح اور صحاح کی تضعیف کر کے احناف کی رضاجوئی حاصل کی۔ (فیصلہ رفع یدین، ص ر ۱۰، بحوالہ سابق)

اکابرین امت کے بارے میں اہلِ حدیث کی گستاخی اور بدزبانی کا انداز آپ نے ملاحظہ کیا۔

اب ضمیر صاحب بتائیں کہ علمائے کرام حفظہم اللہ کی شان میں نام نہاد اہلِ حدیث کس قدر بے باکی کے ساتھ اول فول بکتے ہیں، یہ حقیقت واقعہ کے بالکل برخلاف ہے یا عین حقیقت واقعہ ہے؟ شاید یہی سب کلمات لغت اہلِ حدیث میں کسی کی تعریف کے لیے آتے ہوں گے!!!

ہوش مند طبقہ بخوبی جانتا ہے کہ اہلِ حدیث نے علما بےزاری کا جو ماحول بپا کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ حدیث کے عوام بھی اپنے آپ کو اکابر امت سے برتر سمجھتے ہیں اور ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہم کو جتنی حدیثیں یاد ہیں اتنی تو حنفی علما کو بھی یاد نہیں۔

غیر مقلدین کے امام ومجدد نواب صدیق حسن خان غیر مقلدین کی یاوہ گوئی اور بدکلامی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس زمانے کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے رد وقدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن وتشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدبختی اور صریح گمراہی ہے، چند بدنام لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے منہ کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں (ونعوذ باللہ من الخذلان) اگر کوئی متبع کسی امام یا عالم پر بالتعین طعن وقدح کرتا ہے تو وہ مغتاب ہے، اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے، جب آحاد امت کی غیبت کرنا حرام ہے تو پھر جو ائمہ وعلمائے آخرت ہیں، جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے

تو اس کا لعن وطعن اسی مغتاب پر عود کرتا ہے۔''   (مآثر صدیقی، ص ر ۲۲۔۲۳)

اہلِ حدیث خواہشِ نفس کے پیروکار

ابوزید نے لکھا:

[بعض لوگوں کو یہ بدگمانی ہے کہ اہلِ حدیث کی دعوت کا مقصد عوام کو علما سے آزاد کر کے خواہش پرستی کے راستے پر ڈالنا ہے......۔ اہلِ حدیث کی دعوت ہرگز یہ نہیں ہے کہ عوام کو علما سے دور کر کے انہیں مجتہد کی گدی پر بیٹھا دیا جائے......۔ اہلِ حدیث کی دعوت یہ ہے کہ لوگوں میں یہ مزاج پیدا ہو کہ وہ مذہبی و مسلکی تعصب سے اوپر اُٹھ کر حق کو تسلیم کرنے والے بنیں، چاہے حق پیش کرنے والا فریق مخالف ہی کیوں نہ ہو۔   (ص ر ۴۷۔۴۸)]

کیا اہلِ حدیث نے عوام کو خواہش پرستی کے راستے پر نہیں ڈالا ہے؟
کیا عوام کو علما سے دور کر کے انہیں مجتہد کی گدی پر نہیں بٹھایا؟
کیا مذہبی و مسلکی تعصب کو ترک کر کے حق قبول کرنے والا بنایا؟

ان سب سوالوں کے جواب میں اگر علمائے اہلِ سنّت کا کلام پیش کیا جائے تو ابوزید پھر وہی غلط فہمی، غلط فہمی، غلط فہمی کی گردان شروع کر دیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ خود علمائے اہلِ حدیث نے اس سلسلہ میں جو کہا ہے اس کا کچھ حصہ پیش کر دیا جائے، کیوں کہ گھر والا جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن نے لکھا:

''یہ (اہلِ حدیث) حدیث پر عمل کرنے کے بجائے زبانی جمع خرچ پر اور سنت کی اتباع کی بجائے شیطانی ہتھکنڈوں پر اکتفا کرتے

ہیں، اور پھر اس کے عین دین ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور وہ اس بات پر خوش ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔ اور یہ ان میں سے ہر ایک کی عادت ہے، امیر ہو یا غریب تندرست ہو یا بیمار۔

میں نے ان کو بار بار آزمایا لیکن میں نے ان میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جسے صالحین کے طریقے پر چلنے کی رغبت ہو، یا وہ اہل ایمان کی سیرت کے مطابق چلتا ہو، بلکہ میں نے ان میں سے ہر ایک کو کمینی دنیا میں منہمک، اور اس کے ردی ساز و سامان میں مستغرق، جاہ و مال کو جمع کرنے والا، حرام و حلال کی تمیز کے بغیر مال کی لالچ رکھنے والا پایا، اسلام کی مٹھاس سے خالی الذہن اور عام مسلمانوں کی نسبت شریر کمینے لوگوں کی طرح سنگ دل پایا''...... ''اور وہ قوم فلاح پائے بھی کیسے جس کا قول فعل کے مخالف ہو، باتیں تو خیر البریہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرتے ہیں لیکن خود شر البریہ ''مخلوق میں سب سے بدتر'' ہیں۔

(الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ، ص ر ۲۴۸، دار الجیل، بیروت)

مولوی عبدالجبار غزنوی نے لکھا:

''ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے، جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباعِ حدیث سے کنارے پر ہیں، جو حدیثیں کہ سلف و خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال و افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں۔

اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں، اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں، حاشا و کلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت نبویہ کے نشان کو گراتے ہیں اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں، اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں، احادیث مرفوعہ کو چھوڑے ہوئے ہیں اور متصل الاسناد آثار کو پھینکے ہوئے ہیں اور ان کے دفع کرنے کے لیے وہ حیلہ کرتے ہیں جن کے لیے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ کسی مومن کا سر اُٹھتا۔''

(فتاویٰ علماے حدیث، جلد ر ۷، ص ر ۸۰، مکتبہ سعیدیہ خانیوال، پاکستان)

محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں لکھا ہے:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب ہو جاتے ہیں جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔''

(اشاعۃ السنۃ نمبر ۴ ر جلد ر ۱۱، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت)

یہ آقایان اہلِ حدیث بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ:

☆ اہلِ حدیث، حدیث پر عمل کے بجائے زبانی جمع خرچ اور سنت کی اتباع کی بجائے شیطانی ہتھکنڈوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

☆ اہلِ حدیث کو بارہا آزمایا لیکن ان میں صالحین کے طریقے پر چلنے کی رغبت اور اہل ایمان کی سیرت کے مطابق عمل کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔

☆ اہلِ حدیث کمینی دنیا میں منہمک، اس کے ردی ساز و سامان میں مستغرق، حلال

و حرام کی تمیز کے بغیر مال کا لالچ رکھنے والے ہیں۔

☆ اہلِ حدیث باتیں تو نبی اکرم ﷺ کی کرتے ہیں، مگر خود مخلوق میں بدترین ہیں۔

☆ اہلِ حدیث ادنیٰ اور کمزور جرح و قدح پر سلف و خلف کے ہاں معمول بہا احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں، صحابہ کے اقوال و افعال کو بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں۔

☆ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اہلِ حدیث کم علمی سے مجتہدِ مطلق اور تارکِ تقلید بنتے ہیں۔

☆ اہلِ حدیث شریعت نبویہ کے نشان کو گرانے والے اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹانے والے ہیں۔

یہ باتیں کسی سنی عالم نے نہیں کہیں۔ ان کے قائلین علماے اہلِ حدیث ہیں۔ اگر حضرات مقلدین میں سے کسی نے یہ سب کہا ہوتا تو مسلکی تعصب کی دُہائی دے کر کنارے کر دیا جاتا، مگر اس کا کیا علاج کہ اس راز درون خانہ کو طشت از بام کرنے والے اہلِ حدیث کے ائمہ اور پیشوا خود ہیں۔

ایک اور انکشاف ملاحظہ کریں کہ اہلِ حدیث کی یہ خواہش پرستی کسی اور سبب سے ہو بلکہ اس کا بڑا سبب ترک تقلید ہی ہے جیسا کہ مولوی حسین بٹالوی غیر مقلدین کے عیوب و نقائص پر تبصرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''........دین داروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔''

(اشاعۃ السنۃ، جلد ر ۱۱، شمارہ ر ۲، ص ر ۵۳)

خواہش پرستی کے چند نمونے

یہ تو اعتراف حقیقت تھا، اب آئیے! اہلِ حدیث کی خواہش نفس کی پیروی کی صرف

چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اگر جماعت اہلِ حدیث میں آزادی اور خواہش پرستی کی بنیاد پر اسلاف اور قرآن وسنت سے گریز کی مکمل داستان رقم کی جائے تو بجائے خود ایک دفتر تیار ہو جائے۔

(۱) صحابہ کرام کے معمول کے خلاف بیس کے بجائے آٹھ رکعت تراویح کو اپنا معمول بنانا آزادی اور خواہش پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) صحابہ کرام کے معمول کے خلاف تین رکعت وتر کے بجائے ایک رکعت پر اکتفا کرنا آرام طلبی کا فسانہ نہیں تو کیا ہے؟

(۳) صحابۂ کرام کے اجماع کے خلاف ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینا، ذہنی آوارگی کا منہ بولتا ثبوت نہیں تو کیا ہے؟

(۴) مال و دولت بچانے کے لیے شرع میں وارد جانور مثل اونٹ، بیل، گائے، بھینس اور بکرے دینے کی جگہ صرف مرغ اور انڈے کی قربانی کا فتوی زر طلبی نہیں تو کیا ہے؟

(۵) اسی زر طلبی کا نتیجہ ہے کہ ایک بکری کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہونے کا فتویٰ دیا اگر چہ گھر میں سو آدمی ہوں۔ (بدور الاہلہ ص؍۲۴۱، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۶) جنبی کے لیے قرآن مجید کو چھونا، اٹھانا اور ہاتھ لگانا جائز قرار دیا۔
(دلیل الطالب ص؍۲۵۲، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت)

(۷) مال تجارت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ (بدور الاہلۃ ص؍۱۰۲، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۸) چاندی اور سونے کے زیورات میں زکوۃ واجب نہیں۔
(بدور الاہلۃ ص؍۱۰۱، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۹) تمام جانوروں اور انسانوں کے خون کو پاک قرار دیا۔
(دلیل الطالب ص؍۲۳۱، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت)

(۱۰) جنبی بغیر غسل کے نماز پڑھ سکتا ہے اگر چہ شہر میں ہو۔
(فتاویٰ حدیثیہ ص؍۱۰۰، بحوالہ سابق)

(۱۱) دادی اور نانی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔
(فقہ محمدیہ ص؍۶۱، اخبار اہلِ حدیث، ۱۱ محرم ۱۳۳۰ھ، بحوالہ سابق)

(۱۲) وطی سے حج فاسد نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔
(بدور الاہلہ ص؍۱۴۱، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۱۳) اگر کسی نے اپنی ساس سے جماع کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی۔
(نزل الابرار، ج۲، ص:۲۸، سعید المطابع، بنارس)

(۱۴) جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جائیں، تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی چاہے نہ پڑھے اور ایسے دنوں میں زید جو نماز جمعہ ادا نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔
(فتاویٰ نذیریہ، ج؍۱، ص؍۵۷۳، اہل حدیث اکیڈمی، لاہور)

(۱۵) چوہا کھانا حرام نہیں۔ (نزل الابرار، ج؍۳، ص؍۸۲، سعید المطابع، بنارس)

یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں فرقۂ اہلِ حدیث کے شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی لکھتے ہیں:

فی جملہ کتاب نہایت مفید ہے۔
(فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ، ج؍۱، ۹۳۴، بحوالہ عقائد علمائے اہلِ حدیث)

(۱۶) حشرات الارض، سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑے وغیرہ سب حلال ہیں۔
(کنز الحقائق ص؍۱۸۶، مطبع شوکت الاسلام، بنگلور)

(۱۷) کتے کا پیشاب بھی پاک ہے۔
(ہدیۃ المہدی ص؍۸۷، جلد؍۳، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت)

(۱۸) خنزیر پاک ہے۔ (کنز الحقائق ص؍۱۳، مطبع شوکت الاسلام، بنگلور)

(۱۹) شراب پاک ہے، شراب کا حرام ہونا ثابت ہے، ناپاک ہونا ثابت نہیں۔
(بدور الاہلہ ص؍۲۰، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۲۰) خنزیر کا خون پاک ہے۔

(عرف الجادی، ص؍۱۰، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۲۱) مردار پاک ہے۔ (عرف الجادی، ص؍۱۰، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

(۲۲) خون پاک ہے اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔

(بدور الاہلہ، ص؍۱۸، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

یہ علمائے اہلِ حدیث کی خواہش پرستی کے چند نمونے ہیں۔ کیا ان سب کے باوجود غیر مقلدین کی آزادروی کو سمجھنے کے لیے اور کسی ثبوت کی حاجت رہ جاتی ہے!!

ابو زید نے لکھا:

[اہلِ حدیث کے نزدیک جس طرح علما سے آزاد ہونا گمراہی کا سبب ہے اسی طرح علما کے فتوؤں میں اپنی خواہش کے مطابق فتوے تلاش کر کے ان پر عمل کرنا بھی گمراہی ہے۔ ایسا کرنے والا شخص بظاہر علما کی بات کا پابند دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنے نفس کا غلام ہوتا ہے۔ (ص؍۴۹)]

علمائے کرام کے فتوی سے اپنی خواہش کے مطابق فتوے تلاش کرنا بلاشبہ بہت بڑا جرم ہے اور خواہش نفس کے اسی دروازہ کو بند کرنے کے لیے سلف صالحین نے امام معین کی تقلید کو لازم قرار دیا۔ شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لو جاز اتباع ای مذهب شاء لا فضی الی ان یلتقط رخص المذاهب متبعا هواه....... فعلی هذا یلزمه ان یجتهد فی اختیار مذهب یقلده علی التعیین."

اگر یہ جائز ہو کہ انسان جس مذہب کی چاہے پیروی کرلے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اپنی خواہش نفس کے مطابق مذاہب کی آسان باتوں کو لے گا، اس لیے ہر شخص پر

لازم ہے کہ ایک معین مذہب اختیار کر لے اور اس کی تقلید کرے۔

(المجموع شرح المذہب، ج؍۱، ص؍۹۳، مکتبۃ الارشاد جدہ)

بحمدہ تعالیٰ اہلِ سنّت و جماعت خواہش نفس کو ترک کر کے امام معین کی پیروی اختیار کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کو نفسانی خواہشات زیادہ عزیز ہیں، جس کی وجہ سے تقلید سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور بعض مقامات پر تو تن آسانی کے لیے کسی ضعیف دلیل کو بھی اپنا مذہب بنا لیتے ہیں اور کئی مقامات پر تو بلا کسی دلیل کے محض خواہش نفس کی پیروی ہی ان کا مذہب ہوتی ہے جیسا کہ ماسبق میں اس کی مثالیں گزریں۔

غیر مقلدین کے ایک مولوی ڈاکٹر بہاء الدین نے بالکل سچ بات کہی ہے:

یہ (اہلِ حدیث) وہ لوگ ہیں جو نہ خود کتاب وسنت کا علم رکھتے ہیں نہ اپنے گروہ کے اہل علم کا اتباع کرتے ہیں، کسی سے کوئی حدیث سن کر یا کسی اردو مترجم کتاب میں دیکھ کر نہ صرف اس کے ظاہری معنی کے موافق عمل کرنے پر صبر وا کتفا کرتے ہیں، بلکہ اس میں اپنی خواہش نفس کے موافق استنباط واجتہاد بھی شروع کر دیتے ہیں، جس میں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ (تاریخ اہلِ حدیث، ج:۱ ص؍۱۶۴، مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

قارئین فیصلہ کریں! غیر مقلد مولوی بہاؤالدین اپنی جماعت کے افراد کو خواہش نفس کا پیروکار قرار دیتے ہیں اور ابو زید کہتے ہیں: "بعض لوگوں کو یہ بدگمانی ہے کہ اہلِ حدیث کی دعوت کا مقصد عوام کو علما سے آزاد کر کے خواہش پرستی کے راستے پر ڈالنا ہے۔"

کیا خود غیر مقلدین کو بھی اپنی جماعت کے بارے میں بدگمانی ہے؟؟

گستاخوں سے اختلاف فرض ہے

ابو زید نے اہلِ حدیث کی علما بیزاری کا جواز پیدا کرنے کے لیے عجیب استدلال کرتے ہوئے لکھا:

[ایک مسلک کا ہونے کے باوجود بعض اوقات اسی مسلک سے جڑے دو فرقے کے عالموں میں اتنا سخت اختلاف ہوتا ہے کہ نوبت ایک دوسرے کو گمراہ بلکہ کافر قرار دینے تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ہر فرقہ کے علما اپنے ماننے والوں کو دوسرے فرقے کے علما سے روکتے ہیں۔ اپنے اس طرز عمل کو وہ علما کی ناقدری یا مخالفت قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک علما کی بات تسلیم کرنے کا اصول صرف اپنی جماعت اور گروہ کے علما تک محدود ہوتا ہے۔ (ص/۵۰)]

ضمیر صاحب نے باہم اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کو گمراہ کافر کہنے والے ہم مسلک فرقوں کی مثال بھی دے دی ہوتی تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ خیر سامنے کی ایک مثال یہ ہے کہ اہلِ سنّت و جماعت حنفی المسلک ہونے کے باوجود حنفیت کے دعوے دار دیوبندیوں کی تکفیر کرتے ہیں مگر کیا یہ محض اختلاف کا نتیجہ ہے؟ اور وہ اختلاف بھی معمولی ہے؟ اس حقیقت کو وہی جانے گا جس کے دل میں خدا اور رسول جل وعلا و ﷺ کی سچی محبت کے چراغ روشن ہوں گے۔ کسے نہیں معلوم کہ دیوبندیوں نے اپنی کتابوں میں گستاخانہ باتیں خدا اور رسول جل وعلا و ﷺ کی شان میں لکھی ہیں اور جن کی بنیاد پر علمائے برصغیر اور حرمین نے انہیں کافر قرار دیا اور فرمایا:

”من شك في كفره و عذابه فقد كفر“

بلکہ خود غیر مقلدین نے بھی دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارات پر ان کی تکفیر کی ہے۔

یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ اہلِ حدیث اپنی علما بیزاری کی دلیل میں شان اقدس میں گستاخی کرنے والے دیوبندی علما سے اہل حق کی بیزاری کو دلیل بنالیں۔ کیا آپ کے ہاں گستاخان نبی ﷺ سے دوری اختیار کرنا محض گروہی تعصب ہے؟ اور ایسے علما سے دوری ان کی ناقدری ہے؟

آگے چل کر خود ابوزید نے لکھا ہے:

[کیا ہر اختلاف برا ہوتا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ اختلاف برا ہے جو حق کی مخالفت میں کیا جائے حق سے اختلاف گمراہی ہے۔ لیکن باطل سے اختلاف فرض ہے۔ (ص/۳)]

جب باطل سے اختلاف فرض ہے تو اتنا فیصلہ تو معمولی عقل رکھنے والا بھی کرسکتا ہے کہ دیوبندی یا غیر مقلد شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان سے اختلاف فرض ہوا۔

غیر مقلدین دست بگریباں

اگر لطف بے مزہ نہ ہو تو خود فرقۂ اہلِ حدیث کے علما کے اختلاف اور ایک دوسرے کی تکفیر کی کہانی سن لیجیے!

غیر مقلد مولوی فقیر اللہ مدراسی اپنی جماعت کے بزرگ ترین عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں لکھتا ہے:

”حاصل مرام یہ کہ اس میں شک نہیں کہ ثناء اللہ چوتھا دجال ہے، ہند کے چار دجالوں میں سے۔ اگرچہ تین تو مر کر واصل جہنم والی النار ہوئے مگر یہ چوتھا سب کے قائم مقام ہے بلکہ ان سے بڑھ کر ہے۔ غرضیکہ ثناء اللہ ملحد زندیق و دجال بلا مقال و محدث فی الدین بالیقین ہے۔“ (اہلِ حدیث امرتسری، ۲۶/۳/جون ۱۹۱۶ء)

غیر مقلد مولوی احمد اللہ دہلوی لکھتا ہے:

”شخص مذکورہ حافظ عبداللہ روپڑی مشرک ہے اس سے پرہیز لازم ہے، جو پرہیز نہ کریں گے وہ دوزخی ہے“ (مظالم روپڑی، ص/۴۱)

مولوی عبداللہ دہلوی نے لکھا:

"شخص مذکور (عبداللہ روپڑی) ملحد، بددین ہے اور جو اس شخص کے
ہم خیال ہیں ان سے اجتناب واجب ہے۔" (مظالم روپڑی، ص/۴۹)

مولوی عبداللہ لائل پوری کی سنیے:

"واقعی ایسا شخص (حافظ روپڑی کے عقائد کا حامل) ملحد ہے ایسے
مولوی کی بات کا ہرگز اعتبار نہیں۔ اس سے بائیکاٹ کرنا ضروریات
دین سے ہے، ورنہ ایمان میں خلل ہے"۔ (مظالم روپڑی، ص/۵۰)

مشہور غیر مقلد مولوی محمد صاحب دہلوی نے مولوی عبدالستار دہلوی کے بارے میں
یوں خامہ فرسائی کی:

"عبدالستار دہلوی اپنے کفر میں مکے کے کافروں سے بھی بڑھا ہوا ہے"۔
(اخبار محمدی، ص/ ۱۳، ۱۵ نومبر ۱۹۳۹ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بارے میں غیر مقلدین کا فتویٰ پڑھیے:

"مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اہلِ حدیث سے خارج ہیں"۔
(فتویٰ مولانا شمس الحق آبادی و مولانا ابراہیم سیالکوٹی)

یہ چند حوالے مطالعہ غیر مقلدیت سے لیے گئے ہیں ورنہ یہ کہانی بھی طویل ہے۔

کیا ائمہ حق، احبار و رھبان کے مصداق ہیں؟

ضمیر صاحب نے لکھا:

اگر کوئی شخص علما کی بات اللہ کی وحی کے مقابلہ میں تسلیم کرتا ہو یا علما
کو چیزوں کے حلال و حرام قرار دینے کا اختیار دے دیتا ہو تو یہ انہیں
رب اور معبود کا درجہ دینے کے برابر ہے۔
عدی بن حاتم فرماتے ہیں:
"اتیت رسول اللہ ﷺ وفی عنقی صلیب فقال: یا عدی

الق ھٰذا الوثن من عنقك و انتهیت الیه وهو یقرأ
سورة البراءة حتی اتی علی هذه الایة (اتخذوا احبارهم
ورهبانهم اربابا من دون الله) قال: فقلت: یارسول الله
انالم نتخذهم اربابا قال: بلیٰ، الیس یحلون لکم ماحرم
علیکم فتحلونه ویحرمون علیکم ماحل لکم
فتحرمونه؟ فقلت بلی. قال فتلك عبادتهم" (ص/۵۱)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"یعنی اللہ کی شریعت کے مقابلہ میں علما کی بات تسلیم کرنا شرک ہے
آدمی چاہے انہیں رب اور معبود کا مرتبہ دے یا نہ دے۔ ان کی بات
شریعت کے خلاف ہونے کے باوجود تسلیم کر لینا انہیں شریعت ساز
تسلیم کرنا ہے اور یہی انہیں رب قرار دینا ہے۔"

اس حدیث سے استدلال کر کے تقلید کو مذموم قرار دینا نرا مغالطہ ہے۔

اولا اس لیے کہ "احبار و رھبان" کو "اربابا من دون اللہ" بنانے اور حضرات ائمہ
کرام کی تقلید کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے چنانچہ نہ صرف تفسیر نیشاپوری، تفسیر کبیر،
عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ، تفسیر عزیز، تنویر العینین، تفسیر مظہری وغیرہ میں بلکہ غیر مقلدین
کے شیخ الکل نے اہل کتاب کے اپنے احبار و رھبان کو "اربابا من دون اللہ" بنانے کی تشریح
یوں کی ہے:

قال الربیع قلت لابی العالیه کیف کانت الربوبیة فی
بنی اسرائیل؟ فقال: انهم ربما وجد وافی کتاب الله ما
یخالف قول الاحبار والرهبان، فکان یاخذون باقوالهم
وما کانوا یقبلون حکم الله تعالیٰ. (معیار الحق، ص/۷۸)

حضرت ربیع فرماتے ہیں، میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا: بنی اسرائیل کا علما کو رب ٹھہرانا کیسے تھا؟ انہوں نے کہا کہ اکثر کتاب اللہ میں مسئلہ ان کے علما کے خلاف ہوتا اس میں وہ اپنے علما کے قول کو لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پس پشت ڈال کر اپنے علما کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ یہ ان کی کھلی ہوئی گمراہی تھی، مگر اس سے استدلال کر کے ان ائمہ برحق کی پیروی کو بھی کفر وشرک قرار دینا، جنھوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا استنباط کر کے امت کے سامنے پیش کیا، یہ سراسر مغالطہ ہے۔ ان علما کی طرف رجوع در حقیقت قرآن وحدیث ہی کی طرف رجوع ہے۔

ثانیا: اہل کتاب کا اپنے علما کو ''اربابا من دون اللہ'' بنانا اس طرح ہے کہ وہ ان کو معصوم عن الخطا اور شارع سمجھتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں احبار ورھبان جو پوپ کہلاتے ہیں ان کے بارے میں یہ لکھا ہے:

> پوپ عقائد کے معاملہ میں مقتدر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اسی حجت اور اسی معصومیت کا حامل ہے جو پورے کلیسا کو مجموعی طور سے حاصل ہے۔ چنانچہ پوپ واضع قانون اور قاضی کی حیثیت میں وہ تمام اختیارات رکھتا ہے جو کلیساؤں کی اجماعی کونسل کو حاصل ہیں، چنانچہ پوپ کے اقتدار اعلیٰ کے دو لازمی حقوق ہیں۔ ایک عقائد وغیرہ کے معاملہ میں معصوم عن الخطا ہونا، اور دوسرے تمام اہل عقیدہ پر ہر پہلو سے مکمل قانونی اختیار۔

(ص ر ۲۲۲۔ ۲۲۳، جلد ر ۱۸، مطبوعہ ۱۹۵۰، بحوالہ الکلام المفید)

اسی کتاب میں پوپ کے معصوم عن الخطا ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ رومن کیتھولک چرچ پوپ کی جس معصومیت کا قائل ہے اس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ جب پوپ تمام اہل عقیدہ پر نافذ ہونے والا کوئی ایسا فرمان جاری کرے جو عقائد اخلاقیات سے

متعلق ہو تو وہ غلطی نہیں کرسکتا۔ (جلد ر ۱۲، ص ر ۳۱۸، بحوالہ سابق)

ان حوالوں سے پوپ کی حیثیت واضح ہوئی کہ اہل کتاب اسے حجت اور معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں۔ کیا حضرات مقلدین بھی ائمہ مجتہدین کو معصوم عن الخطا جانتے ہیں؟ اور اس کی اپنی ذات کو حجت سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں!! کوئی بھی مقلد ائمہ کرام کو معصوم عن الخطا نہیں سمجھتا اور نہ ہی قرآن وسنت سے قطع نظر خود ان کی ذات کو حجت جانتا ہے بلکہ یہ حضرات قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا استنباط کر کے امت کو مسائل سے آگاہ کرتے ہیں، اور یہ معصوم عن الخطا نہیں بلکہ مجتہد کی رائے میں خطا بھی ہوسکتی؟ امام ابوبکر رازی ائمہ کرام کے بارے میں اہلِ سنّت کا نظریہ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''والفقھا ء والا مراء یجوز علیھم الغلط والسھو والتبدیل والتغییر و قدا مرنا بطاعتھم وھٰذا یبطل اصل الامامۃ فان شرط الا مامۃ عندھم ان یکون معصو ما لا یجوز علیھم الغلط والخطأ والتبدیل والتغییر.''

(احکام القرآن، جلد ر ۳، ص ر ۱۷۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

فقہائے کرام اور امرا کے حق میں غلطی، سہو اور تبدیل وتغیر کا وقوع ممکن ہے، پھر بھی ہم ان کی اطاعت کے مامور ہیں اور یہ نظریہ (شیعوں کے) نظریہ امامت کے قاعدہ کو باطل کرتا ہے کیونکہ روافض کے نزدیک امامت کی شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو اس سے سہو اور تبدیل وتغیر ممکن نہ ہو۔

ناظرین! غور کریں اہل کتاب کے احبار ورہبان اور ائمہ حق علمائے دین کے مابین بعد المشرقین ہے:

☆ کتاب اللہ کا کوئی مسئلہ ان کے علما کے خلاف ہوتا تو اہل کتاب حکم الٰہی کو چھوڑ کر اپنے علما کی بات کو تسلیم کرتے۔

☆ بنی اسرائیل اپنے علما کو معصوم عن الخطا جانتے تھے۔

☆ وہ اپنے علما کو شارع کا درجہ دیتے۔

☆ رب کے حلال کردہ کو اپنے علما کی بات پر حرام کر لیتے اور اسی طرح اپنے علما کے کہنے پر خدا کے حرام کیے ہوئے کو حلال بنا لیتے تھے۔

یہ تو اہل کتاب کا نظریہ اپنے احبار و رہبان کے بارے میں ہے۔ مگر اہلِ سنّت و جماعت اپنے علما و ائمہ کو نہ معصوم عن الخطا جانتے ہیں، نہ انہیں شارع کا درجہ دیتے ہیں۔ نہ ان کی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں سمجھ کر اسے تسلیم کرتے ہیں، بلکہ ان نفوس قدسیہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے جن احکامات کو امت تک پہنچایا، انہی پر عمل کو باعث نجات جانتے اور مانتے ہیں۔ اس کے باوجود اہل کتاب اور ان کے احبار و رہبان کی گمراہی کو حضرات مقلدین پر چسپاں کرنا اور دلیل کے طور پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی روایت کو پیش کرنا، یہ کسی ڈھیٹ بے شرم کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

ایک اہم فتویٰ!

ابھی حال ہی میں مرکزی ادارہ برائے امور مسجد حرام و مسجد نبوی، مملکت سعودیہ عربیہ کے سربراہ کی حیثیت سے امام الحرمین محمد بن عبد اللہ السبیل نے ایک فتوی پاکستان کے ڈاکٹر عدنان کے سوال کے جواب میں جاری کیا ہے۔ اسے سیکرٹریٹ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اہتمام سے جاری کیا گیا ہے اس سوال اور جواب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

(السوال التاسع) هل تنطبق الاية الكريمة (اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله) على تقليد الائمة الاربعة أبي حنيفة و مالك و شافعي واحمد؟

(الجواب التاسع) المقصود بالاية انهم جعلوا أحبارهم كأرباب حيث اطاعوهم في كل شئ و قد روى الترمذي

عن عدی بن حاتم قال: أتیت النبی ﷺ وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یا عدی اطرح عنك هذا الوثن وسمعته یقرأ فی سورة براءة (اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسیح ابن مریم) التوبة ۳۱. ثم قال اما انهم لم یکونوا یعبدونهم ولکنهم کانوا اذا أحلوا لهم شیئا استحلوه واذا حرموا علیهم شیئا حرموه.

فاین الائمة الاربعة رحمهم الله من هٰؤلاء الاحبار الذین یحلون ما حرم الله ویحرمون ما احل الله، معاذ الله ان یجعل الائمة الاعلام فی منزلة هٰؤلاء الاحبار. وهم الذین بذلوا جهدهم وافنوا اعمارهم فی خدمة الشریعة الاسلامیة. وما وقع بینهم من اختلاف هو بسبب اختلاف اجتهاد اتهم. وهم ما جورون فی ذلك. والقول بان الحکم یشملهم افتراء و بهتان عن جهل عظیم"

سوال نمبر ۹: کیا یہ آیت کریمہ "اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله" ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کی تقلید پر منطبق ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب ۹: آیت سے مقصود یہ ہے کہ انہوں نے اپنے احبار کو ارباب کی طرح بنالیا کیونکہ انہوں نے ان کی ہر چیز میں اطاعت کی، چنانچہ امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ نے فرمایا: اے عدی! اس کو اتار پھینک یہ بت ہے! اور میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے سورہ برأت کی یہ آیت تلاوت کی "اتخذوا

احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح بن مریم " (توبہ ۳۱) پھر فرمایا: خوب سن لو! وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے یہ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام کرتے تو یہ اس کو حرام سمجھتے۔

سو کہاں ائمہ اربعہ اور کہاں وہ احبار جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے تھے۔ اور اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیز کو حرام ٹھہراتے تھے۔ اللہ کی پناہ اس بات سے ائمہ اعلام کو ان احبار جیسا سمجھا جائے! کیونکہ ان ائمہ نے شریعت اسلامیہ کی خدمت میں اپنی پوری قوت صرف کی اور اس میں اپنی زندگیاں لگا دیں۔ ان کے درمیان جو مسائل میں اختلاف ہے وہ درحقیقت اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ہے، ان کا یہ اختلاف باعث اجر ہے۔ اور یہ کہنا کہ مذکورہ بالا آیت ائمہ اربعہ کو بھی شامل ہے **جھوٹ** ہے **بہتان** ہے۔ اس کا سبب **جہالتِ عظیمہ** ہے۔

(ایک اہم فتوی، ص ر۱۶، از امام الحرمین محمد بن عبداللہ السبیل نگراں امور مسجد حرام و مسجد نبوی)

غیر مقلدین کے منہ بولے رب

ابو زید نے ایک گل افشانی یہ بھی کی کہ شریعت کے مقابلہ میں علما کی بات تسلیم کرنا شرک ہے اور یہی علما ان کے رب ہیں۔

ضمیر صاحب! سنیے یہ شرک اور جھوٹے خدا اہلِ سنّت و جماعت میں نہیں بلکہ خود آپ کی جماعت اس شرک میں مبتلا ہے اور کئی رب بنا رکھے ہیں اگر یقین نہیں ہوتا تو دیکھ لیجیے:

ربّ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے:

"فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ"

اس آیت کریمہ میں رب کا حکم ہے کہ دو طلاق دینے کے بعد اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت بغیر حلالہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

حضرت علامہ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کو ایک دم تین طلاق دے یا الگ الگ ہر صورت میں عورت حرام ہو جائے گی (جب تک کہ وہ حلالہ نہ کر لے) جیسے کہ بیوی سے کہا: تجھے تین طلاق ہے، یا طلاق بتہ، اسی پر علما کا اتفاق ہے اور یہ کہنا کہ ایک دم کی تین طلاق میں ایک ہی طلاق پڑتی ہے تو یہ صرف ابن تیمیہ کا قول ہے، جو اپنے کو حنبلی کہتا ہے، اس کے مذہب کا ائمہ نے رد کیا، یہاں تک کہ علما نے فرمایا: ابن تیمیہ گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ (تفسیر صاوی جلد اول)

اہلِ حدیث اللہ کی اس وحی کے مقابلے میں ابن تیمیہ کی بات کو مان کر شرک کرتے ہیں۔

اہلِ حدیث رب کی حرام کردہ عورت کو ابن تیمیہ کے قول پر حلال کر کے شرک کرتے ہیں۔ اہلِ حدیث اللہ کی شریعت کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی بات تسلیم کر کے شرک کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی بات خلاف شریعت ہونے کے باوجود اہلِ حدیث اسے تسلیم کر کے اسے معبود کا درجہ دیتے ہیں اور اسے رب قرار دیتے ہیں۔

ضمیر صاحب: میں نے اپنی طرف سے اہلِ حدیث پر یہاں کوئی حکم نہیں لگایا، خود آپ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہی نقل کیا گیا ہے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہوئی، ورنہ اس کی طویل فہرست ہے کہ اہلِ حدیث شریعت کے خلاف کسی عالم کی بات تسلیم کر کے انہیں معبود قرار دیتے اور منہ بولے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

کیوں! دوسروں کو مشرک قرار دینا اور معبود بنانے کا الزام لگانا کہاں پلٹ آیا! اب ذرا اپنے بیان کردہ اصول کی روشنی میں اہلِ حدیث کا چہرہ دیکھیں تو انکشاف ہو جائے گا کہ اہلِ حدیث کتنے بڑے مشرک ہیں اور کتنے رب بنائے بیٹھے ہیں۔

خود اپنے ہی چہروں کو ذرا غور سے دیکھیں
درپن جو مجھے آج دکھانے میں لگے ہیں

باب (۷)

اہلِ حدیث کا مقصد اُمت میں اختلاف پیدا کرنا ہے!

فرقہ اہلِ حدیث کے وجود میں آنے سے پہلے امت کا بڑا طبقہ اتفاق واتحاد کے ساتھ مذہبی امور پر عمل پیرا تھا، ائمہ اربعہ کے مقلدین بلا کسی افتراق وانتشار کے اپنے امام کے بیان کردہ مسائل کی روشنی میں امور دینی انجام دیتے۔ مگر جب سے انگریز کے منحوس قدم ہندوستان میں آئے اور ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے فارمولے پر عمل کر کے انہوں نے تقلید بیزار طبقہ کو جنم دے کر آگے بڑھایا، اس کے بعد کی تاریخ پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ امن وسکون کی وہ فضا جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہی، قصہ پارینہ ہو کر رہ گئی اور آج تک امت ان زخموں کو چاٹنے پر مجبور ہے۔ ہر گھر اختلاف کا شکار ہے۔ اہل حدیث کے پیدا کردہ اختلاف اور انتشار کے معترف غیر بھی ہیں اور خود ان کی اپنی جماعت کے لوگ بھی۔ مگر ابوزید نے اس حقیقت کو بھی غلط فہمی قرار دیا۔

ایک چمکتی ہوئی شہادت

ہندوستان میں غیر مقلدیت کو مولوی اسماعیل دہلوی نے فروغ دیا اور اہلِ حدیث نے انہیں اپنی نظریاتی شخصیت تسلیم کیا۔ اس بابائے اہلِ حدیث نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے افکار ونظریات کی اشاعت کا آغاز ہی اختلاف وانتشار پھیلانے کے لیے کیا، اس کی شہادت وہابیہ کے مستند عالم عطاء اللہ حنیف بھوپالی نے دی، لکھتے ہیں:

> مولانا (اسماعیل دہلوی) نے تقویۃ الایمان لکھنے کے بعد اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقویت الایمان پیش کی اور فرمایا کہ

> میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی پر عزم جہاد ہے، اس لیے میں کام سے معذور ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا کوئی اس بار کو اُٹھائے گا نہیں، اسی لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے، گو اس سے شورش ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔
>
> (اکمل البیان، ص ر ۱۴)

ناظرین غور کریں! اہلِ حدیث کا امام دورن خانہ اعتراف کرتا ہے کہ میری کتاب کی اشاعت سے شورش ہوگی۔ لڑائی جھگڑا ہوگا۔ کیا یہ کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ اہلِ حدیث کا آغاز ہی انتشار کے لیے ہوا، مگر پھر بھی ابوزید کو اصرار ہے کہ ہماری دعوت کا مقصد اختلاف نہیں ہے۔ آخر اس بات کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ اس فرقہ کی اصل ''نظریاتی شخصیت'' کچھ اور کہہ رہی ہے۔

اسماعیل دہلوی کی سوچ یہ تھی کہ اس نے اگرچہ مسلمانوں کو لڑانے کے لیے جو کتاب لکھی ہے، یہ جھگڑا بعد میں ختم ہو جائے گا اور لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، مگر تقویت الایمان کے مارکیٹ میں آنے پر یہ عیاں ہوا کہ اس پیشوائے غیر مقلدین کی توقع کے بر خلاف امت ایک نہ ختم ہونے والے اختلاف کا شکار ہو گئی۔

دیوبندی مولوی احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

> افسوس ہے کہ اس کتاب (تقویت الایمان) کی وجہ سے مسلمانان ہندو پاک جن کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فیصد حنفی المسلک ہیں، دو گروہ میں بٹ گئے ہیں، ایسے اختلافات کی نظیر

دنیاے اسلام کے کسی خطے میں ایک امام ایک مسلک کے ماننے
والوں میں موجود نہیں ہے۔ (انوارالباری، جلد/۱۱، ص/۱۰۷)

اور شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی لکھتے ہیں:

میں نے تقویت الایمان کا مطالعہ بلا ادنیٰ تعصب اور اعتساف کے کیا
اور افسوس ہوا کہ مولانا اسماعیل کیا لکھ گئے ہیں، چونکہ مولانا کے تذکرہ
نگاران کی جلالت علم پر متفق ہیں، لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے، کہ اللہ کو یہی
منظور تھا، ہندوستان میں مسلمانوں کی یکجہتی اور یک مذہبی تمام
(ختم) ہو اور نوسو سالہ اسلامی مملکت کا خاتمہ ہو، چنانچہ تیس سال کی
مدت میں صدہا سال کی تمام نعمت ہاتھ سے نکل گئی۔

(مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان، ص/۱۳۔۱۴، شیر ربانی پبلی کیشنز، لاہور)

اب ضمیر صاحب ہی انصاف سے کہیں! اہلِ حدیث کی نظریاتی شخصیت نے
مسلمانوں کو لڑانے اور اختلاف پیدا کرنے کے لیے کتاب لکھی اور اس کی اشاعت پر
مسلمان ایسے اختلاف کا شکار ہوئے جس کی نظیر دنیاے اسلام میں نہیں ملتی اور جس سے
مسلمانوں کی یکجہتی کا خاتمہ اور نوسو سالہ اقتدار کا زوال ہوا۔ اس تناظر میں اگر یہ کہا جائے کہ
اہلحدیث کی دعوت کا مقصد ہی اختلاف ہے تو اس میں کیا غلط ہے اور کیا غلط فہمی ہے؟

اس واضح حقیقت کو غلط فہمی قرار دینا یا تو خود فریبی ہے یا ابوزید کی غلط فہمی۔ لگتا ہے کہ
اہلِ حدیث کا وطیرہ یہی ہے کہ۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق بات چیت کا
بنتی نہیں ہے خلق کو دھوکہ دیے بغیر

خلفاے راشدین سے انحراف کی کہانی

ضمیر صاحب نے لکھا:

اختلاف امت کے وقت نجات اتباعِ سنت میں ہے، نبی ﷺ
نے بعد کے دور میں امت میں پیدا ہونے والے اختلاف کی پہلے ہی
خبر دے دی تھی۔ آپ نے اس وقت یہ نہیں کہا کہ ہر شخص اپنی بات
پر باقی رہ کر اتحاد قائم رکھے، بلکہ اختلاف امت کے اس دور میں
آپ نے اپنے اور اپنے ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی راہ اپنا
نے کی تاکید کی تھی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من یعش منکم بعد ی فسیری اختلافاکثیر افعلیکم
بسنتی و سنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بهاو
عضوا عليها بالنواجذ واياكم و محدثات الا مور فان
كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.

تم میں سے جو میرے بعد جیے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو
(ایسے دور میں) تمہارے لیے میری اور میرے ہدایت یافتہ
خلفاے راشدین کی سنت (کی اتباع) لازم ہے۔ اسے مضبوطی
سے تھام لو بلکہ اپنے داڑھ کے دانتوں سے پکڑے رہو۔ اور خبردار
(دین میں نکالی گئی) نئی نئی چیزوں سے بچتے رہنا کیونکہ (ایسی) ہر نئی
چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہ ہے۔ (ص/۴۵)

ضمیر صاحب! غور کریں اور انصاف کریں، جب حضور اکرم ﷺ نے امت
کے اختلاف کی خبر پہلے ہی دے دی تھی اور اختلاف امت کے اس دور میں اپنی اور اپنے
ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی راہ اپنانے کی تاکید کی تھی تو پوری دیانت داری اور جذبہ
حق کی فراوانی کے ساتھ بتائیں کہ اہلِ حدیث خلفاے راشدین کے طریقے سے روگردانی

کیوں کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کے خلفاے راشدین سے انحراف کی کہانی طویل ہے۔مسئلۂ تراویح، مسئلۂ وتر، مسئلۂ طلاق ثلاثہ، مسئلۂ قربانی اور دیگر کئی مسائل میں غیر مقلدین نے خلفاے راشدین مہدیین کی پیروی اور اتباع کے بجائے خواہش نفس کو اپنا امام بنایا، ان سب کا اعادہ کرنا بے سود ہے، مگر خلفاے راشدین کی اس قدر صریح مخالفت کے باوجود ان کی پیروی اور اتباع کا وظیفہ پڑھنا عجب چیستاں ہے۔

نام نہاد اہلِ حدیث نے نہ صرف خلفاے راشدین کی پیروی سے روگردانی کی ہے بلکہ ان با برکت ہستیوں کی پیروی کو بڑے بھونڈے انداز میں بیان کیا، چنانچہ غیر مقلد مولوی عبدالمبین جونا گڑھی لکھتا ہے:

مسئلہ طلاق میں ہم اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کی طرف لوٹیں گے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کی طرف۔ جب تقابل ہوا اور آپ یہ کہیں کہ سنت محمدی کو چھوڑ کر سنت عمری کی طرف لوٹیں گے تو یہ کفر ہے۔

(حدیث خیر و بشر، ص ر ۱۴۵، بحوالہ ازالہ فریب)

ناظرین باوقار اس دریدہ دہنی کو بغور پڑھیے! ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے روگردانی ہے تو دوسری طرف یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ رسول اکرم ﷺ کے طریقہ کے علاوہ ہے اور دونوں باہم متقابل ہے۔ معاذ اللہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مومن یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ سنت محمدی ﷺ کے علاوہ کوئی اور طریقہ اپنائیں گے، کیا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنت کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے والے کو راشد اور مہدی فرمایا ہے؟ اس حقیقت کو غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان نے بھی بیان کیا، لکھتے ہیں:

"ان ماسنه الخلفاء الراشدون من بعد فالاخذبه ليس

الا لا مره ﷺ بالا خذبه فالعمل بماسنوه والا قتداء بما فعلوه هو لا مره ﷺ لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدين والا قتداء بابي بكر وعمر."

(الدین الخالص، ص ر ۴۳۵-۴۳۶، مطبع احمدی، ہند)

ترجمہ: یعنی حضور اکرم ﷺ کے بعد جو امور خلفاے راشدین نے جاری کیے ان کی ان امور میں پیروی اور اقتدا صرف اس لیے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہی ان حضرات کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے اور بالخصوص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کا حکم دیا۔

خلفاے راشدین پر مخالفت شرع کا الزام

خلفاے راشدین جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے راشد اور مہدی فرمایا، غیر مقلدین کا نظریہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر شرعی احکام کے خلاف دوسرے احکام جاری کر دیتے تھے، چنانچہ جامعہ سلفیہ بنارس کے رئیس احمد سلفی نے لکھا ہے:

اپنی ذاتی مصلحت بینی کی بنیاد پر بعض خلفاے راشدین بعض احکام شرعیہ کے خلاف بخیال خویش اصلاح و مصلحت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے، ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفا کی باتوں کو عام امت نے رد کر دیا۔ (تنویر الآفاق، ص ر ۱۰۷، صہیب اکیڈمی، پاک)

یہ لیجیے! غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ خلفاے راشدین احکام شرع کے خلاف احکام صادر کر دیتے تھے، پھر کیونکر یہ لوگ ان حضرات کی پیروی کریں گے، مگر لوگوں کو پھنسانے کے لیے غوغہ کرتے ہیں کہ خلفاے کرام کی پیروی باعث نجات ہے اگر اتنا بھی نہ کہیں تو عوام ان کے قریب کیوں جائیں۔

ایک مقام پر مشہور غیر مقلد مولوی محمد جونا گڑھی لکھتا ہے:

بہت سے صاف صاف موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان میں غلطی کی ہے اور ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے کہ فی الواقع ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروق اعظم بے خبر تھے۔

(طریق محمدی، ص/ ۴۱، بحوالہ فتنہ اہل حدیث)

جامعہ سلفیہ کے استاذ رئیس احمد سلفی نے لکھا:

موصوف عمر نے باعتراف خویش (طلاق کے) قرآنی حکم میں ترمیم کر دی، اس قرآنی حکم میں موصوف نے یہ ترمیم کی، تین قرار پانے لگیں۔

(تنویر الآفاق، ص/ ۴۹۸، بحوالہ سابق)

پھر لکھا:

ظاہر ہے کہ نصوص کے خلاف ان دونوں جلیل القدر صحابہ (حضرت عمر وحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما) کے موقف کو لائحہ عمل اور حجت شرعیہ کے طور پر دلیل راہ نہیں بنایا جا سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ چوں کہ بطریق معتبر ثابت ہے کہ ان دونوں جلیل القدر صحابہ نے نصوص شرعیہ کے خلاف موقف مذکور اختیار کر لیا تھا، اس لیے صرف ان دونوں صحابہ کو نصوص کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔

(تنویر الآفاق، ص/ ۸۷۔۸۸، صہیب اکیڈمی، پاک)

معاذ اللہ! یہ ہیں غیر مقلدین کے نظریات، خلفاے راشدین کے بارے میں کہ:

☆ خلفاے راشدین ذاتی مصلحت کی بنیاد پر خلاف شرع احکام صادر کر دیتے تھے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کی طرف لوٹنا کفر ہے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف موٹے موٹے مسائل میں غلطی کی۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسائل کے دلائل سے بے خبر تھے۔

☆ انہوں نے قرآنی حکم میں ترمیم کی اور نصوص کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔

الاماں والحفیظ!!! خلفاے راشدین کی پیروی کا دَم بھرنے والے نام نہاد اہلِ حدیث کے ان افکار ونظریات کو پڑھیے اور ان کے اصل چہروں کو پہچانیے، خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انہیں دلی بغض اور قلبی بیر ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب"

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

(ترمذی، باب مناقب ابی حفص، حدیث/ ۳۶۹۵، ص/ ۸۴۰، دار الکتب العلمیہ)

نیز فرمایا:

"ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبه"

اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جاری کر دیا ہے۔

(ترمذی۔ باب مناقب ابی حفص، حدیث/ ۳۶۹۱، ص/ ۸۳۹، دار الکتب العلمیہ)

ایک بات اور! آخر یہ غیر مقلدین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر مخالفت کیوں کرتے ہیں! اس کی دیگر وجوہات کے ساتھ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آقاے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یاابن الخطاب! والذی نفسی بیده مالقیك الشیطان سالکا فجا قَطُّ الا سلك فجا غیر فجك"

(بخاری فضائل الصحابہ، باب مناقب عمر، حدیث/ ۳۶۸۳، ص/ ۴۶۰، دار الکوثر قاہرہ)

اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے جس راستہ پر بھی شیطان تم سے ملے گا تو وہ اپنا راستہ بدل لے گا۔

جب غیب دان نبی نے انکشاف کر دیا کہ حضرت عمر کے راستہ پر شیطان نہیں چل

سکتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا راستہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے، مجلس واحد میں تین طلاق تین ہی ہوگی ایک نہیں ہوگی۔ یوں ہی عورتوں کو مسجد سے روکنا اور دیگر مسائل، یہ سب طریق عمر رضی اللہ عنہ ہے اور غیر مقلد اس راستہ کو اختیار نہیں کرتے۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے:

"اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جس راستے پر چلتے ہو۔ شیطان اس راستے پر نہیں چلتا"۔

کیا اس فرمان نبوی ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستے سے انحراف کرنے والوں کا حال نہیں کھلتا۔

کبھی فرصت سے سن لینا
بڑی ہے داستاں میری

باب (۸)

اہلِ حدیث اجماع کو نہیں مانتے!

غیر مقلدین نے کئی اجماعی مسائل سے انحراف کر کے امت میں انتشار پیدا کیا۔ جب ان کی اس آزادروی پر مواخذہ ہوتا ہے تو بات ٹالنے کو اجماع کے حجت ہونے کا اعتراف تو کر لیتے ہیں مگر اپنے مخالفِ اجماع عمل کو ترک نہیں کرتے۔ ابوزید نے وہی اعتراف بے اعتبار کرتے ہوئے لکھا:

[اہلِ حدیث کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اہلِ حدیث امت کے اجماع کو نہیں مانتے......حقیقت یہ ہے کہ کتاب وسنت کے بعد خود اجماع بھی اہلِ حدیث کے نزدیک دلیل اور حجت شرعیہ ہے......اہلِ حدیث کے نزدیک اجماع امت خود ایک دلیل ہے۔ (ص/۵۸۔۵۹)]

ابوزید کے ان اعترافات کی حقیقت جاننے کے لیے اکابر اہلِ حدیث کے اقوال ونظریات دیکھ لیجیے۔ خود ہی واضح ہو جائے گا کہ اہلِ حدیث اجماع امت کو نہیں مانتے اور نہ ان کے نزدیک وہ دلیل وحجت شرعیہ ہے اور اجماع کی وہ نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی مخالفت کرتے اور مکمل طور سے اس سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ علماے اہلِ حدیث کی چند عبارات پیش خدمت ہیں ملاحظہ کریں:

نواب نورالحسن بن نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"دین اسلام اور ملت خیرالانام کے دلائل صرف دو چیزوں میں منحصر

ہیں، کتاب عزیز اور سنت مطہرہ۔''

(عرف الجادی من جنان ہدی الہادی، ص ر ۳ فارسی، مطبع شاہجہانی)

پھر اجماع کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اجماع کی کوئی حقیقت نہیں۔'' (عرف الجادی، ص ر ۳، فارسی، مطبع شاہجہانی)

دوسرے مقام پر لکھا:

''ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اجماع کی جو ہیبت بیٹھی ہوئی ہے اسے ختم کیا جائے۔ پھر لکھا: اس لیے کہ سچی بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے۔'' (عرف الجادی، ص ر ۳، فارسی، مطبع شاہجہانی)

اور لکھا:

''جس اجماع کا وقوع وثبوت ممکن ہے ہمیں اس کا حجت شرعیہ ہونا تسلیم نہیں۔'' (عرف الجادی، ص ر ۷، مطبع شاہجہانی)

ناظرین کرام! دیکھا آپ نے، کس دیدہ دلیری کے ساتھ اجماع کو ممنوع، بے حقیقت اور غیر مسلم قرار دے کر دلوں سے اس کی قدر و منزلت نکالنے کا عزم کیا جا رہا ہے۔

غیر مقلدین کی اس گمراہی کو مشہور اہلِ حدیث عالم نواب وحید الزمان بیان کرتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماع کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی۔''

(لغات الحدیث، جلد ر ۲، ص ر ۹۱، بحوالہ فرقہ اہلحدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ)

حجیتِ اجماع کا انکار

اجماع کا حجت ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے اس کی حجیت پر دلائل واضحہ موجود ہیں، اور غیر مقلدین اجماع کو حجت نہیں مانتے اور ان کے پاس ان دلائل کا کوئی

جواب نہیں ہے، اس لیے ابو زید نے از راہ فریب اجماع کے ثبوت پر ایک آیت اور حدیث پیش کی، تا کہ جواب دہی سے بچ جائیں۔ مگر اجماع کے بارے میں غیر مقلدین کا اصل موقف کیا ہے؟ اسے بیان کرتے ہوئے غیر مقلد حافظ عبد المنان نور پوری نے یہ انکشاف کیا:

اجماعِ صحابہ اور اجماعِ ائمہ مجتہدین کا دین میں حجت ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ (مکالمات نور پوری، ص ر ۸۵)

اب عوام اہلِ حدیث حیران ہوں گے کہ کیا صحیح، کیا غلط؟ ابو زید نے اجماع کے حجت ہونے پر قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کیا اور دوسرا غیر مقلد عالم اس کے قرآن و حدیث سے ثابت ہونے کا انکار کرتا ہے۔

درحقیقت یہ غیر مقلدین کی دوغلی پالیسی ہے کہ جہاں ضرورت پڑی اس کے ثبوت کا اقرار کر لیا ورنہ ان کا اصل موقف یہی ہے کہ اجماع حجت نہیں ہے جیسا کہ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور ان کا عمل اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

غیر مقلدین کا اجماع سے فرار

اہلِ حدیث بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں اور اجماع سے انحراف کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے، لہٰذا اس سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک تیسرا راستہ نکالا، وہ یہ ہے کہ اجماع کی حجیت کا اقرار کر لینے کے بعد جن مسائل پر اجماع ہوا ہے انہیں اجماعی ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، تا کہ اجماع کے انکار کا الزام بھی سر نہ آئے اور اجماعی مسائل سے انحراف بھی کر سکیں چنانچہ ابو زید نے لکھا:

بعض اجماع کے دعوے محض دعوے ہی ہوتے ہیں، جب واقعی تحقیق کی جاتی ہے تو خود سلف میں اس سلسلہ میں اختلاف نکل آتا ہے

> ......حقیقت یہ ہے کہ بہت سے بولنے والے اور لکھنے والے بعض مسائل میں اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں لیکن جب واقعی تحقیق کی جاتی ہے تو ان مسائل میں اہل علم کا اختلاف موجود ہوتا ہے۔ بعض حضرات کا بعض مختلف فیہ مسائل میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے محض اجماع کا دعویٰ کر دینا مکڑی کے جالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ (ص/۵۸۔۶۱)

نام نہاد اہلِ حدیث جن مسائل اجماعیہ سے انحراف کرتے ہیں ان کا جائزہ لے لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اہلِ سنّت کا دعویٰ اجماع محض دعویٰ ہی ہے یا حقیقت میں وہ مسائل اجماعی ہیں۔

چند اجماعی مسائل پیش خدمت ہیں:

اجماع سے فرار کی پہلی مثال

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ شراب پاک ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

گدھوں اور شراب کے حرام ہونے سے کہ جس پر قرآن وحدیث دلالت کر رہے ہیں ان کا ناپاک ہونا لازم نہیں آتا۔ ان کے ناپاک ہونے کی دوسری دلیل ضروری ہے ورنہ متفق علیہ اصول یعنی طہارت پر باقی رہیں گے۔

(الروضۃ الندیہ، جلد/۱، ص/۸۸، مکتبۃ الکوثر، ریاض، عربی)

نواب نور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

شراب کو حرام ہونے کی وجہ سے ناپاک کہنا بے دلیل ہے۔

(عرف الجادی، ص/۲۳۷، تلخیص ادلہ)

نواب وحید الزماں خان لکھتے ہیں:

منی پاک ہے اور ایسے ہی شراب بھی پاک ہے۔

(نزل الابرار، ج/۱، ص/۴۹، مطبع سعید المطابع، بنارس)

یہ تو غیر مقلدین کا مسلک ہے، جب کہ شراب کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ قاضی القضاۃ علامہ صدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن متقی شافعی کی تالیف ”رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ“ میں مذکور ہے: اجمع الائمۃ علی نجاسۃ الخمر الا ماحکی عن داؤد انہ قال بطھارتھا مع تحریمھا.

(رحمۃ الامۃ، ص/۱۷، المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ)

شراب کے حرام ہونے پر تمام ائمہ کرام کا اجماع ہے البتہ داؤد ظاہری سے منقول ہے کہ وہ شراب کو حرام سمجھتے ہوئے پاک کہتے ہیں۔

اس اجماعی مسئلہ سے بھی غیر مقلدین نے راہ فرار اختیار کی اور امت مسلمہ سے الگ اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنائی۔

اجماع سے فرار کی دوسری مثال

بیس رکعت تراویح ایک اجماعی مسئلہ ہے، پورے عالم اسلام میں بیس رکعت تراویح پڑھی پڑھائی جاتی رہی، عہد فاروقی سے تیرھوی صدی ہجری کے اخیر تک جمہور بیس رکعات تراویح پر عامل رہے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب کے سب بیس رکعت تراویح پڑھتے پڑھاتے رہے۔

حضرت محمد بن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یزید ابن رومان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان المبارک میں

بیس رکعات پڑھائے اور یہ اجماع کی مانند ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج:۲،ص ر ۶۰۴، دار عالم الکتب، عربی)

حضرت علامہ قسطلانی شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو ہوا اس کو فقہانے اجماع کی طرح شمار کیا۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج ر ۲، ص ر ۵۱۵)

حضرت ملّا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

"اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة"

صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں۔

(مرقات المفاتیح، ج ر ۳، ص ر ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں کہ اس اجماع کی بنا پر جو حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ حضرت امام ابو حنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور علما نے یہ مسلک اپنایا ہے (کہ تراویح بیس رکعات ہے) اسی کو علامہ ابن عبد البر نے اختیار کیا ہے۔" (اتحاف السادۃ المتقین، ج ر ۳، ص ر ۴۱۴، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت)

غیر مقلدین نے امت کے اس اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے آٹھ رکعات پڑھنا سنت قرار دیا۔

حکیم صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں:

"یہ بات مہر نیم روز کی طرح واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پاک تو آٹھ رکعت تراویح ہی ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا سنت نہیں۔"

(صلوۃ الرسول، ص ر ۳۸۵، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی)

غیر مقلد ڈاکٹر محمد بشیر لکھتے ہیں:

"ہمارے جن علماء نے آٹھ سے زیادہ کو بدعت کہا ہے وہ ان لوگوں کی

تراویح کو کہا گیا ہے جو آٹھ سے زیادہ سنت رسول ﷺ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔" (الجانبان، ص ر ۱۶، تلخیص ادلہ)

اجماع سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے خطۂ پنجاب میں سب سے پہلے تراویح آٹھ ہونے کا فتویٰ مولوی محمد حسین بٹالوی نے دیا۔ مولوی عبد المجید سوہدری نے اس حقیقت کو بیان کیا:

"لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی (مولوی محمد حسین بٹالوی) سے ہوئی"۔ (سیرت ثنائی، ص ر ۴۵۲)

مولوی محمد حسین بٹالوی کے فتویٰ کا ردخود ان کی جماعت کے ایک عالم مولانا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ گوجرانوالہ نے ۱۲۹۰ھ میں لکھا اور ۱۲۹۱ھ میں چھپا، جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ شرقاً غرباً پورے عالم میں ۲۰ رکعت تراویح ہی ہوتی رہیں اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

بلکہ غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر کالاجماع"

(عون الباری لادلۃ البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، ج ر ۲، ص ر ۸۶۱، دار الرشید، حلب سوریا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کرام جو بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے علمائے کرام نے اس کو اجماع صحابہ قرار دیا ہے۔

ابو زید اس اجماع کے انکار پر کیا کہیں گے جب کہ بابائے اہلِ حدیث نواب صاحب اس اجماع کا ذکر کر رہے ہیں۔

اجماع سے فرار کی تیسری مثال

غیر مقلدین مسئلہ طلاق میں بھی اجماع کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق رہا کہ تین طلاقیں

ایک لفظ سے دی جائیں یا الگ الگ، ایک مجلس میں ہوں یا مختلف مجالس میں؛ اس سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں مگر یہ کہ عورت غیر مدخول بہا میں تفصیل ہے۔

امام نووی شافعی فرماتے ہیں:

"فقال الشافعی و مالك و ابو حنيفة و احمد و جما هير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث."

(شرح مسلم للنووی، ج/۱۰، ص/۷۰، دار احیاء التراث العربی)

امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رضی اللہ عنہم اور جمہور علماے سلف و خلف نے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

"فالراجح اِيقاع الثلاث للا جماع الذی انعقد فی عهد عمر رضی الله عنه علیٰ ذلك ولا يحفظ أن احدا فی عهد عمر خالفه" (فتح الباری کتاب الطلاق، جلد/۹، ص/۲۷۸، ریاض)

راجح یہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی، اس اجماع کی بنا پر جو حضرت عمر کے زمانے میں منعقد ہوا اور کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔

اُمت کے اس اجماعی موقف سے سب سے پہلے ابن تیمیہ نے انحراف کیا۔ ابن تیمیہ کے اس تفرد میں اس کے اپنوں نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا، صرف ابن قیم نے اس کی بھرپور حمایت کی، نتیجتاً دونوں سزاؤں سے دوچار ہوئے۔ پھر کئی صدیوں تک کوئی ان کے موقف کی حمایت کرنے والا نہیں ہوا۔

چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور عالم مولوی شرف الدین دہلوی نے خود اپنی جماعت کا رَد کرتے ہوئے لکھا:

محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت

میں بھی کلام کیا ہے، یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک سلف صالحین و تابعین و محدثین سے تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا ثابت نہیں، ومن ادعی فعليه البيان ببرهان و دونه خرط القتاد......

ملاحظہ ہو صحیح بخاری، مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ و شرح امام نووی، فتح الباری، و تفسیر ابن کثیر، و تفسیر ابن جریر و کتاب الاعتبار للامام الحازمی فی بیان الناسخ و المنسوخ من الاثار۔ اس میں امام حازمی نے ابن عباس کی مسلم کی اس حدیث کو منسوخ بتایا اور تفسیر ابن کثیر میں بھی "الطلاق مرتان الاية" کے تحت ابن عباس سے جو صحیح مسلم کی حدیث تین طلاق کے ایک ہونے کا راوی ہے دوسری حدیث کی نقل کی ہے۔ جو سنن ابو داؤد میں "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" بسند خود نقل کی ہے "عن ابن عباس قال: ان الرجل کان اذا طلق امراته فهواحق برجعتهاوان طلقها ثلثا فنسخ ذلك فقال الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان" اھ

(عون المعبود، ج/۲، ص/۲۳۵، بحوالہ مطالعہ غیر مقلدیت، ج/۱، ص/۱۵۷)

مولوی شرف الدین دہلوی آگے لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد میں محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہ،

تابعین وتبع تابعین، ائمہ محدثین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال بعد کے محدثین متقدمین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتوی کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتوی شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا، تو اس وقت کے علماے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔''

(فتاویٰ ثنائیہ، ج:۲، ص/۲۱۹، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور)

ساتویں صدی میں ابن تیمیہ نے اجماع سے انحراف کیا، مگر بعد کی صدیوں میں بھی کسی نے اس کی موافقت نہ کی۔ ہندوستان میں اس کی پیروی سب سے پہلے غیر مقلدین نے کی اور مولوی عبدالرحمن مبارک پوری، مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی نے ابن تیمیہ کی تقلید شخصی اختیار کی، جس کا رد خود غیر مقلدین کی طرف سے ہوا جیسا کہ مذکور ہوا۔ آج غیر مقلدین اس اجماع سے آنکھیں موند کر اپنے اکابر کی اس تقلید شخصی کی ڈگر پر چل رہے ہیں، انہیں یہ اجماع بھی محض دعویٰ ہی نظر آتا ہے۔ سچ کہا ہے۔

ع آنکھیں اگر موندی ہو تو پھر دن بھی رات ہے۔

اجماع سے فرار کی چوتھی مثال

نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں بالاجماع منسوخ ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں:

"قال ابن عبد البر : وانعقد الاجماع بعد ذلك على اربع، و اجمع الفقهاء واهل الفتویٰ بالامصار على اربع، على ما جاء فی الاحادیث الصحاح وما سوی ذلك عندهم شذوذ، ولا یلتفت الیه، قال : ولا نعلم احدامن فقهاء الامصار بخمس الا ابن ابی لیلیٰ اھ"

(المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، جلد/۷، ص/۲۳۔۲۴، المطبعۃ المصریہ بالازہر، قاہرہ)

ابن عبدالبر نے کہا کہ اس کے بعد چار پر اجماع منعقد ہوا، فقہا اور اہل فتویٰ نے احادیث صحیحہ کے مطابق چار تکبیروں پر اجماع کیا، اور ان کے نزدیک اس کے علاوہ جو کچھ ہے شاذ ونادر ہے، اس کی طرف التفات نہ کیا جائے، فقہا میں سے ہم کسی کو نہیں جانتے جو پانچ تکبیر کا قائل ہو، سوائے ابن ابی لیلیٰ کے۔

سبب اجماع بیان کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں:

قال القاضی : اختلف الاثار فی ذلك فجاء فی روایة ابن ابی خیثمة ان النبی ﷺ كان یكبر اربعا و خمسا و ستاو سبعا و ثمانیا حتی مات النجاشی فكبر علیه اربعا. وثبت علیٰ ذلك حتی توفی ﷺ.

(المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، جلد/۷، ص/۲۳، المطبعۃ المصریہ بالازہر، قاہرہ)

قاضی عیاض نے کہا: اس بارے میں حدیثیں مختلف ہیں۔ ابن ابی خیثمہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ (مختلف اوقات میں) چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ تکبیریں کہا کرتے تھے یہاں تک کہ نجاشی کا انتقال ہوا تو اس پر چار تکبیریں کہیں اور اسی پر آپ ثابت رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کا آخری عمل یہی تھا کہ چار تکبیریں کہیں۔ لہٰذا یہ ماقبل کے لیے ناسخ ہے اور اجماع چار تکبیروں پر ہے۔

علامہ ابن عبدالبر قاضی عیاض اور امام نووی یہاں جو اجماع نقل کر رہے ہیں، اہلِ حدیث کے ہاں یہ مکڑی کے جالے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اسی لیے اس سے مکمل راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا مسلم اجماع

فتاویٰ علماے اہلِ حدیث جلد/۲، ص/۱۲۰ پر ہے:

’’فاتحہ خلف الامام فرض ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں۔‘‘

میاں نذیر حسین کے برادرزادے اور شاگرد مولانا عبدالحفیظ لکھتے ہیں:

’’فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔‘‘

(فتاویٰ نذیریہ، جلد ۱، ص ۳۹۸، اہلحدیث اکیڈمی، لاہور)

اس فتوی پر نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگردوں کے دستخط ہیں۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

میں سورہ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں، ازروے قرآن وحدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ ثنائیہ، جلد ۱، ص ۵۵۵، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور)

ان چند حوالوں سے واضح ہوا کہ غیر مقلدین مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو فرض سمجھتے ہیں اور نہ پڑھنے والے کی نماز ناقص و باطل قرار دیتے ہیں خواہ امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو یا آہستہ آواز سے، جب کہ قرآن وحدیث آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنا چاہیے۔ خلفاے راشدین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

غیر مقلدین کے معتمد ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے کہ آیت ’’واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون‘‘ نماز کے بارے میں نازل ہوئی، نیز اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔

(فتاویٰ کبریٰ، جلد ۲، ص ۱۳۴، دارالکتب العلمیہ)

اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

جو لوگ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف وخلف ہیں، اور ان کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ہے، اور جو لوگ مقتدی کے لیے قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تنوع العبادات، ص ۸۶، بحوالہ احسن الکلام، ص ۱۶۵)

اس اجماع کو خود امام اہلِ حدیث ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے، کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ اجماع کا دعویٰ محض دعویٰ ہے اور اجماع کا دعویٰ مکڑی کے جالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

قرآن وحدیث، آثار صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ مجتہدین کے برخلاف غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قرأت فرض وواجب ہے، چاہے امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو یا آہستہ آواز سے، یہ سراسر اجماع کی مخالفت ہے۔

اجماعی مسائل سے غیر مقلدین کے فرار کی داستان دراز ہے۔ یہاں صرف وہ چند مثالیں پیش کی گئیں، جن پر اجماع نقل کرنے والوں میں علامہ صدرالدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن دمشقی شافعی، علامہ قسطلانی شافعی، حضرت ملّا علی قاری حنفی، علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی، علامہ امام نووی، علامہ ابن حجر، علامہ ابن عبد البر، علامہ قاضی عیاض، جیسی جلیل القدر عظیم المرتبت ہستیاں ہیں، نیز غیر مقلدین کے مسلمہ اکابر میں سے ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی شامل ہیں۔ اس کے باوجود غیر مقلدین ان اجماعی مسائل سے انحراف کر کے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ بناتے ہیں اور مزید فریب کاری یہ ہے کہ ان مسائل اجماعیہ کو محض دعوی بلا دلیل اور مکڑی کے جالے کی طرح بے حیثیت قرار دیتے ہیں۔

آنکھیں اگر بند ہیں پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

ایک اور غلط استدلال

ابوزید نے مسائل اجماعیہ کے انکار پر سیدنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے غلط استدلال کیا کہ امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”من ادعی الاجماع فھو کذب لعل الناس قد اختلفوا“
جو اجماع کا دعوی کرے اس نے جھوٹ بات کہی کیونکہ بہت ممکن ہے (اس معاملہ میں) لوگوں میں اختلاف ہوا ہو۔ (ص/۶۰)

امام احمد علیہ الرحمۃ کے اس قول کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر کسی بھی امر اجماعی کے انکار کا دروازہ کھولنا خواہش نفس کی پیروی کے سوا اور کیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اختلاف کا امکان مدنظر رکھ کر اجماعی مسائل کا انکار کر دے اور یہی سب کچھ آج کل غیر مقلدین کر رہے ہیں۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ، امام احمد علیہ الرحمۃ کے اس قول کا صحیح مفہوم ”فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت“ سے نقل فرماتے ہیں:

......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ (جو کسی امر دینی پر اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے) اور اس سے مراد موجودہ وقت میں نئے اجماع کے ظہور کا دعویٰ ہے۔
(فتاویٰ رضویہ، جلد/۸، ص/۲۱۰، سنی دارالاشاعت، مبارکپور)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ آج کسی نئے اجماع شرعی کا دعویٰ محل نظر ہے، مگر ابوزید نے اسے کہاں سے کہاں لے جا کر ملا دیا اور مجتہدین کے مقدس ادوار میں ہونے والے اجماع کے انکار پر اس سے استدلال کر بیٹھے۔ آج غیر مقلدین جن اجماعی مسائل کا انکار کرتے ہیں کیا ان پر اجماع ابھی ماضی قریب میں واقع ہوا ہے؟

کچھ بھی تو جی میں سوچیے انصاف کیجیے
زنگ کجی سے شیشۂ دل صاف کیجیے

باب (۹)

غیر مقلدین اور تکفیر مسلمین

ضمیر صاحب نے لکھا:

بعض اعمال کے بارے میں بعض لوگ جب اہلِ حدیث سے سنتے ہیں کہ ایسا اور ایسا کرنا کفر یا شرک ہے تو فوراً سمجھتے ہیں کہ اہلِ حدیث ان اعمال کے مرتکب ہر شخص کو کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ (ص/۷۲)

اہلِ حدیث کی تکفیری مہم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اس کا انکار ٹھیک دوپہر میں سورج کے انکار کے مترادف ہے۔ مگر ابوزید نے اپنی جماعت کے دامن سے ان بدنما داغوں کو دھلنے کے لیے عجب شوشہ نکالا کہ اہلِ حدیث اپنی تکفیری مشین سے کفر و شرک کے فتوؤں کی برسات تو کرتے ہیں مگر مسلمانوں کو کافر و مشرک نہیں قرار دیتے۔ پھر تکفیر کی سنگینی پر حدیث نقل کر دی۔ اس طرح حدیث پاک کے نام پر عوام کو تو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے اور بنایا جا رہا ہے، مگر اس حقیقت کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ غیر مقلدین نے مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے بھی داغے ہیں اور صاف صاف لفظوں میں انہیں کافر و مشرک بھی قرار دیا ہے۔

ذیل میں اہلِ حدیث کی تکفیری مہم کے چند نقوش اجاگر کیے جاتے ہیں۔

تمام مسلمانوں کی تکفیر

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک

پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی، جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وفات پا جائے گا، زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے، پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی۔ اہلِ حدیث کے پیشوا اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں بحوالہ مشکوۃ یہ حدیث نقل کرکے اس کا ترجمہ کیا:

''پھر آپ ہی ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا ایمان بھی ہوگا مرجاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے جن کے دل میں کچھ بھلائی نہیں۔''

(تقویۃ الایمان، ص ر ۶۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

حدیث پاک میں اس ہوا کے بارے میں یہ تفصیلات موجود ہیں کہ خروج دجال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ ہوا چلے گی۔ مگر اس کے باوجود تکفیر مسلمین کے شوق میں سب نشانیوں کو نظر انداز کرکے صاف طور پر لکھ دیا:

''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا'' (تقویۃ الایمان، ص ر ۶۴، مکتبہ نعیمیہ، مئو)

ناظرین کرام غور کریں! اہلِ حدیث کے پیشوا نے سارے مسلمانوں کو کافر، بت پرست بنانے کی خاطر ختم دنیا کی حدیث اپنے زمانہ موجودہ پر فٹ کردی۔ اور یہ نہ دیکھا کہ جب وہ ہوا چل چکی اور دنیا میں کوئی مسلمان باقی نہ رہا تو یہ خود اور اس کے ماننے والے بھی اس میں داخل ہوئے اور اقراری کافر قرار پائے۔

اسی لیے علامہ سید شریف احمد زینی دحلان مکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الدرر السنیہ فی الردعلی الوھابیۃ'' میں اس فرقہ وہابیہ (اہلِ حدیث) کے بارے میں یہ تصریح فرمائی:

''ھو لاء الملحدۃ المکفرۃ للمسلمین''

یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے۔ (ص ر ۴۲، مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول)

یارسول اللہ کہنے والوں کو مشرک قرار دیا

مشہور امام اہلِ حدیث اسماعیل غزنوی نے تحفۂ وہابیہ میں لکھا ہے:

''جو کوئی یارسول اللہ (صلعم) یا، یا ابن عباس یا یا عبدالقادر جیلانی یا اور کسی بزرگ مخلوق کو پکارے یا اس کی دہائی دے۔ اس پکارنے سے اس کا مدعا دفع شر یا طلب خیر ہو، یا ایسے امور میں امداد حاصل کرنا ہو، جو خدا کے سوا کسی اور کے اختیار میں نہیں ہیں مثلاً کسی بیمار کا تندرست کرنا، یا دشمن پر فتح حاصل کرنا، یا کسی دکھ سے محفوظ رہنا وغیرہ تو ایسے امور میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے امداد طلب کرنا شرک ہے، جو لوگ ایسا کریں وہ مشرک ہیں۔ شرک اکبر کے مرتکب ہیں۔ اگر چہ ان کا عقیدہ یہی ہو کہ فاعل حقیقی فقط رب العزت ہے، اور ان صالحین سے دعا کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ ان کی سفارش سے مراد برآئے گی۔ گویا یہ ایک واسطہ ہیں۔ یعنی ان کا فعل بہر حال شرک ہے، اور ایسے لوگوں کا خون بہانا جائز ہے، اور ان کے اموال کا لوٹ لینا مباح ہے۔ (تحفۂ وہابیہ، ص ر ۵۹، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

دیکھیے! مسلمانوں کو نہ صرف مشرک قرار دیا بلکہ کفار و مرتدین کے احکام جاری کرتے ہوئے ان کا خون بہانا جائز اور ان کے اموال لوٹنا مباح ٹھہرایا۔ یہاں یہ دھوکہ نہیں دے سکتے کہ صرف فعل شرک ہے، مرتکب مشرک نہیں ہے۔

ایک اور غیر مقلد کے تکفیری تیور دیکھیے:

ظاہر ہے کہ ''یا اللہ'' کہنا عبادت ہے تو ''یارسول اللہ'' کہنا بھی عبادت ہوئی۔ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہوئی، یہ عبادت رسول اللہ ﷺ کی

ہوئی، لا الہ الا اللہ بتلاتا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو اس حق کو دوسرے کو دینے والا یقیناً مشرک ہوا۔

(مشکوٰۃ محمدی، ص ر ۸۴، مکتبہ محمدیہ، ساہیوال)

اور اگر کوئی مسلمان کہے یا رسول اللہ! میں آپ سے طالب شفاعت ہوں تو اس پر غیر مقلدین کی معتبر کتاب تحفہ وہابیہ کا فتوی ملاحظہ ہو:

اگر کوئی حق نہ ماننے والا اور راستی قبول نہ کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ تم جو قطعی طور پر کہتے ہو کہ جو کوئی یوں کہے: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں تو وہ شخص مشرک ہوگا اور اس کا خون مباح ہوگا۔ ایسے لوگوں کو ہم کافر کہتے ہیں۔ (تحفہ وہابیہ، ص ر ۲۸)

دیکھا ضمیر صاحب! غیر مقلدین کو مکفر مسلمین کہنا الزام نہیں حقیقت ہے، کروڑوں مسلمان جو یا رسول اللہ کہتے اور نبی ﷺ سے طالب شفاعت ہوتے اور استعانت کرتے ہیں، غیر مقلدین کے نزدیک وہ سب کافر و مشرک ہیں ان کا خون بہانا جائز اور مال لوٹنا مباح ہے۔

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ ''لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً'' کی تفسیر میں فرمایا:

''تم رسول اللہ ﷺ کو نام اور کنیت سے نہ پکارو۔ یا محمد، یا ابا القاسم نہ کہو بلکہ تمام تر تعظیم و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا رحمۃ للعلمین سے خطاب کرو''۔

(تفسیر صاوی، ج:۳، ص:۲۵۸، مکتبۃ عامرۃ شرقیۃ، مصر)

یعنی کہ سلف صالحین کے یہاں جو حکم شرع ہے، وہی غیر مقلدین کے نزدیک شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک۔ (معاذ اللہ)

اہل اللہ سے استغاثہ کرنے والے مشرک ہیں (نعوذ باللہ)

فتاویٰ اللجنۃ میں ہے:

''نبی ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد قضائے حاجات و کشف کرب میں آپ کو پکارنا خواہ قبر کے پاس یا اس سے دور، نیز آپ سے مدد چاہنا شرک اکبر ہے۔ انسان ان امور کی وجہ سے مذہب اسلام سے نکل جاتا ہے''۔ (ج ر ۱، ص ر ۳۱۵، دار المؤید، ریاض)

فتاویٰ ابن العثیمین میں ہے:

''اگر ان لوگوں سے استغاثہ مقصود ہو تو یہ شرک اکبر ہے، ایسا شخص اسلام سے خارج ہے۔'' (ج ر ۲، ص ر ۱۶۳، دار الوطن للنشر، ریاض)

غیر مقلد عمر فاروق سلفی لکھتا ہے:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نبی، ولی، بزرگ اور قبروالوں کو داتا گنج بخش اور غریب نواز سمجھنے والا شخص مشرک ہے۔

(شرک کیا ہے، ص ر ۲۰، بحوالہ فتنہ اہلحدیث)

مولوی سلیمان بن سحمان نجدی کی کتاب ''الھدیۃ السنیۃ'' کا اردو ترجمہ ''تحفہ وہابیہ'' کے نام سے چھپا، اس میں یہ عقیدہ لکھا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے۔ اور حضور ﷺ سے شفاعت کا سوال کرنا بھی شرک ہے اور کہنے والوں کو قتل کرنا جائز ہے۔ (تحفۂ وہابیہ، ص ر ۵۹، ۶۰، بحوالہ بدمذہبوں کی گستاخیاں)

اگر صرف شرک پر بات پوری ہو جاتی تو غیر مقلدین کو موقع مل جاتا کہ فعل شرک ہے مگر فاعل مشرک نہیں ہے، لہٰذا ان کے قتل کا فتوی جاری کر کے ان مسلمانوں کے مشرک ہونے پر مہر کر دی۔

اب ذرا امام الوھابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ ملاحظہ کریں!

"من توسل بالنبی ﷺ فقد کفر"

نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

(الدرر السنیۃ، ص/۴۲، مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول)

ضمیر صاحب! آپ کو معلوم ہے دنیا کے کروڑوں خوش عقیدہ مسلمان اولیاے کرام کو بعطاے الٰہی مشکل کشا، دستگیر، داتا گنج بخش اور غریب نواز سمجھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں عطا کی قوت دی ہے اور اہلِ حدیث ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

درود تاج پڑھنے والوں کو مشرک قرار دیا

غیر مقلد جونا گڑھی لکھتا ہے:

دافع البلاء والوباء فقط اللہ ہے، اللہ کے سوا دوسرے کو ایسا ماننے والا مشرک ہے۔ (مشکوٰۃ محمدی، ص/۳۷، مکتبہ محمدیہ، ساہیوال)

دنیا کے کروڑوں مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کو دافع البلاء مانتے ہیں۔ درود تاج میں "دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم" موجود ہے۔ اہلِ سنّت اسے پڑھتے ہیں تو کیا اہلِ حدیث کے نزدیک سب مشرک نہ ہوئے؟۔ آپ کہتے ہیں ہم تو صرف فعل کو شرک قرار دیتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ صرف دھوکہ کی ٹٹی ہے،

اہلِ حدیث کے مسلّم مجتہد قاضی محمد بن علی شوکانی نے لکھا ہے:

"ان من دعی میتا وان کان من الخلفاء الراشدین فھو کافر وان من شك فی کفرہ فھو کافر"۔

بے شک جو کسی مردے کو پکارے خواہ خلفاے راشدین ہی کیوں نہ ہوں، وہ پکارنے والا کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید، ص/۶۱، بحوالہ وہابی مذہب کی حقیقت)

علم غیب نبی ﷺ کا قائل مشرک (نعوذ باللہ)

اہلِ حدیث کے امام میاں نذیر حسین دہلوی نے علم غیب نبی ﷺ کے قائل کو بھی مشرک قرار دیا چنانچہ لکھا:

"علم غیب اور حضوری ہر جا کی مخصوص ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے، سوائے اس کے اور کسی میں خواہ نبی ہو یا ولی یہ وصف حاصل نہیں اور جو اعتقاد ان چیزوں کا ساتھ غیر خدا تعالیٰ کے رکھے وہ مشرک ہے"۔

(فتاوی نذیریہ، ج/۱، ص/۱۰۸، بحوالہ سابق)

مولود و گیارھویں کرنے والے مشرک (نعوذ باللہ)

غیر مقلدین کے امام عبد الستار دہلوی سے نکاح کے بارے میں ایک سوال ہوا، اسے پڑھیے اور تکفیر مسلمین کا نظارہ کیجیے:

"سوال: عنداللہ وعندالرسول نکاح کس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: عورت موحدہ مسلمہ صوم وصلوۃ کی پابند ہو اور خاوند مشرک بدعتی مولود پرست، گیارھویں پرست، تعزیہ پرست وغیرہ وغیرہ یا اس کے برعکس، بس نکاح ٹوٹ گیا۔

"لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن الایۃ"

(فتاوی ستاریہ، ج/۱، ص/۸۷، مکتبہ سعودیہ، کراچی)

ناظرین کرام! ظلم دیکھیے! محفل میلاد نبی ﷺ اور محفل بزرگاں منانے والوں کو مولود پرست، گیارھویں پرست کہا، اور مرد و عورت میں سے کوئی بھی اس مستحسن کام کو کرے تو اسے مشرک قرار دے کر نکاح ٹوٹ جانے کا حکم جڑ دیا۔ دنیا بھر کے کروڑہا اہل

ایمان اس امر مستحسن کو انجام دینے والے بیک جنبش قلم مشرک قرار پائے۔

ائمۂ احناف اور ان کے متبعین کی تکفیر

غیر مقلد ابوالاقبال سلفی لکھتا ہے:

''یہی حال امام ابوحنیفہ کے دوسرے اماموں، علما، فقہا اور آج کے مولویوں عوام وخواص کا ہے، اوپر مذکورہ تمام خوبیاں اور خواص ان میں پائے جاتے ہیں بظاہر اسلام کے سب سے بڑے دعوے دار یہ لوگ ہیں، اور یہ باطن اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہ لوگ ہیں، اگر ان لوگوں کو مسلمان تسلیم کیا جائے گا تو عبداللہ بن ابی کو بھی مسلمان تسلیم کرنا پڑے گا''۔

(اصلی اسلام کیا ہے اور جعلی اسلام کیا ہے؟ ص ر ۴،۶۳، مطبوعہ کرلا ممبئ)

مشہور غیر مقلد مولوی ابوالشکور عبدالقادر حصاروی لکھتا ہے:

''خواص تو جانتے ہیں، عوام کی خاطر کچھ عرض کرتا ہوں کہ مقلدین موجودہ دس وجہوں سے گمراہ اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں، جن سے مناکحت جائز نہیں، وجہ اول یہ ہے کہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے''۔

(سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان، ص ر ۵، بحوالہ الکلام المفید)

اور لکھا:

''حنفیوں کے عقائد و اعمال ذکر کر کے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں''۔ (ص ر ۱۵، بحوالہ سابق)

دنیا بھر میں احناف کی تعداد کئی کروڑ ہے، غیر مقلدین کے نزدیک وہ سب مشرک اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

تمام مقلدین کی تکفیر

غیر مقلد عبدالقادر حصاروی نے تمام غیر اہلِ حدیث کو گمراہ اور جہنمی قرار دیتے ہوئے لکھا:

یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ حق مذہب اہلِ حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں، تو واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں، اور ان سے اختلاط میل جول اور دینی تعلقات نہ رکھیں یعنی باطل مذہب والوں کے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں اور ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوں، ان سے سلام نہ لیں، ان سے مناکحت نہ کریں، نہ ان کو لڑکیاں دیں اور نہ لیں۔ (سیاحۃ الجنان، ص ر ۴، بحوالہ سابق)

اور لکھا:

''سچا فرقہ اور ناجیہ اہلِ حدیث ہے۔ باقی سب فی النار والسقر ہیں، لہٰذا مناکحت فرقۂ ناجیہ کی آپس میں ہونی چاہیے، اہل بدعت سے نہ ہو، تاکہ مخالطت لازم نہ آئے''۔ (سیاحۃ الجنان، ص ر ۲۳، بحوالہ سابق)

غیر مقلد عبدالقادر حصاروی کے بقول اب دنیا میں صرف مٹھی بھر چند غیر مقلدین ہی مومن ہیں۔ اور سب ناری وجہنمی ہیں۔ معاذ اللہ رب العلمین۔

اہلِ حدیث کے خیر خواہ ایک انگریز کا بیان

اہلِ حدیث مولوی محمد حسین بٹالوی نے رپورٹ مردم شماری سے اپنے فرقہ کا نام ''وہابی'' کے بجائے ''اہلِ حدیث'' سے بدلنے کے لیے جس سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب ایچ۔ اے۔ روز کو درخواست دی تھی۔

اور ایچ۔اے، روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کو بھیجی تھی۔اس نے اس فرقہ کے عقاید کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے لکھا:

''اس فرقے کے پیرو دیگر تمام مسلمانوں کو ''مشرک'' کہتے ہیں''۔

''They call the rest of the Muhammedans Mushrik'

(Rose,H,R:A Glossary of the tribes and castes of the Panjab and North west Frontier frovince.Lahore 1978.vol.11.p.8)

(بحوالہ غیر مقلدوں کی انگریز نوازی، ص/۳۶)

یہ اہلِ حدیث کے خیر خواہ ایک انگریز کی شہادت ہے کسی حنفی کا قول نہیں۔اس کے بعد بھی اہلِ حدیث کی تکفیری مہم میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

کویت کے سابق وزیر داخلہ کا پیغام

کویت کے سابق وزیر داخلہ سید یوسف ہاشم رفاعی نے سعودی حکومت میں رہ کر جن باتوں کا مشاہدہ کیا، انہیں خط میں لکھ کر علمائے نجد کے نام ارسال کیا۔اس خط میں تقلید بیزاروں کے حوالے سے کئی اہم انکشافات موجود ہیں، ایک انکشاف یہ ہے کہ دشمنان اسلام نے ان غیر مقلدین کے ذریعہ مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی مہم چلائی ہے۔یہ خط کسی ہندوستانی عالم کا نہیں بلکہ ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز رہ چکے عرب عالم کی تحریر ہے۔ملاحظہ فرمائیں!

''توحید پرستوں پر شرک کی تہمت لگانا، مسلمانوں کی تکفیر کرنا، ائمۂ اربعہ کی تقلید سے روکنا، مخصوص ذہنیت کے حامل مولویوں کو عوام پر مسلط کرنا، حرمین شریفین میں عالم اسلام کے مقتدر علما کو تقریر کی اجازت نہ دینا، سرکاری کارندوں کا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر پر مواجہہ شریف سے پیٹھ پھیر کر بے ادبی سے کھڑے ہونا، مشاہیر

اسلام کی قبروں کو شہید کرنا، توسل، زیارت اور میلاد کے قائلین کو سزائیں دینا، درود وسلام کی کتابوں پر پابندی لگانا، غیر شرعی مجالس پر پابندی نہ لگانا، اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا، مسجد نبوی شریف میں رنگ و روغن کے بہانے نعتیہ اشعار مٹانا، جس شخص نے روضۂ اطہر کی تعمیر کو بدعت کہا، اور اس کو مسجد سے نکالنے کی تجویز دی اس کو اعزاز اور ڈگری دینا، اکابر اہلِ سنّت کی کتابوں میں تحریف اور علمی خیانت کرنا، حضرت خدیجۃ الکبری کے مکان کو گرا کر وہاں بیت الخلا بنانا، ولادت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی جگہ چوپائے باندھنا، چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور بے وقوفوں کو اکابر اہلِ سنّت اور ائمہ اربعہ کے خلاف بولنے کی کھلی چھوٹ دینا، مدینہ منورہ میں یونیورسٹی قائم کر کے طلبہ کے ذہنوں کو منحرف کرنا، اور ان کو والدین کے خلاف صف آرا کرنا اور ان کا اپنے والدین کو **کافر و مشرک** سمجھنا، اولیاء اللہ کو **کافر و مشرک** خیال کرنا، پہلے سے مقرر علمائے اہلِ سنّت کو حرم شریف میں تقریر سے باز رکھنا حتی کہ ڈاکٹر سید محمد بن علوی پر کفر کا فتوی دے کر ان کے قتل کی سازش کرنا وغیرہ وغیرہ''۔

(تقلید، ص/۸۶۔۸۷)

یہ بیان بھی کسی حنفی عالم کا نہیں، غیر مقلدین کا غیر جانبدارانہ جائزہ لینے والے ایک وزیر کا مشاہدہ ہے کہ غیر مقلدین مسلمانوں کی تکفیر کرتے، انہیں مشرک قرار دیتے ہیں۔کیا اب بھی کوئی مقام شک ہے؟

کنبۂ اہلِ حدیث کی شہادتیں

غیر مقلدین کے ان تکفیری فتاوی اور تکفیر مسلمین کی حرکات کا گلہ خود فرقہ اہلِ حدیث

کے علما کر رہے ہیں۔

نواب صدیق حسن نے لکھا:

بخدا یہ امر انتہائی تعجب وتحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موحد گردانتے ہیں اور اپنے ماسویٰ سب مسلمانوں کو مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں۔ (الحطہ، ص/ ۲۴۹، دار الجیل، بیروت)

نواب وحید الزماں خان نے لکھا:

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی...... بعضے عوام اہلِ حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہلِ حدیث کے ہونے کے لیے کافی سمجھا ہے۔ باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ اور افترا سے کچھ باک نہیں کرتے۔ ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پہ لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو **مشرک اور کافر** سمجھتے ہیں، بات بات پر ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں۔

(لغات الحدیث، ج/ ۲، ص/ ۹۱)

وحید الزماں لکھتا ہے:

ہمارے بعض متاخرین (محمد بن عبدالوہاب و اسماعیل دہلوی اہلِ حدیث) بھائیوں نے شرک کے مسئلہ میں تشدد کرکے اسلام کا دائرہ

تنگ کر دیا اور مکروہ وحرام امور کو بھی شرک قرار دے دیا...... اگر ان کی غرض شرک عملی وسد ذرائع نہیں تو وہ غالی ومتشدد فی الدین ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”دین میں غلو نہ کرو“ اور تشدد فی الدین خوارج کی علامت ہے، جو دین سے نکل گئے عہد سے بھی پھر گئے، اور ہم ان امور پر اس لیے تنبیہ کرتے ہیں کہ ہمارے اہلِ حدیث بھائی غلطی کرنے سے بچ جائیں۔

(ہدیۃ المہدی، ج:۱، ص/ ۲۶، سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

قارئین کرام! غیر مقلدین کی تکفیری حرکت کو ابو زید نے محض غلط فہمی کہا ہے لیکن اس کا اعتراف غیر جانبدار افراد بلکہ خود علمائے اہلِ حدیث کر رہے ہیں۔ انگریز ایچ۔ اے۔ روز تو غیر مقلدین کا خیر خواہ ہے۔ اہلِ حدیث نام الاٹ کرانے میں اس کا اہم رول رہا ہے اور کویت کے سابق وزیر خارجہ بھی کوئی سنی حنفی مولوی نہیں ہیں، یہ تو غیر مقلدین کے ساتھ رہ کر ان کے حالات کا جائزہ لیتے رہے ہیں۔ اور نواب صدیق حسن خان تو مجتہد اہلِ حدیث ہیں اور نواب وحید الزماں پر جماعت اہلِ حدیث فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سب بلا خوف لومۃ لائم ڈنکے کی چوٹ پر اہلِ حدیث کو مکفر مسلمین قرار دیتے ہیں اور ایچ۔ اے۔ روز کے علاوہ باقی سب ان کے کفر وشرک کے فتووں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ابو زید کی غفلت یا فریب؟

غیر مقلدین کے نزدیک دنیا کے کروڑوں خوش عقیدہ مسلمان مشرک ٹھہرے اور ان کا قتل جائز اور مال لوٹنا مباح قرار پایا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے کہ جو کھلا ہوا کافر ہے اور جس کی بدتمیزیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں یعنی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین، یہ

غیر مقلدین انہیں نہ صرف احکام دنیویہ میں بلکہ قولاً اور عملاً بھی مسلمان ہی جانتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ابوزید کی غفلت یا فریب دیکھیے! لکھا:

[حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا انکار کر دینا آدمی کو کافر بنا دیتا ہے۔ ایسے شخص کا کفر واضح ہو جانے کے بعد بھی، خصوصاً جب کہ وہ اپنے کفر یہ افکار کو امت مسلمہ میں عام کر رہا ہو، اسے مسلمان قرار دینا دینی غیرت کے ضعف اور امت مسلمہ سے خیر خواہی میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک واضح مثال ہے۔ (ص/۱۷)]

ضمیر صاحب! آپ جماعت غیر مقلدین کی نمائندگی کر رہے ہیں اور بزعم خود ان پر لگائے گئے الزامات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی جماعت کے سرآوردہ لوگوں کے اقوال سے بھرپور مطلع ہونا چاہیے۔

آیئے! ہم سے سنیے کہ آپ کے اکابر کیا گل کھلا گئے ہیں:

مرزائی اسلامی فرقہ ہے

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے:

اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہو تو آخر نقطۂ محمدیت پر جو درجہ ہے والذین معہ کا، اس میں سب شریک ہیں، اس لیے گو ان میں باہم سخت شقاق ہو مگر اس نقطۂ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحما ہونا چاہیے ...... مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں، مگر نقطۂ محمدیت کی وجہ سے میں ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں۔

(اخبار اہلِ حدیث، امرتسر ۱۶/ اپریل ۱۹۱۵ء، بحوالہ فتنۂ اہلِ حدیث)

مولوی عبدالعزیز سیکریٹری جمعیت مرکزیہ اہلِ حدیث ہند لکھتے ہیں:

آپ نے (مولوی ثناء اللہ امرتسری نے) مرزائیوں کو عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا۔

(فیصلہ مکہ، ص/۳۶، جمعیۃ مرکزیۃ، اہل حدیث، لاہور)

مرزائیوں سے نکاح جائز ہے!

اگر قادیانی کافر ہیں تو پھر ان سے نکاح ناجائز ہونا چاہیے مگر مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

”اگر عورت مرزائن ہے تو علما کی رائے ممکن ہے مخالف ہو، میرے ناقص علم میں نکاح جائز ہے“

(اخبار اہلِ حدیث، امرتسر ۲/ نومبر ۱۹۳۴ء، بحوالہ فتنۂ اہلِ حدیث)

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے!

مولوی ثناء اللہ نے لکھا:

”میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے (نماز میں) اقتدا جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی“

(اخبار اہلِ حدیث، ۱۲/ اپریل ۱۹۱۵ء، بحوالہ فتنۂ اہلِ حدیث)

مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح غیر مقلد نے پڑھایا!

تاریخ احمدیت کے مؤلف نے لکھا:

(شادی کی) تاریخ طے پا گئی تو آسمانی دولہا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد قادیانی) دو خدام کی مختصر سی بارات لے کر دلی پہنچے۔ خواجہ میر درد کی مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے گیارہ سو روپے مہر پر نکاح پڑھایا، جو

ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے اور ڈولی پر بیٹھ کر آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقع پر مولوی صاحب کو ایک مصلی اور پانچ روپے بطور ہدیہ دیے۔

(تاریخ احمدیت، ج/۲، ص/۵۶، بحوالہ فتنۂ اہلِ حدیث)

ضمیر صاحب! آپ کے فرقہ کے قدآور لوگ کچھ اور کہہ رہے ہیں اور آپ کچھ اور راگ الاپ رہے ہیں۔ اکابر اہلِ حدیث، مرزائیوں کو دائرۂ اسلام میں داخل اور مسلمان مانتے ہیں اور ان سے نکاح جائز اور ان کے پیچھے نماز میں اقتدا جائز قرار دیتے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ ان کی اقتدا کا جائز ہونا اور نکاح درست ہونا یا تو مسلمان مان کر ہے یا کافر جان کر؟ اگر مسلمان مان کر ہے تب تو یہ ابوزید کے بیان کے خلاف ہے اور کافر سمجھ کر ہے تو یہ بتائیے! کیا اہلِ حدیث کے ہاں کافر سے نکاح جائز ہے؟ اور کافر کو امام بنانا درست ہے؟

چلو! غیر مقلدین کو تھوڑی آزادی اور میسر آئی اور ترک تقلید کی ایک اور برکت سے فیض یاب ہوئے۔ کافر کا ذبیحہ تو پہلے ہی حلال کر چکے۔

وحید الزماں نے لکھا ہے:

”وکذلك ذبیحة الکافر حلال“ اور اسی طرح کافر کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال ہے۔

(نزل الابرار، ص/۸۷، ج/۳، سعید المطابع بنارس)

اور اب کافر سے نکاح کرنا اور نماز میں اسے امام بنانا بھی جائز ہوا۔ شاید آگے چل کر کچھ اور ترقی ہو اور جو مشرک کلمہ گو نہیں ہیں انہیں بھی دنیوی احکام میں رخصت ملے اور غیر مقلدین کی مساجد کے ائمہ رام پرشاد اور لالہ رام جیسے لوگ ہونے لگیں۔

اگر ابوزید اپنی بات کے سچے ہیں کہ قادیانی کو مسلمان قرار دینا دینی غیرت کے

ضعف اور امت مسلمہ سے خیر خواہی میں کوتاہی ہے تو پھر ابوزید کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ
”اکابر اہلِ حدیث میں نہ دینی غیرت ہے اور نہ یہ امت مسلمہ کے خیر خواہ ہیں“

؎ الاماں قہر الٰہی ہے یہ غصہ اس کا
آج قاتل نے اپنا نہ پرایا دیکھا

غیر مقلدین کے بدلتے رنگ

غیر مقلدین تکفیر مسلمین کے سنگین جرم میں مبتلا رہے ہیں اور اپنے اس تکفیری منہج و مسلک کے سبب بدنام بھی۔ جب انھوں نے اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیا تو خواص کے ساتھ عوام بھی ان سے دور ہو گئے۔ اس صورتحال نے انھیں سوچنے پر مجبور کیا اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ لوگوں کو اپنے دام تزویر میں کیسے پھانسا جائے، سب کو تو ہم مشرک کہہ چکے، اب کس طرح عوام کو قریب کیا جائے تو انھوں نے پینترا بدلا اور اپنے اکابر کے تکفیری فتووں کی لیپاپوتی شروع کر دی۔ چنانچہ ابوزید نے ایک جگہ لکھا:

> تکفیر ایک بہت ہی نازک اور ذمہ دارانہ اقدام ہے۔ بعض حالات میں یہ کام ضروری ہو جاتا ہے لیکن یہ اتنا حساس معاملہ ہے کہ اس میں ذاتی رنجش یا لاپراوئی اور جہالت کی بنیاد پر کیا ہوا فیصلہ خود تکفیر کرنے والے کو اللہ کے ہاں مجرم بنا دیتا ہے۔ (ص/۶۸)

جب تکفیر اتنا نازک اور حساس مسئلہ ہے تو دنیا کے کروڑوں خوش عقیدہ مسلمانوں کی تکفیر کس جذبہ کے تحت کی گئی ہے؟

لفظ کافر کی ایک دلچسپ تشریح

اکابر غیر مقلدین کی تکفیری عبارات دو طرح کی ہیں:

(۱) جن میں مسلمانوں کو صراحتاً کافر و مشرک قرار دیا گیا۔

(۲) جن میں مسلمانوں کے اقوال وافعال پر کفر وشرک کا حکم لگایا گیا۔

وہ عبارات جن میں مسلمانوں کو صراحتاً کافر ومشرک قرار دیا گیا ہے، غیر مقلدین نے اس کی دوا یہ کی کہ لفظ کافر کی ایک دلچسپ تشریح گڑھی چنانچہ غیر مقلد مولوی حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ الاقتصاد میں لکھا:

> کافر بمعنی منکر ہے اور یہ لفظ اس معنی کو نسبتی اور ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک فرقہ کو بلحاظ اس مذہب کے جس کا وہ منکر ہو، کافر کہا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان خود اپنے کو دوسرے مذاہب کا کافر بمعنی منکر کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور ان کے اصحاب نے اپنے مخالفوں کو کہا ہے کہ ہم تمہارے کافر یعنی منکر ہیں۔

(الاقتصاد، ص/۹، بحوالہ غیر مقلدین کی ڈائری)

دیکھ رہے ہیں! کس طرح لفظ کافر کا وہ معنی بیان کیا جا رہا ہے جو اردو داں حضرات کے عرف ومحاورہ کے بالکل خلاف ہے اور اس کے پردے میں اپنے کفر کا اعتراف بھی ہو رہا ہے۔

مشرک کی ایک انوکھی تقسیم

لفظ کافر میں ہیرا پھیری کے بعد اب لفظ مشرک کا حال ملاحظہ کریں!

اہلِ حدیث امرتسر ص ۱۲۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء میں غیر مقلد وحید الزماں کا ایک فتویٰ چھپا تھا، جس میں مشرک کی ایک انوکھی تقسیم سامنے آئی۔ وہ یہ ہے:

> ”کلمہ گو مسلمان جو شرک کرے وہ عند اللہ تو مشرک ہی ہوگا مگر احکام دنیویہ میں وہ مسلمانوں ہی کے حکم میں ہوگا لہٰذا اس کا ذبیحہ مثل اس مشرک کے نہ ہوگا جو کلمہ گو نہیں۔“

یہ مشرک کی انوکھی تقسیم ہے اور اس کا حکم اس سے بھی انوکھا ہے!!!

پہلی قسم: کلمہ گو مشرک، جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

دوسری قسم: وہ مشرک جو کلمہ گو نہ ہو، جس کا ذبیحہ حرام ہے۔

ناظرین کرام! لفظ کافر کی اس دلچسپ تشریح اور مشرک کی انوکھی تقسیم سے آپ حیران ہوں گے۔ ویسے حیرانی کا مقام بھی ہے کہ آج تک اس طرح کی گل افشانی کسی نے نہیں کی۔ شاید کافر ومشرک کا یہ البیلا معنی گڑھنے کی وجہ یہی ہو کہ مسلمانوں کی تکفیر پر غیر مقلدین سے جب باز پرس ہو تو بھولے بن کر یہ کہہ سکے کہ ہمارے اکابر مسلمانوں پر کافر ومشرک کے جو فتوے داغے ہیں وہاں کافر سے لغوی معنی مراد ہیں اور مشرک سے کلمہ گو مشرک، جو احکام دنیویہ میں مثل دوسرے مسلمانوں کے ہے۔

یہ ہے وہ چوں چوں کا مربہ، جو غیر مقلدین کی تکفیری فیکٹری سے تیار ہوا۔

حدیث ترمذی سے غلط استدلال کا جواب

اکابر اہلِ حدیث کی وہ عبارات، جن میں جی کھول کر مسلمانوں کے اقوال وافعال پر کفر وشرک کے فتوے لگائے گئے ہیں، ان کا علاج ابو زید نے یہ کیا کہ اہلِ حدیث مسلمانوں کو کافر ومشرک نہیں کہتے بلکہ ان کے اقوال وافعال پر کفر وشرک کے فتوؤں کی مشق کر کے اپنے جذبۂ تکفیر کی تسکین کا سامان کرتے ہیں اور افعال پر حکم شرک سے فاعل مشرک نہیں ہو جاتا، کیونکہ جہالت کے سبب شرکیہ افعال کر کے بھی ایمان ہاتھ سے نہیں جاتا۔ اور جہالت کے عذر ہونے پر ترمذی شریف کی یہ حدیث نقل کی:

> ابو واقد اللیثی فرماتے ہیں: رسول اللہ کے ساتھ ہم حنین کی طرف نکلے اور ہمارا کفر کا زمانہ ابھی قریب ہی تھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ) یہ حضرات فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے، فرماتے ہیں: ہم ایک

پیڑ کے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول، ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی ذات انواط بنا دیجیے جیسا ان (مشرکین) کے لیے ذات انواط ہے، یہ دراصل کفار کا ایک پیڑ تھا جس کے اطراف وہ جمع ہو جایا کرتے اور (جنگ میں غلبہ پانے کے لیے) اپنے ہتھیار اس پر لٹکاتے تھے۔ اسے وہ ذات انواط کے نام سے پکارتے تھے (صحابی کہتے ہیں) جب یہ بات ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تو آپ نے (بے ساختہ) کہا: اللہ اکبر، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تمہاری یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے (موسیٰ سے) کہا تھا (اجعل لنا الٰها کما لهم اٰلهة قال انکم قوم تجهلون) کہ ہمارے لیے ایک ایسا ہی معبود بنا دو جیسے ان (مشرکین) کے لیے معبود ہیں۔ اس پر موسیٰ نے ان سے کہا: تم لوگ یہ بڑی جہالت (کی بات) کر رہے ہو۔ (اس کے بعد اللہ کے نبی نے فرمایا) تم ضرور ان لوگوں کے راستے پر چلو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (ص ۷۰)

اس واقعہ میں غور طلب چیز یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ذات انواط کے مطالبہ کو بنی اسرائیل کے معبودانِ باطلہ کے مطالبہ ہی کے مثل قرار دیا لیکن چونکہ یہ حضرات ابھی نئے اسلام لائے تھے اور بہت سی باتیں نہیں جانتے تھے اس لیے آپ نے انہیں کافر نہیں قرار دیا بلکہ ان کے عمل پر انہیں تنبیہ کر کے واضح کیا کہ ان کا عمل کتنا سنگین ہے۔ (ص ۷۰)

قارئین باوقار! یہ مکمل روایت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، اسے آپ بار بار

پڑھیے اور بتائیے کہ اس روایت میں یہ کہاں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرک کا مطالبہ کیا۔ اس میں صرف اتنا ہے کہ مشرکین کے ہتھیار لٹکانے کا پیڑ ذات انواط تھا صحابہ نے ایسے ہی پیڑ کا مطالبہ کیا، مگر ابوزید نے عظمت صحابہ سے عاری القلب ہو کر درخت کے اس مطالبہ کو مطالبۂ شرک قرار دیا اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”لہٰذا عدم واقفیت کی بنیاد پر کفر کا جملہ کہہ دینے والے کو کافر قرار دینے کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے“

ابوزید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب سے یہ استدلال کیا کہ آپ نے ان کے ذات انواط کے مطالبہ کو بنی اسرائیل کے معبودان باطلہ کے مطالبہ کے مثل قرار دیا لہٰذا جس طرح بنی اسرائیل کا مطالبہ شرک تھا یوں ہی صحابہ کرام کا یہ سوال بھی مطالبۂ شرک تھا اور مطالبۂ شرک بھی شرک ہے مگر چونکہ یہ حضرات ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کافر نہیں قرار دیا، مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قدیم الاسلام ایسا مطالبہ کرتا تو کافر ہو جاتا۔ یہ ابوزید کی خردماغی ہے کہ صحابہ کرام بھی طالب شرک نظر آرہے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطالبہ میں نہ شرک ہے نہ طلب شرک، اور نہ کفر کا کوئی جملہ، یہاں صرف فضول چیز کی تشبیہ مقصود ہے اور دو چیزوں کے درمیان تشبیہ دینے سے من کل الوجوہ مشابہت لازم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ زید شیر کی طرح ہے، اس میں دونوں کے درمیان بہادری میں تشبیہ مقصود ہے نہ یہ کہ شیر کی طرح زید کے لیے بھی دانت، بال اور اعضا وغیرہ ہوں۔ یوں ہی یہاں بھی ان حضرات کا یہ مطالبہ فضول تھا۔ جس کی تشبیہ بنی اسرائیل کے ایک فضول مطالبہ کے ساتھ یہاں مقصود ہے نہ کہ بنی اسرائیل کے مطالبہ کا حکم من کل الوجوہ یہاں بھی ہوا۔ جس کے سبب صحابہ کرام پر یہ الزام

رکھا جائے کہ انہوں نے شرک کا مطالبہ کیا تھا۔ معاذ اللہ!

دو چیزوں کے درمیان تشبیہ کی وضاحت کے لیے یہاں کچھ روایات پیش کی جاتی ہیں تاکہ مطلب خوب واضح ہو جائے۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مدمن الخمر کعابد وثن''

یعنی عادی شرابی بت کے پجاری کی طرح ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج/۱، کتاب الاطعمہ، باب مدمن الخمر، حدیث/ ۳۳۷۵، دار احیاء الکتب العربیہ)

بلا شبہ شراب نوشی کبیرہ گناہ ہے مگر عادی شرابی کو مشرک کوئی نہیں کہتا، جبکہ حدیث پاک میں صاف موجود ہے کہ وہ بت کے پجاری کی طرح ہے تو کیا جس طرح پجاری مشرک ہے اسے بھی مشرک کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ مفہوم حدیث یہ ہے کہ عادی شرابی کے لیے شراب ترک کر دینا اس قدر مشکل ہے جیسے صنم پرست کے لیے بت کی پوجا ترک کر دینا انتہائی مشکل ہے۔

دیکھا آپ نے! یہاں عادی شرابی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صنم پرست سے تشبیہ دی مگر من کل الوجوہ نہیں بلکہ ایک خاص چیز میں اور اس جزوی مشابہت کے سبب کوئی بھی عادی شرابی کو مشرک نہیں کہتا۔ یوں ہی ترمذی کی حدیث میں بھی صحابہ کرام کے مطالبہ کو بنی اسرائیل کے مطالبہ سے تشبیہ صرف فضول سوال میں ہے نہ کہ صحابہ کرام کا یہ سوال شرک تھا۔

اہلِ حدیث کے معتمد و مستند شوکانی صاحب لکھتے ہیں:

''ھذا وعید شدید وتھدید ماعلیہ مزید، لان عابد الوثن اشد الکافرین کفرا، فالتشبیہ لفاعل ھذہ المعصیۃ بفاعل العبادۃ للوثن من اعظم المبالغۃ

والزجر''. (نیل الاوطار، ج/۸، ص/ ۱۹۳، مکتبہ مصطفی البابی مصر)

یہ سخت وعید اور شدید تہدید ہے کیونکہ صنم پرست سخت کافر ہے تو اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو صنم پرست کے ساتھ تشبیہ دینا بہت ہی زجر اور مبالغہ کی قبیل سے ہے۔

(۲) ایک بالکل واضح مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے کہ آپ کا گزر چند لوگوں کے پاس سے ہوا جو شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''ماھٰذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون''

(سنن بیہقی، کتاب الشہادت، حدیث/ ۲۰۹۲۹، ج/ ۱۰، ص/ ۳۵۸، دار الکتب العلمیہ)

ترجمہ: یہ مورتیاں کیا ہیں؟ جن کے آگے تم آسن مارے ہو۔

اس تشبیہ سے یہ نہیں لازم آتا کہ شطرنج کھیلنے اور مورتی کے آگے آسن مارنے دونوں میں ہر طرح کی مشابہت ہو۔ اب کون عاقل کہے گا کہ بنی اسرائیل کا طلب الٰہ کا مطالبہ اور صحابہ کرام کے درخت مانگنے کا مطالبہ ہر طرح یکساں ہے تاکہ دونوں کو شرک قرار دیا جائے جسے بھی بلاغت سے ادنیٰ تعلق ہے وہ اس طرح کی لچر بات ہرگز نہیں کہے گا۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انکم سترون ربکم کما ترون ھٰذا القمر''

(بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ''وجوہ یومئذ ناضرہ''، حدیث ۷۴۳۴، ص/ ۹۰۶، دار الکوثر قاہرہ)

ترجمہ: تم اپنے رب کو واضح طور پر دیکھو گے جیسے چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو۔

ملاحظہ کریں! رب کے دیدار کو شمس و قمر کے نظارہ کی طرح قرار دیا گیا۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ دیدار الٰہی سے چاند و سورج دیکھنے کی کیا مشابہت ہو سکتی ہے! اسی لیے ابن ابی العز فرماتے ہیں:

یہاں رویت کی تشبیہ رویت کے ساتھ ہے نہ کہ چاند و سورج کی تشبیہ

ذات باری کے ساتھ۔

(شرح العقیدہ الطحاویۃ لابن ابی العز۔ج/۱، ص/۲۱۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

جب اس طرح کی تشبیہات شائع وذائع ہیں پھر نہ معلوم ابو زید نے خواہی نخواہی حدیث ذات انواط میں صحابہ کرام کے مطالبہ پر شرک کی مہر کرنے کے لیے ہر طرح کی تشبیہ کیوں مانی؟

(۴) اس کی شہادت خود ابن تیمیہ کے کلام میں موجود ہے کہ یہاں محض ہتھیار لٹکانے کے لیے درخت بنانے میں کفار سے مشابہت ہے نہ کہ بعینہ شرک، چنانچہ ابن تیمیہ نے لکھا:

"ولما كان للمشركين شجرة يعلقون عليها اسلحتهم، ويسمونها ذات انواط، فقال بعض الناس :يارسول الله !اجعل لنا ذات انواط، كما لهم ذات انواط. فقال : "الله اكبرُ، قلتم كما قال قوم موسىٰ: (اجعل لنا الهاكما لهم ألهة) انها السنن لتركبن سنن من كان قبلكم "فانكرالنبى ﷺ مجرد مشابهتهم للكفار فى اتخاذ شجرةيعكفون عليها،معلقين عليهاسلاحهم.كيف بما هوا اعظم من ذلك من مشابهتهم المشركين، اوهو الشرك بعينه"

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ج/۲، ص/۶۴۹، مکتبۃ الرشد الریاض)

یعنی مشرکین کا ایک درخت تھا جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اسے ذات انواط کہتے، تو بعض حضرات نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے لیے بھی ذات انواط بنا دیجیے جیسے ان کے لیے ذات انواط ہے! تو اللہ کے رسول ﷺ نے تکبیر کہی اور کہا: تم نے ایسی

بات کہی جیسی بنی اسرائیل نے کہی کہ ہمارے لیے ایک ایسا معبود بنا دیں جیسے ان کے لیے معبود ہے (پھر فرمایا) تم ضرور اگلوں کے راستوں پر چلو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے درخت بنا کر اس پر آسن جمانے اور اپنے ہتھیار لٹکانے میں کفار کی مشابہت اختیار کرنے کا انکار کیا۔تو جو مشرکین کی اس سے زیادہ مشابہت اختیار کرے یا وہ کام بعینہ شرک ہو اس کے انکار کا عالم کیا ہوگا۔

ابن تیمیہ نے واضح طور پر بتادیا کہ یہاں محض درخت کے مطالبہ میں مشابہت ہے نہ کہ بعنیہ شرک ہے جیسا کہ "فكيف بما هو اعظم من ذلك من مشابهتهم المشركين اوهو الشرك بعينه" کے الفاظ اس پر دلالت کرتے رہے ہیں۔

ارشف ملتقی اہل الحدیث ۳ جلد/۲، ص/۱۱۱ میں ابن تیمیہ کا قول نقل کر کے لکھا ہے:

"يقول عمر بن محمد: تأمل هذه الكلمة من هذا الامام واعقلها حق العقل تعرف فساد ما عليه من لا يرى الامور اِلاعلى مرتبة واحدة، و تعرف فيها انحراف من جعل القبوريين مرتبة واحدة، وفسادمن لم ير فى طلب الصحابة الا الكفر لقوله ﷺ فى احتجاجه بالأية (اجعل لنا الٰها كما لهم اٰلِهة)

وكلام الشيخ ابن تيمية واضح فى أن هؤلاء الصحابة لم يطلبوا شركا ولا كفرا وانما شابهوا المشركين مجرد مشابهة"

عمر بن محمود کہتے ہیں: امام ابن تیمیہ کی بات میں غور کرو اور اسے اچھی طرح سمجھو تو تمام اُمور کو یکساں سمجھنے کا فساد معلوم ہو جائے گا اور یہ بھی پتا چل جائے گا کہ سب "قبوری" ایک جیسے نہیں ہیں۔ نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان میں (اجعل لنا اِلٰها كما لهم آلهة)

سے استدلال کو دیکھ کر صحابہ کرام کی طلب کو کفر جاننے والے کا بھی رد موجود ہے۔

اور شیخ ابن تیمیہ کا کلام اس بات میں صریح ہے کہ صحابہ کرام نے نہ شرک کا مطالبہ کیا، نہ کفر کا۔ انہوں نے مشرکین سے محض (فضول سوال میں) مشابہت اختیار کی۔

ضمیر صاحب! دیکھیے آپ کے امام ابن تیمیہ کس طرح آپ کا رد کر رہے ہیں، اور صحابہ کرام کے مطالبہ کو شرک قرار دینے کی نفی کر رہے ہیں لہٰذا جب حدیث ترمذی سے آپ کا استدلال سرے ہی سے غلط ہے تو اس کی بنا پر اختراع کردہ اصول بھی فاسد ہے۔

کیا کفری فعل وقول میں جہالت عذر ہے؟

مسئلہ تکفیر میں غیر مقلدین افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ کبھی تو خوارج ومعتزلہ کی طرح تکفیر کا وہ جوش کہ معمولی بات بلکہ امر مستحسن پر کفر وشرک عائد کرنے دوڑ پڑتے ہیں۔ جس کے شواہد گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیے۔ اور کبھی مرجیہ کی طرح عدم تکفیر میں ایسی تفریط میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ختم نبوت کے منکر دجال کذاب مرزا قادیانی کے متبعین بھی انہیں مسلمان دکھائی دیتے ہیں، اسی تفریط کا ایک منظر ابوزید نے پیش کیا اور حدیث ذات انواط سے غلط استدلال کر کے ایک خاص صورت کو مطلق ضابطہ بنا کر لکھ ڈالا:

[عدم واقفیت کی بنیاد پر کفر کا جملہ کہہ دینے والے کو کافر قرار دینے کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے۔ (ص/۷۰)]

حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ جہالت کی بنیاد پر ضروریات دین میں سے کسی ایسی بات کا انکار کرنے والا کیسے مومن کہلائے گا، جس میں بالاتفاق خلاف کا احتمال بلا دلیل بھی موجود نہ ہو! ایسے شخص کے بارے میں فقہائے کرام کا فیصلہ سنیے:

”من شك فی کفره وعذابه فقد کفر“

جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(درمختار، ج/۶، ص/۳۷۰، ذکریا بک ڈپو، سہارن پور)

اور علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ہر اس انسان کی تکفیر کی جائے گی جو صریح کلمہ کفر منہ سے نکالے، یا پھر ایسا فعل کرے جو کفر کا باعث ہو، اگرچہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ کلمہ یا فعل کفر ہے۔ (عمدۃ القاری، ج/۱، ص/۲۷۴، داراحیاء التراث العربی)

علامہ عبدالحکیم حاشیہ خیالی میں لکھتے ہیں:

”والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر“

ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا

(حاشیہ، ص/۶۷، بحوالہ فیض الباری، ج/۱، ص/۱۶۹)

آئیے! قرآن مقدس کا فیصلہ بھی سن لیجیے:

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”ولئن سألتهم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباللہ وأیاته ورسوله کنتم تستهزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم.“ (سورہ: توبہ، آیت: ۶۵-۶۶)

اے محبوب! اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔ تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

دیکھیے! کھلے کفر میں کسی طرح کی تاویل مسموع نہ ہوئی اور رب نے منافقین کو کافر قرار دیا۔

خلاصۂ بحث

☆ کتب اہلِ حدیث شاہد ہیں کہ علمائے غیر مقلدین نے جی بھر کر مسلمانوں کی تکفیر

کی ہے۔

☆ غیر مقلدین نے کروڑوں مسلمانوں کے محض قول وفعل پر شرک کا حکم نہیں لگایا بلکہ قائل وفاعل کو بھی کافر قرار دیا ہے۔

☆ مسلمانوں کی تکفیر کے ساتھ ان پر کافروں کے احکام بھی صادر کیے ہیں۔

☆ غیر مقلدین کے نزدیک قادیانی تو مسلمان ٹھہرے، مگر حضرات مقلدین مشرکین ہی ہیں۔

حرفِ آخر

قارئین کرام! کتاب کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت خوب روشن ہو چکی ہو گی کہ ابو زید نے جن حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے، وہ ناقابل تردید ہیں۔ خود اکابر اہلِ حدیث کی کتابیں چیخ چیخ کر ان جرائم کا اعتراف کر رہی ہیں، اگر اب بھی اہلِ حدیث کے حوالے سے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی شبہ رہ گیا ہو تو جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، ان سے براہ راست اپنے شبہات کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ طباعت کے اختلاف سے صفحات کا فرق تو ہو سکتا ہے مگر اس کے علاوہ کچھ ہو تو سمجھ جائیں کہ تحریف کا عمل جاری ہے۔

مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ کلام میں تلخی پیدا نہ ہو، تاکہ عام قاری بڑی سنجیدگی کے ساتھ حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے ورنہ غیر مقلدین کی کتابیں جن ناشائستہ، غیر مہذب باتوں سے بھری ہیں، ان سب کا ذکر قاری کے ذوق کو بدمزہ کر دے گا۔ پھر بھی بعض مقامات پر الفاظ میں تلخی آ گئی ہے تو یہ ان گستاخانہ عبارات کا فطری ردعمل ہے، اور ناگزیر ہے۔

انصاف پسند طبقہ سے توقع ہے کہ وہ ان حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد نام نہاد اہلِ حدیث کو بے نقاب کر کے راہ حق کو مزید اجاگر کرنے کی سعی کریں گے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ حقائق قبول کرنے والے کے لیے تو اک حرف ہی کافی ہے۔ ؎

تشنہ کامانِ حقیقت کی تسلی کے لیے
گر نہیں بحرِ رواں اک قطرہ شبنم ہے بس

اللھم ارنا الحق حقاوارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

اٰمین بجاہ النبی الکریم علیه افضل الصلوة واکرم التسلیم

☆☆☆☆

Back side of Title

Photo of Idara

دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن.....

......عروس البلاد ممبئی (کرلا) کی عظیم دینی درسگاہ ہے، جو ۱۹۸۵ء سے نونہالان اسلام کی تعلیم وتربیت اور مذہب اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے نمایاں کارنامے انجام دے رہا ہے۔ ۲۲/ باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں طلبہ زیور علم سے آراستہ ہورہے ہیں۔ ادارے کے شعبے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) درس نظامیہ (۲) شعبۂ حفظ (۳) شعبۂ قرأت (۴) شعبۂ عصری علوم

(۵) دارالافتا (۶) دارالتحقیق (۷) رضالائبریری ودارالمطالعہ (۸) تبلغی مشن

(۹) آن لائن علوم اسلام کی اشاعت کے ویب سائٹ www.ghausiya.org

اور قوم کی بچیوں کے لیے مدرسۃ البنات الغوثیہ

لہذا دردمندان ملت سے اپیل ہے کہ اہل سنت و جماعت کے اس مضبوط قلعہ کو مستحکم رکھنے کے لیے ہر ممکن سعی فرمائیں۔